

## ادھر دیکھئے

"انکل! میں.... یعنی کہ فاروق احمد.... پور ہو رہا ہوں۔"

کیا کہا فاروق.... تم اور پور ہو رہے.... ذرا پھر سے کہنا مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔" خان رحمان بوکھلا اٹھے۔

"تو مہربانی فرما کر اپنے کانوں کو اتار کر ایک طرف رکھ دیں۔"

فاروق کی آواز ان کے کان میں گونج اٹھی۔

"اس صورت میں میں فون کا ریسپورس کس چیز سے لگاؤں گا۔"

خان رحمان کھیرا کر بولے۔

"اوہ ہاں! یہ مسئلہ بھی ہے.... خیر.... تو پھر آپ فی الحال کان ایک طرف نہ رکھیں اور میری بات سن لیں۔ بات وہی ہے.... یہ کہ میں پور ہو رہا ہوں۔"

"اچھا بھئی مان لیا.... تم پور ہو رہے ہو.... آگے چلو۔" خان رحمان نے جمل کر کہا۔

"فون سننے کے لئے تو آگے چلنے کی ضرورت نہیں ہوتی انکل۔"

"ارے بھائی.... آگے کہو۔" وہ چلا۔

”ہاں! اب بات بنی!“ فاروق خاموش ہو گیا۔

”اور پہلے بگڑی کب تھی... تم تو اسے زبردستی بگاڑ رہے تھے“

”اوہ! تب تو میں معافی چاہتا ہوں۔“

”چلو معاف کیا... اب کچھ کو گے بھی یا نہیں۔“

”جب سے ہم اشارہ سے تمہیں آدمیوں کے نام پتے لے

لوئے ہیں اور ان کو ٹھکانے لگا دیا ہے... اور جاگو راکا کو جا کر یہ خوشخبری

خبری سنائی ہے اس کے بعد سے لے کر اب تک میں پور ہو رہا ہوں۔“

”آخر کیوں وجہ۔“ وہ بولے۔

”اس وقت سے لے کر اب تک کوئی کیس پلے نہیں پڑا۔ اور کی سیر کا پروگرام بنائیں۔“

ایسا شاید پہلی بار ہو رہا ہے۔“

”لگ... کیسا؟“ وہ ہکلائے۔

”یہ کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے ہیں۔“

”اوہ اچھا... تو پھر... تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔“ خان رحمان نہیں۔“ فاروق نے کہا۔

نے بول کھلا کر کہا۔

”کیا آپ کوئی پکر نہیں چلا سکتے۔“

”ارے بھی کیسا پکر... کچھ وضاحت کرو گے تو بات پلے پڑے

گی۔“

”ہوں ٹھیک ہے... اب مجھے وضاحت کرنا بھی پڑے گی۔ یہ کچھ چلے جاتے ہیں۔“

”ہیں نا انکل... محمود اور فرزانہ۔“

”انکل محمود... یہ محمود تمہارا انکل کب سے ہو گیا؟“ خان

رحمان نے حیرت زدہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

”اوہ انکل... انکل میں نے آپ کو کہا ہے۔“

”خدا کا شکر ہے۔ تم نے صحیح کہا ہے۔ میں تو گھبرا ہی گیا

یہ گھبرانا دیکھنا چھوڑیں... اور بات بتائیں۔“

”بات تو تم بتا رہے تھے ہم۔ مگر۔“ وہ ہکلائے۔

”اوہ! میں بھول گیا... خیر... میں چاہتا ہوں۔ آپ کسی جگہ

اور کی سیر کا پروگرام بنائیں۔“

”اوہ! تو یہ بات ہے... لیکن بھی اتنی سی بات کو اس قدر گھما

بھرا کر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ انہوں نے پرمان کر کہا۔

”جب تک ان باتوں کو گھما پھرا کر نہ کریں۔ یہ باتیں کچھ سچی

نہیں۔“ فاروق نے کہا۔

”اچھا خیر... میں پروفیسر صاحب سے بات کرتا ہوں۔ جگہ کے

بارے میں سوچا ہے۔“

”جی... جی ہاں... ہم آج تک شادون آباد نہیں گئے۔ سنا

ہے... بہت پر نضا اور بارونق قصبہ ہے اور سیاح لوگ اس کی طرف

کھینچے چلے جاتے ہیں۔“

"سین اٹکل... انہیں یہ احساس ہرگز نہ ہو کہ پروگرام ہم نے  
پ کو دیا ہے۔"

"وہ میں سمجھتا ہوں۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔

○

"السلام علیکم حبشید... خان رحمان بات کر رہا ہوں۔"

"خیر تو ہے۔ تمہاری آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ کیوں ہے؟"

لیکچر ہمیشہ نے چونک کر کہا۔

"نہیں تو... تمہیں وہم ہوا ہے۔"

"نہیں... وہم نہیں ہوا... کوئی بات کہنا چاہتے ہو شاید۔"

لیکچر حبشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے۔" وہ فوراً بولے۔

"تو پھر کو... گھبراہٹ کیسی۔"

"یار تم زبردستی مجھ پر گھبراہٹ کیوں طاری کرنا چاہتے ہو۔"

"بھئی نہیں... گھبراہٹ خود تم پر سوار ہے۔ اچھا تم بات

کر رہے۔"

"میں اور پروفیسر پوریت محسوس کر رہے ہیں... ہم نے شارون

یاد جانے کا پروگرام طے کیا ہے... اب ظاہر ہے... تمہارے بغیر تو میر

کا مزہ آتا بھی نہیں۔"

"میں سمجھ گیا... تیاری کر لو۔" وہ ہنسنے۔

"اوہ ہاں! میں نے بھی بہت تعریف سنی ہے... خیر... میں انج  
فون کرتا ہوں۔"

"وہ تو مان جائیں گے اٹکل... اصل مسئلہ ابا جان کا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو... انہیں منانا میرے پائیں ہاتھ کا کھیل ہے  
وہ ہنس دیئے۔"

فاروق ریسپور رکھ کر دونوں کی طرف مڑا۔

"لو بھی اٹکل خان رحمان تو ہو گئے ہیں تیار۔"

"اس کا مطلب ہے... ہم نے آدھا میدان مار لیا ہے۔" عمر  
نے خوش ہو کر کہا۔

"باقی آدھا اٹکل خان رحمان خود مار لیں گے۔"

"لیکن اس کے باوجود ابا جان سمجھ جائیں گے کہ یہ پروگرام ہم  
نے بنایا ہے۔"

"یہی تو مشکل ہے... ہم لاکھ کوشش کریں... وہ جان جاتے

ہیں... خیر دیکھا جائے گا۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا اور پھر چند رو منٹ

بعد خان رحمان کا فون موصول ہوا۔

"پروفیسر یا اٹکل تیار ہیں... اب بتاؤ... حبشید اس وقت کہاں

ہے؟"

"دفتر میں۔"

"میں بات کرتا ہوں۔"

"انہیں شک نہیں ہوا... بلکہ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ یہ محمود، فاروق اور فرزادہ نے یہ سبق تمہیں پڑھایا ہے... پروگرام تمہیں نے ترتیب دیا ہے۔" وہ ہنسے۔

"کیا؟" وہ چلایا۔

"لیکن انہوں نے بالکل برا نہیں مانا... بلکہ جواب میں یہ کہا ہے کہ وہ بھی بہت پورے محسوس کر رہے ہیں۔"

"اوہ... خدا کا شکر ہے۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"اب ہم کل صبح روانہ ہوں گے۔"

"بھئی داد! اسے کہتے ہیں چٹ مگنی پٹ بیاہ۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ارے نہیں بھئی... اس میں بیاہ اور مگنی کہاں سے کدو؟" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"اوہو! آپ نہیں جانتے اگل... بیاہ اور مگنی تو چپ چپاتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"اب تم سے کون مفر مارے؟" انہوں نے جھلا کر فون کا ریسیور رکھ دیا۔

"چلو بھئی! ہم نے میدان مار لیا۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابا جان کو شک نہ ہوا ہو؟" محمود نے اسے کھورا۔

"انہیں اس لئے شک نہیں ہوا کہ انہیں یقین ہے... یہ

"اور تم کیا سمجھ گئے۔ جشید۔"

"محمود، فاروق اور فرزادہ نے یہ سبق تمہیں پڑھایا ہے... پروگرام تمہیں نے ترتیب دیا ہے۔" وہ ہنسے۔

"وہ یار جشید... تم سمجھ جانے کے سلسلے میں... اپنی حیرت بڑی کچھ کم نہیں کر سکتے۔" خان رحمان نے شرمسار لہجے میں کہا۔

"نہیں... اس لئے کہ یہ اللہ کی دین ہے۔"

"اچھا خیر... لیکن تم محمود، فاروق اور فرزادہ کو ایک بات نہیں کہو گے۔"

"اوکے... یونہی سہی۔" وہ بولے۔



ایکپڑ جشید کے گھر کی گھنٹی بجی... فاروق نے فوراً ریسیور اٹھایا... اس کا خیال تھا کہ فون خان رحمان کا ہو گا اور فون انہی کا تھا۔

"تیار رہ کر لو بھئی... انہوں نے پروگرام منظور کر لیا ہے۔"

"انہیں شک تو نہیں ہوا کہ یہ پروگرام ہم نے ترتیب دیا ہے؟"

"نہیں! شک نہیں ہوا۔" خان رحمان ہنسے۔

"خدا یا شکر ہے۔"

"لیکن تم نے اگلی بات نہیں پوچھی۔" خان رحمان نے کہا۔

"اگلی بات کون سی؟"



پروگرام ہمارا ہی بنایا ہوا ہے۔“

”ارے باپ رے۔ مارے گئے پھر تو۔“

”نہیں.... انکل خان رحمان کا کہنا ہے کہ انہوں نے بالکل

نہیں مانا۔“

”اس پر اور زیادہ حیرت ہے۔“ فرزانہ نے فوراً کہا

”ہوگی.... مجھے کیا.... اپنی حیرت اپنے پاس منہمال کر رکھو

آڑے وقت کام آئے گی۔ فاروق نے جملے کئے انداز میں کہا۔

اور دونوں مسکرا کر رہ گئے، مگر انہوں نے تیاریاں شروع

دیں۔ ٹھیک پانچ بجے دروازے کی گھنٹی بجی.... یہ وقت تھا، انسپکٹر جنرل

کے آنے کا لہذا محمود نے دروازہ کھول دیا۔

”تم لوگوں کا پروگرام پسند آیا۔“

”یہ جان کر خوشی ہوئی، لیکن خوشی سے کیسی زیادہ حیرت

ہوئی۔“

”وہ کیوں؟“

”ہمارا خیال تھا.... کہ آپ ہم پر بگڑیں گے۔“

”نہیں.... مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم نے یہ پروگرام بنایا ہے۔“

”حیرت ہے.... آخر آپ کو خوشی کیوں ہوئی ہے۔“

”بہنیں میں.... میں بھی سمجھ نہ ہو رہا تھا.... آخر میں

انسان ہوں۔“

”اوہ ہالہ واقعی.... یہ بات تو ہے۔“ فاروق نے چونک کر کہا۔

”کیا مطلب.... کیا بات تو ہے۔“

”یہ کہ.... آپ بھی آخر انسان ہیں۔“

انسپکٹر جمشید مسکرا دیئے.... دوسرے دن صبح ناشتے کے بعد وہ

خان رحمان کی بڑی گاڑی میں روانہ ہوئے۔ خان رحمان کا کاروبار

ایک بار پھر چمک اٹھا تھا.... انہوں نے ایک چھوٹی سی تجارت شروع کی

تھی جو بہت تیزی سے بڑھ رہی تھی.... اور اب خان رحمان پھر مال دار

بن چکے تھے.... لہذا اب ان کے پاس ایک بڑی اور ایک چھوٹی گاڑی

بھی تھی۔ شہر سے باہر نکلنے لگے تو ایک پولیس چیک پوسٹ پر انہیں

روک لیا گیا، لیکن پھر پہچان لینے کے بعد جانے کی اجازت دے دی

گئی۔ شارون آباد دارالحکومت سے پانچ گھنٹے کے راستے پر ایک چھوٹا سا

قصبہ تھا.... پہاڑی مقام تھا.... ایک جگہ ایک جھیل بھی تھی.... اور

پہاڑوں سے لگتا ہوا ایک چشمہ اسی جھیل میں گرتا تھا.... قصبے میں

چونکہ سیاح بہت آتے تھے اور اکثر لوگ بھی سیر کی غرض سے بڑی

تعداد میں آتے تھے.... اس لئے ان کی ضرورت کے مطابق یہاں بڑے

بڑے ہوٹل تھے.... اور بہت سے اچھے ہوٹل تھے.... وہ اس قصبے میں

پہلی مرتبہ جا رہے تھے.... پہلے اتفاق نہیں ہوا تھا۔

”اگر.... آج ہماری۔“ فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

”کیا آج ہماری.... یہ کیا بات ہوئی۔“ فرزانہ اس کی طرف

مڑی۔

”میرا مطلب ہے.... کیا آج ہماری گاڑی خراب نہیں ہوگی اور نہ۔“

شارون آباد پہنچے سے پہلے کیا ہم کسی کیس میں نہیں الجھیں گے۔“

”ہپ پتا نہیں.... کیا کہا جاسکتا ہے بھلا۔“ محمود نے کہا

”نہیں بھئی.... ہم سیدھے شارون آباد جانا پسند کریں گے۔“

اور وہاں بھی کوئی چکر نہ چلے۔“ انپکٹر جشیہ مسکرائے۔

”یہ آپ کہہ رہے ہیں۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ

رہا۔“

”آجائے گا یقین.... میں اس بار تفریح کے موڈ پر ہوں۔“

انپکٹر جشیہ بولے۔

”ایسا زندگی میں پہلی بار سننے میں آ رہا ہے.... اور شاید آج کے

بعد پھر کبھی سننے میں نہ آئے گا۔“

”یار تم لوگ آخر مجھے کیا سمجھتے ہو۔“ انپکٹر جشیہ جھلا اٹھے۔

”جی.... ابا جان۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد نے بغیر نہ رہ سکے۔

”لیکن افسوس.... ہم تو جشیہ تمہیں یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔“

پروفیسر بولے

”جی.... کیا نہیں کہہ سکتے۔“ انہوں نے حیرت سے کہا

”ابا جان۔“ وہ فوراً بولے۔

اور وہ سننے لگے۔ اچانک انہوں نے ٹائر پگچر ہونے کی آواز

”نو ہو گیا کام۔“ انپکٹر جشیہ نے فاروق کو گھورا۔

”اس سے کیا فرق پڑ جائے گا۔“ پانچ منٹ بعد دوسرا ٹائر لگ

جائے گا۔

”ہوں.... اتار دو نیچے۔“

انہوں نے دوسرا ٹائر لگایا اور پھر روانہ ہوئے۔ لیکن ابھی پانچ

منٹ ہی چلے ہوں گے کہ پھر ٹائر پگچر ہو گیا۔

”اب ہوا تا پورا کام۔“ انپکٹر جشیہ کہنے۔

خان رحمان نے گاڑی سڑک کے کنارے کر کے روک لی۔ سب

نیچے اترے آئے۔ انہوں نے دیکھا.... سڑک دور دور تک سنسان

تھی.... اور دائیں بائیں آبادی کے آثار نہیں تھے۔

”برے بچے۔“ خان رحمان بیڑی لے

”فاروق ذرا اس درخت پر چڑھنا۔“ انپکٹر جشیہ نے کہا۔

”جی بہتر۔“ اس نے کہا اور چڑھنے لگا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا

چاہتے ہیں۔

وہ بلا کی رفتار سے چڑھتا جا رہا تھا کہ اچانک اس نے پھٹکار کی

آواز سنی۔

”اے باپ رے۔“

”بچے کو جلاؤ۔۔۔ یہ بھیر سانپ کی آواز ہے۔“ انپکڑ بھاڑے۔

اور فاروق نے چھلانگ لگا دی۔۔۔ لیکن ساتھ ہی سانپ بھی لے آکوا۔ فاروق کی طرف لپکا۔۔۔

فاروق نے خوف زدہ انداز میں ایک سمت میں چھلانگ لگا دی۔ اتنے میں انپکڑ جھید نے سانپ کے سر پر فائر کر دیا اس کا سراڑ مچا اور باقی جسم جھج کھانے لگا۔

”یہ ضرور مادہ سانپ ہے۔ اور اس نے درخت پر اڑے دے رکھے ہوں گے ورنہ شاید اس طرح حملہ آور نہ ہوتی اور درخت سے نہ کودتی۔“

”اب۔۔۔ اب تو مجھے اس جنگل کے درختوں سے ڈر گئے گا ہے۔“

”ابا جان۔۔۔ وہ۔۔۔ ادھر دیکھئے۔“

ایسے میں انہیں فرزانہ کی آواز سنا دی۔

یہ کیا

انہوں نے دیکھا۔۔۔ کسی پگ ڈنڈی سے ایک گدھا گاڑی سڑک پر آئی تھی اور اس کا رخ ان کی طرف تھا۔

”ہن فاروق! اب درخت پر چڑھنے کی ضرورت نہیں۔“  
”خدا کا شکر ہے۔۔۔ ورنہ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا۔۔۔ جیسے اس جنگل کے ہر درخت پر سیاہ سانپوں کا بیڑا ہے۔“

وہ مسکرا دیے۔ اتنے میں گدھا گاڑی والا نزدیک آگیا۔۔۔ وہ ان کی طرف حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔۔ آخر وہ ان کے بالکل نزدیک رک گیا اور حیرت زدہ انداز میں بولا۔

”کیا بات ہے صاحب۔۔۔ گاڑی خراب ہو گئی ہے؟“

”نہیں۔۔۔ ٹائر پنچر ہو گیا۔“

”تو دو سرا لگا لیں۔۔۔ کیا آپ کے پاس فالتو ٹائر نہیں ہے؟“

”وہ پہلے لگا چکے ہیں۔۔۔ یہ دوسری پار پنچر ہوا ہے۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔“

”اب ہم کیا کریں۔۔۔ کیا آپ کچھ بتا سکتے ہیں۔“

وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے کہا۔

”یہاں سے نزدیک ترین دیہات بھی پندرہ کلومیٹر دور ہے وہاں سے پنچر گلوایا جاسکتا ہے۔“

”پڑھے لکھے لگتے ہیں آپ۔“

”جی ہاں! میں میٹرک پاس ہوں۔“

”اور چلاتے ہیں گدھا گاڑی؟“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”آج کل میٹرک پاس کو نوکری کہاں ملتی ہے جناب۔۔۔ میرے والد گدھا گاڑی چلایا کرتے تھے۔ ان کے بعد میں نے چانا شروع کر دی۔“

”ہوں۔۔۔ آپ کہاں رہتے ہیں۔“

”جنگل میں گھر ہے میرا۔“ اس نے بتایا۔

”لیکن کیوں۔۔۔ آپ دیہات میں یا کسی قصبے میں کیوں نہیں رہتے؟“

”گھر کے ساتھ ہماری کچھ زمین ہے۔۔۔ اس لئے ہم نے اپنا گھر یہیں بنا لیا ہے۔۔۔ گدھا گاڑی پر ہر ہفتے دیہات سے ضرورت کی چیزیں لے آتا ہوں۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ کے گھر میں آرام کر لیں۔۔۔ اور آپ گدھا گاڑی پر ہمارے ٹائروں کو پنچر گلوالائیں۔“

”ضرور ہو سکتا ہے۔ لیکن اس میں کئی گھنٹے لگ جائیں گے۔“

”کوئی بات نہیں۔۔۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں۔“

”تو پھر آئیں۔۔۔ میرے ساتھ۔“

اس نے گدھ گاڑی دیہاں ایک درخت سے ہاتھ دی اور انہیں لے کر چل پڑا۔۔۔ پک ڈنڈی سے اترتے ہی انہیں کچھ فاصلے پر ایک مکان کے آگے نظر آئے۔ مکان کچا تھا۔۔۔ دو کمروں کا تھا۔۔۔ ہاتھ والا قیل لگا ہوا تھا۔۔۔ اس کے صحن میں نیم کا ایک درخت تھا۔۔۔ مکان کے باہر ایک کنواں تھا اور کنوئیں کے ساتھ ایک لمبا چوڑا کھیت۔ لیکن مکان میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ اندر داخل ہونے کے بعد انہوں نے یہ بات فوراً محسوس کر لی۔

”یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔“ انسپکٹر جمشید بولے۔

”اس وقت سب لوگ دوسرے کھیت میں کام کرنے کے لئے گئے ہیں۔۔۔ جب اپنے کھیت میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ تو دوسروں کے کھیتوں میں ہم لوگ کام کر لیتے ہیں۔ اس طرح کچھ پیسے بن جاتے ہیں۔“

”ہوں۔۔۔ خیر۔ ہم یہاں آرام کر لیتے ہیں۔۔۔ آپ دونوں ٹائر لے جائیں اور پنچر گلوالائیں۔۔۔ ہم آپ کو معاوضہ ادا کریں گے۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔

”اوہ ہاں! ایک اور بات ہے۔۔۔ آپ کا نام کیا ہے جناب؟“

”جی۔۔۔ مجھے۔۔۔ میں بانا خان ہوں۔“

"باناخان؟" انسپکٹر جمشید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں جنتا باناخان۔"

"عجیب سا نام ہے۔"

"جی ہنس.... دیسائی نام عجیب و غریب ہی ہوتے ہیں۔"

اور پھر وہ چلا گیا۔

"عجیب دیسائی ہے.... ایسے دیسائی تو میں نے کہیں دیکھے نہ

سے۔" خان رحمان نے منہ ہنایا۔

"کیا مطلب اکل؟"

"مطلب یہ کہ.... دیساتوں میں مہمانوں کے سامنے لسی پانی ضرور

رکھا جاتا ہے.... اس نے کچھ بھی نہیں پوچھا۔"

"شاید اس کے گھر کا کوئی فرد آکر یہ کام کرے گا.... ان لوگوں

کی دلہنی ہونے والی ہوگی۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"کیا ہم مکان کا جائزہ لے لیں؟"

"ہاں! کوئی حرج نہیں.... لیکن کھانے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ

لگانا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی ہنر۔" انہوں نے کہا۔

انہوں نے ادھر ادھر گھوم پھر کر دیکھا.... گھر میں ضرورت کی

چیزیں سلیقے سے رکھی تھیں.... آٹا، مکدّم، دالیں وغیرہ بھی ڈبوں میں نظر

آئیں.... ایک ٹکے میں لسی بھی تھی.... ایسے میں انہوں نے قدموں کی

آوازیں سنیں.... وہ چونک اٹھے.... شاید گھر کے لوگ واپس آ رہے

تھے.... لہذا وہ فوراً صحن میں آ گئے۔

اسی وقت ایک دیسائی مرد اور یک عورت اندر داخل ہوئے....

انہیں دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے۔

"آپ.... کون ہیں آپ لوگ؟"

"مسافر.... ہماری گاری کے ٹائر چٹچر ہو گئے ہیں.... باناخان چٹچر

لگوانے کے لئے گئے ہیں اور ہمیں یہاں بٹھا گئے ہیں۔"

"اف مالک۔" وہ دونوں سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"کیوں.... کیا ہوا؟"

"اس شخص نے ہمارا جینا حرام کر دیا ہے۔"

"جلدی بتائیں.... کیا معاملہ ہے۔"

"آپ کے ٹائر تو گئے.... اب وہ آپ کو نہیں ملیں گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"اس نے لوگوں کو اونٹنے کا نیا طریقہ ایجاد کیا ہے.... سڑک پر

کیلیں بکھیر دیتا ہے.... پھر گدھا گاڑی لے کر ان کی مدد کو پہنچ جاتا

ہے.... گاڑی والوں کو یہاں بٹھا دیتا ہے.... اپنا گھرتا کر.... اور ٹائر لے

کر غائب ہو جاتا ہے.... آپ کے ٹائر نئے تھے یا پرانے۔"

"بالکل نئے.... گاڑی بھی بالکل نئی ہے۔"

"تب تو پانچ ٹائروں کے خوب پیسے حاصل کرے گا۔"

”پانچ ٹائزوں کے... کیا مطلب؟“

”تو اور کیا... آپ کے خیال میں وہ صرف دو ٹائز لے کر گیا مسکرائے۔“

گا... باقی تین بھلا وہ کیوں چھوڑ کر جائے گا۔“

”نہیں۔“ یہ کہہ کر انہوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

دوڑتے ہوئے سڑک پر پہنچے اور یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ پانچ ٹائز غائب تھے۔

فرزانہ... ہم یہاں سے چل کر اس گھر تک کتنی دیر میں پہنچے تھے؟“

”پانچ منٹ میں۔“ فرزانہ نے فوراً کہا۔

”ہمیں گھر میں بٹھا کر وہ پانچ منٹ میں یہاں آیا۔ اور باقی کے

تین ٹائز نکالنے میں اس نے پندرہ منٹ لگائے ہوں گے... میں منٹ

یہ ہو گئے... ہمیں گھر میں بیٹھے ادھ کھٹا ہو گیا ہے گویا وہ قریباً پندرہ

منٹ پہلے یہاں سے روانہ ہوا ہو گا... گدھا گاڑی پر اس نے پندرہ

منٹ میں کتنا فاصلہ طے کر لیا ہو گا فرزانہ؟“

”جی... قریباً پانچ کلومیٹر۔“

”اور میں یہ فاصلہ کتنی دیر میں طے کر لوں گا؟“

”قریباً آٹھ منٹ میں، لیکن آٹھ منٹ میں وہ دو کلومیٹر اور آگے

جا چکا ہو گا... لہذا آپ کو پارہ سے پندرہ منٹ تک دوڑنا پڑے گا۔“

”اور میں دوڑوں گا۔“

”جانے دو جشید... ہم اور ٹائز خرید لیں گے۔“ خان رحمان

”اوہو بھئی... یہاں سے جانے کا بھی مسئلہ ہے... ہم کب تک

یہاں رہیں گے... میں جا رہا ہوں... اگر وہ مل گیا تو پتھر لگوا کر ہی

لوٹوں گا۔ آپ لوگ گھر میں جا کر آرام کر لیں۔“

”جی... بہت اچھا۔“

اور انسپکٹر جشید نے دوڑ لگا دی... دیکھتے ہی دیکھتے وہ نظروں سے

اوجھل ہو گئے... وہ واپس لوٹے اور گھر میں داخل ہوئے اس وقت

مالک مالک نے ان کے سامنے لسی کے بڑے بڑے گلاس رکھ دیے۔

بھاگ دوڑ کی وجہ سے انہیں پیاس محسوس ہو رہی تھی... لہذا وہ

لسی پی گئے۔

اچانک انہیں گہری نیند محسوس ہونے لگی... اور وہ چارپائیوں پر

زیر ہوتے چلے گئے... ان کی آنکھیں کھلیں تو انسپکٹر جشید انہیں بری

طرح جھنجھوڑ رہے تھے۔

”کک کیس نشہ تو پی کر نہیں سو گئے تھے آپ لوگ؟“ انہوں

نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

”نہیں... لیکن لسی پانی گئی تھی۔“

”تب پھر اس لسی میں ضرور کچھ تھا۔“

”نہیں... بھلا مالک مکان کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت

تھی؟

”انہیں ایسا کرنے کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ ہمارا سنا بھی غائب ہے۔۔۔ گھڑیاں اور خان رحمان کی میسرے کی انگوٹھی اور دوسری قیمتی چیزیں۔۔۔ سب غائب ہیں۔ البتہ سڑک پر ٹائروں کے بڑے گاڑی کھڑی ہے۔“

”الف مالک! یہ کیا ہوا۔۔۔ ہم لوگ سیدھے سادے دیہاتیوں ہاتھوں لٹ گئے۔“ خان رحمان کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔  
”نہیں خان رحمان۔۔۔ وہ سیدھے سادے دیہاتی نہیں تھے۔ تو بہت چار سو میں شہری لوگ تھے۔ ہم نے انہیں پہچاننے میں کی ہے۔“

”پھر اب کیا پروگرام ہے۔۔۔ اب تو نہ کار استعمال کے قابل رہی۔ اور نہ ہمارے پاس کچھ نقدی وغیرہ۔“ پروفیسر داؤد بے چین کر پورے

”میں شر جاؤں گا“ نئی گاڑی اور نیا سامان لاؤں گا“ پھر آگے چلیں گے۔ اس وقت تک آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔“  
”اچھی بات ہے۔“

”ویسے اباجان۔۔۔ اگر یہ خیر اخبارات میں لگ گئی تو خوب مذاں اڑے گا۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔  
”اڑنے دو اڑتا ہے تو۔۔۔ بلکہ کسی اخبار نے خود یہ خبر نہ لگائی

میں انہیں اطلاع دے دوں گا۔“ وہ مسکرائے۔

”ہائیں! کیا کہا۔۔۔ آپ اطلاع دے دیں گے۔ کم از کم یہ منسوب تو نہ کرنا جشید۔“ پروفیسر داؤد نے طنزیہ انداز میں کہا۔  
”میں ایسا کروں گا۔ لیکن اگر خود بخود خبر نہ لگی تب۔۔۔ اور میں جا رہا ہوں۔“

”ہماری ایک اور تجویز ہے۔“ فرزانہ بول اٹھی۔  
”ہاں! تم بھی کہو۔“ وہ جھکے جھکے انداز میں بولے۔  
”جب تک آپ لوٹ نہیں آتے۔ ہم ان لوگوں کا سراغ کیوں نہ لگنے کی کوشش کریں۔“

”یہ زیادہ بہتر رہے گا۔ اس لئے کہ وہ اور لوگوں کو بھی اسی طرح اٹھتے ہوں گے۔۔۔ چلو دوسروں کو ہی ان سے نجات مل جائے گی۔۔۔ لہذا جب تک میں لوٹوں۔۔۔ تم ان کا سراغ ضرور لگا لیتا۔ گرفتار نہ کر سکو تو کوئی بات نہیں۔۔۔ کیونکہ میرے خیال میں۔۔۔ وہ اس وقت تک بہت دور جا چکے ہوں گے۔“ انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

”لیکن اباجان۔۔۔ سوال یہ ہے کہ آپ جانتیں گے کیسے؟“  
”بھئی ہم اس وقت شر سے صرف پینتالیس کلومیٹر دور آئے ہیں۔۔۔ میں فی الحال تو پیدل مارچ شروع کر رہا ہوں۔۔۔ دوسری طرف سے کوئی گاڑی آتی مل گئی۔ تو پھر اس پر لفٹ لوں گا۔ یا پھر کسی دیہات تک پیدل چلا ہوا پہنچ جاؤں گا۔۔۔ اور وہاں سے کوئی چیز تو ایسی

میں ہی جائے گی.... جو شہر تک پہنچا دے۔ کرائے کی کاریں بھی طرف ملے.... دو سری پارٹی سڑک کے اس طرف.... اس لئے کہ ہمیں جاتی ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔ لیکن اس طرح آپ کو نہ جانے کب تک یہ طرف۔"

چلتا پڑے گا۔"

"کوئی بات نہیں.... اب اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں

اس لئے کہ اگر ہم ان چوروں کو تلاش بھی کر لیتے ہیں.... ان سے ملے.... وہ ایک ایک قدم آگے بڑھتے رہے.... بڑھتے رہے۔"

واپس بھی حاصل کر لیتے ہیں.... تب بھی.... ہمیں پچھر لگوانے کے

اجانک فرزاند کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

جانا پڑے گا۔"

"ارے! یہ کیا؟"



"او کے حبشید.... خدا حافظ۔" خان رحمان نے ہاتھ بلایا۔

"چلئے۔ آپ کو سڑک تک رخصت کر آتے ہیں۔ وہیں ہم اپنی تفتیش شروع کر دیں گے۔" محمود نے کہا۔

"اچھا خیال ہے۔" انسپکٹر حبشید مسکرائے۔

وہ سڑک پر آئے.... وہاں ان کی اپناج گاڑی کھڑی تھی.... انسپکٹر حبشید تو خدا حافظ کہ کر آگے بڑھ گئے.... اور انہوں نے اس جگہ کا بائو جائزہ شروع کر دیا.... جس جگہ اس شخص نے گدھا گاڑی کو روکا تھا۔

گدھا گاڑی کے دونوں ٹائروں کے نشانات اب تک سڑک سے نیچے کیجی جگہ پر صاف بنے نظر آ رہے تھے.... انہوں نے ان ٹائروں کے نشانات کو بغور دیکھا.... پھر فرزاند نے کہا۔

"ہم دو پارٹیوں میں بٹ جاتے ہیں.... ایک پارٹی سڑک کے



## غیر سادہ

وہ فوراً لپکے اور فرزانہ کے پاس آ جمع ہوئے۔

”ہاں! کیا ہے... کیوں چلا آئیں؟“ فاروق نے جھلا کر کہا۔

”یہ دیکھیں انکل... آپ کا بال پوائنٹس جو گاڑی میں رہا

ہے... تاکہ راستے میں آپ کو کچھ نوٹ کرنا پڑ جائے تو قلم کی تلاش میں پریشان نہ ہونا پڑے۔“

”بب... بالکل... اس کا مطلب ہے... ہم درست سمت میں

رہے ہیں... اور ان چوروں تک پہنچ جائیں گے۔“

”پھر تو مڑا آ جائے گا... ہم ابا جان کی واپسی سے پہلے آپ

چوروں تک پہنچ جائیں گے۔“ محمود بولا۔

”ان شاء اللہ۔“

اب وہ مل کر آگے بڑھنے لگے... پانچ منٹ تک پیدل چلتے رہے

کے بعد آخر انہوں نے نشانات کو ایک پگ ڈنڈی پر مڑتے دیکھا۔

اس پگ ڈنڈی پر چلتے گئے... ساتھ میں نشانات پر بھی نظریں

رہیں... اب کئے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا... انہیں مزید

منٹ تک کہتوں کے درمیان سے گزرتا پڑا۔ اس کے بعد کہیں جا کر انہیں ایک پرانا مکان نظر آیا اور اس کے باہر وہ گدھا گاڑی کھڑی نظر آئی۔ لیکن اس وقت اس پر ہانا خان نہیں تھا... اور نہ گاڑی پر ٹائر تھے۔ وہ آگے بڑھے... محمود نے دروازے پر دستک دی... دو منٹ تک دروازہ پینے پر بھی کوئی باہر نہ آیا... تو محمود نے فاروق کو اشارہ کیا... جلد ہی وہ چست پر نظر آیا... اور پھر زینے کے راستے نیچے اتر گیا... اس نے دروازہ کھول دیا۔

”اندرو کوئی نہیں ہے۔“

”حیرت ہے... گدھا گاڑی، پھر یہاں کیوں کھڑی ہے۔“

”ہمارا وقت ضائع کرنے کے لئے۔“ فرزانہ مسکراتی۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونک کر بولا۔

”در اصل شروع سے لے کر اب تک ہمارے ذہنوں میں یہ بات

رہی ہے کہ ہمیں چند دینے والا ایک دیسائی یا چند دیسائی ہیں... لہذا

ہم ان سے انہیں جیسی امید باندھ لیتے ہیں... یہ کہ ہم نہایت آسانی

سے ان تک پہنچ جائیں گے۔ ان کا سراغ لگا لیں گے... نشانات نظر

آنے پر یہ بات اور بھی آسان لگنے لگی تھی۔ اور ہم نے یہی خیال کیا

تھا کہ بس اب لگا لیا ان کا سراغ۔ جب کہ وہ اگر دیسائی ہیں... تب

بھی کافی ہوشیار اور چالاک ہیں۔ اور یہ کام ان کا نیا نہیں... یعنی اس

قسم کی واردات انہوں نے پہلی مرتبہ نہیں کی... یہ کھیل وہ نہ جانتے

کب سے کھیل رہے ہیں۔ لہذا خوب جانتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ جلدی وہ مل گئے۔ ان پر جوش طاری ہو گیا۔ وہ ان نشانات  
ہے۔ میں تو اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ کو دیکھتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ اور پھر ایک بست لیے  
لوگوں تک ہم نہیں پہنچ سکیں گے۔" خان رحمان نے جلدی جلدی کہہ کر ٹپک ٹپک ہنسی کی۔

"آپ کی تمام باتیں بالکل درست ہیں۔ لیکن واپس جانے کے لیے اب تو مجھے یہ الفاظ بھی واپس لینا پڑیں  
بات نامحکوم۔ ہم بھی آخر اتنی جلدی ہار ماننے والے نہیں ہیں۔" کہنے کے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تحقیق کرنے والے یہاں  
"اچھی بات ہے۔ پھر اب تو ٹائمرز کے نشانات ختم ہو چکے ہیں۔ اب تک پہنچ جائیں گے۔ انہیں یقین تھا کہ تحقیق کرنے والے یہاں  
ہیں۔ اب تم آگے کس طرح بڑھو گے؟"

"بچوں کے نشانات دیکھ کر گھر کے اندر پائے جانے والے۔ اب اس جگہ سے ان کا سراغ لگانا آسان نہیں۔ اس لئے کہ  
نشانات کو بھی ہم نے غور سے دیکھا تھا۔ اور اس گھر کے چاروں طرف کھیت بست طویل ہیں اور اگر ہم چاروں طرف کا چکر لگالیں تب بھی  
طرف کیس نہ کہیں وہ نشانات ملیں گے۔ پہلے وہ یہاں جمع ہوئے۔ انہیں یہ خیال تک نہیں ہوا کہ وہ کھیت کے فوراً بعد دوسرا کھیت  
ہیں۔ اس کے بعد آگے بڑھے ہیں۔ انہیں یہ خیال تک نہیں ہوا کہ وہ کھیت کے فوراً بعد دوسرا کھیت  
کہ ہم تحقیق کرتے یہاں تک آجائیں گے۔ ورنہ گدھا گاڑی میں نہ کھڑی ہوتی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم صبر کر لیتے ہیں۔ بیس سے واپس چلتے ہیں  
اور اباجان کے آنے پر اپنی ناکامی کا کھلے دل سے اعلان کر دیں گے۔"  
فرزانہ نے مسکراتے ہوئے شوخ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے آئیے واپس چلیں۔" محمود نے منہ بتایا۔  
"میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔" فرزانہ نے چونک کر  
کہا۔  
"خیر بتاؤ۔ کیا بات ذہن میں آئی ہے۔ ہم سن لیتے ہیں۔"

کب سے کھیل رہے ہیں۔ لہذا خوب جانتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ جلدی وہ مل گئے۔ ان پر جوش طاری ہو گیا۔ وہ ان نشانات  
ہے۔ میں تو اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ کو دیکھتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ اور پھر ایک بست لیے  
لوگوں تک ہم نہیں پہنچ سکیں گے۔" خان رحمان نے جلدی جلدی کہہ کر ٹپک ٹپک ہنسی کی۔

"آپ کی تمام باتیں بالکل درست ہیں۔ لیکن واپس جانے کے لیے اب تو مجھے یہ الفاظ بھی واپس لینا پڑیں  
بات نامحکوم۔ ہم بھی آخر اتنی جلدی ہار ماننے والے نہیں ہیں۔" کہنے کے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تحقیق کرنے والے یہاں  
"اچھی بات ہے۔ پھر اب تو ٹائمرز کے نشانات ختم ہو چکے ہیں۔ اب تک پہنچ جائیں گے۔ انہیں یقین تھا کہ تحقیق کرنے والے یہاں  
ہیں۔ اب تم آگے کس طرح بڑھو گے؟"

"بچوں کے نشانات دیکھ کر گھر کے اندر پائے جانے والے۔ اب اس جگہ سے ان کا سراغ لگانا آسان نہیں۔ اس لئے کہ  
نشانات کو بھی ہم نے غور سے دیکھا تھا۔ اور اس گھر کے چاروں طرف کھیت بست طویل ہیں اور اگر ہم چاروں طرف کا چکر لگالیں تب بھی  
طرف کیس نہ کہیں وہ نشانات ملیں گے۔ پہلے وہ یہاں جمع ہوئے۔ انہیں یہ خیال تک نہیں ہوا کہ وہ کھیت کے فوراً بعد دوسرا کھیت  
ہیں۔ اس کے بعد آگے بڑھے ہیں۔ انہیں یہ خیال تک نہیں ہوا کہ وہ کھیت کے فوراً بعد دوسرا کھیت  
کہ ہم تحقیق کرتے یہاں تک آجائیں گے۔ ورنہ گدھا گاڑی میں نہ کھڑی ہوتی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم صبر کر لیتے ہیں۔ بیس سے واپس چلتے ہیں  
اور اباجان کے آنے پر اپنی ناکامی کا کھلے دل سے اعلان کر دیں گے۔"  
فرزانہ نے مسکراتے ہوئے شوخ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے آئیے واپس چلیں۔" محمود نے منہ بتایا۔  
"میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔" فرزانہ نے چونک کر  
کہا۔  
"خیر بتاؤ۔ کیا بات ذہن میں آئی ہے۔ ہم سن لیتے ہیں۔"

فاروق نے منہ بنایا۔

"دیکھا انکل آپ نے۔۔۔ کہنے کا انداز ایسا ہے۔۔۔ جیسے بات کر رہے ہو۔۔۔ مجھ پر احسان کریں گے۔"

"دیکھا نہیں۔۔۔ سنا ہے۔۔۔ ہاں فاروق بری بات ہے۔۔۔ پر ہمارے ہاں۔۔۔"

"جی بہت بہتر۔۔۔ فاروق نے فوراً کہا۔  
"کیا جی بہت بہتر؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کہ بری بات ہے۔۔۔" فاروق مسکرایا۔  
"فرزانہ کے ذہن میں جو بات آئی ہے۔۔۔ وہ کہیں ذہن سے

گول نہ ہو جائے۔۔۔ اس لئے۔۔۔ مہربانی فرما کر پہلے اس کی بات سن لیں۔۔۔"  
"لو۔۔۔" خان رحمان نے گہرا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک۔۔۔ ہاں فرزانہ بتاؤ۔۔۔"  
"جس گھر کے سامنے گدھا گاڑی کھڑی کی گئی ہے۔۔۔ ہم۔۔۔"

اس کا اندر سے بغور جائزہ نہیں لیا۔۔۔ آخر ان لوگوں نے گدھا گاڑی  
اس گھر کے ساتھ کیوں باندھی۔۔۔ وہ تو کسی درخت کے ساتھ بھی باندھ  
سکتے تھے۔۔۔"

"اس گھر سے اپنا تعلق ثابت کرنے کے لئے۔۔۔"  
"فرزانہ نے کہا۔۔۔"

"ضرور ڈال لو۔۔۔ لیکن وہ آخری نظر واقعی آخری ہونی  
چاہیے۔۔۔" محمود نے منہ بنایا۔  
"کوشش کروں گی۔۔۔" فرزانہ مسکرائی۔

مردوں کا کوئی تعلق ضرور ہے۔۔۔ لہذا ہمیں اس گھر کا اندر سے جائزہ  
لےنا چاہیے۔۔۔"

"تو آؤ۔۔۔ لے لیتے ہیں۔۔۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔۔۔"

وہ واپس اس گھر کی طرف آئے۔۔۔ مکان اسی طرح جوں کا توں  
پیدا تھا۔۔۔ اب انہوں نے اس کا اندر سے بغور جائزہ لیا۔۔۔ لیکن اس  
بات کے کوئی آثار نظر نہ آئے کہ ان چوروں نے اندر کچھ وقت ضرور  
گزارا ہے۔۔۔

"سیدھے سامنے چور ہمارے لئے مسئلہ بن گئے۔۔۔ کمال ہے۔۔۔"

"حیرت ہے۔۔۔"  
"ان لوگوں میں بھی عقل تو ہوتی ہے۔۔۔ ہم بلاوجہ انہیں عقل  
سے پیدل خیال کر بیٹھے ہیں۔۔۔"

"میرا خیال ہے۔۔۔ ہم واپس پہلے مکان پر چلتے ہیں۔۔۔ اباجان کا  
انتظار کرتے ہیں اور بس۔۔۔ اور اس کیس میں اپنی ٹاکی کی کا اعلان کر  
دیتے ہیں۔۔۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ لیکن میں ایک آخری نظر اور ڈال لوں۔۔۔"

فرزانہ نے کہا۔۔۔

"ضرور ڈال لو۔۔۔ لیکن وہ آخری نظر واقعی آخری ہونی  
چاہیے۔۔۔" محمود نے منہ بنایا۔  
"کوشش کروں گی۔۔۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اس کا مطلب ہے۔ یہ نہ خانے کا دروازہ ہے۔۔۔ اور چور نہ  
 خانے میں ہیں۔" محمود نے پر جوش انداز میں کہا۔  
 "اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔"  
 "تب پھر کھولو اس کو۔"

فرزادہ نے ناخن کی مدد سے ذرا سا زور لگایا۔۔۔ دروازہ کھل  
 گیا۔ اور انہیں سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آئیں۔

"کمال ہے۔۔۔ حیرت ہے۔۔۔ اس قدر آسان راستا اور ہمیں نظر  
 نہیں آیا تھا۔" فاروق دھک سے رہ گیا۔

"یہ لوگ سادہ ضرور ہیں۔ لیکن عقل سے پیدل ہرگز نہیں  
 رہے۔ جب کہ ہم لوگ سادہ کا مطلب عقل سے پیدل خیالی کر بیٹھے  
 ہیں۔"

"تم لوگ اوپر آ جاؤ۔۔۔ ہم نے نہ خانے کا دروازہ کھول لیا  
 ہے۔ اگر اب تم اوپر نہیں آؤ گے تو ہم نیچے قازنگ کر دیں گے۔ کیا  
 کہو؟"

نیچے سے کوئی جواب نہ ملا۔ انہوں نے پھر یہ الفاظ دہرائے۔  
 "ایسا لگتا ہے۔۔۔ جیسے نیچے کوئی نہیں ہے۔" خان رحمان

"اب اس جگہ کو غور سے دیکھو۔ پورا دروازہ دیوار میں صاف بند ہے۔"

"فاروق! ذرا توجہ دنا۔" محمود نے کہا۔

توجہ کی مدد سے نیچے کا جائزہ لیا گیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

اب وہ ان سے الگ کوشش میں مصروف ہو گئی۔ کمروں  
 دیواروں کو اس نے ٹھوک بجا کر دیکھا۔ فرش کو بھی چیک کیا۔  
 جگہ دیوار کی آواز کھوکھلی سی محسوس ہوئی۔۔۔ اور غور سے دیکھنے پر  
 مسکرا دی اور اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آئی۔۔۔ منہ لٹکا ہوا تھا۔  
 "بس۔ کر لی آخری کوشش۔"

"ہاں! کر لی۔" وہ بولی۔

"تو پھر چلیں۔" محمود نے کہا۔

"نہیں! آخری کوشش کا نتیجہ تو پہلے معلوم کر لو۔"

"ہائیں۔ تو کیا اس کوشش کا نتیجہ بھی نکلا ہے کچھ۔"

"اللہ کی مہربانی سے۔۔۔ ایک دیوار کھوکھلی ہے۔"

"مجھے بھی دکھاؤ۔"

"آئیے میرے ساتھ۔"

وہ انہیں اس کمرے میں لے آئی۔

"ذرا اس جگہ پر ٹھک ٹھک کرنا محمود۔"

محمود نے انگلی کے ذریعے ٹھک ٹھک کیا۔۔۔ آواز کھوکھلی تھی۔

"اوہ۔ واقعی آواز کھوکھلی ہے۔"

"اب اس جگہ کو غور سے دیکھو۔ پورا دروازہ دیوار میں صاف بند ہے۔"

نظر آئے گا۔ یہ دیکھو پارک سی لکیر۔"

"آخر یہاں اس لکیر کا کیا کام۔ ایک مستطیل لکیر۔"

آخر وہ نیچے اتر گئے۔ خانے کا فرش کچا تھا۔ اور اس پر تازہ قدموں کا جائزہ لیا۔ نشانات نظر کے نشانات صاف نظر آ رہے تھے۔ لیکن وہاں تھا کوئی نہیں۔ اور آ رہے تھے۔ وہ ان کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اور پھر ان کے ان کی چیزوں میں سے کوئی چیز وہاں موجود تھی۔

"اب یہاں سے وہ کہاں چلتے ہیں؟" پروفیسر داؤد بوکھلا کر بولے۔

"جب ان لوگوں نے دیکھا کہ ہم یہاں تک آ گئے ہیں تو وہ یہاں سے بھی نکل گئے۔ ورنہ جب ہم اس مکان کے آس پاس گھر رہے تھے۔ اس وقت تک وہ ہمیں چھپے ہوئے تھے۔ ان کا خیال یہی تھا کہ ہم تنگ آ کر واپس چلے جائیں گے۔ اور ہم نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ لیکن پھر ہم یہاں آ گئے۔ اس خانے کے دروازے سے لگ کر انہوں نے ہماری باتیں سن لیں اور پھر خانے سے بھی نکل گئے۔"

"لیکن کیسے؟ سوال تو یہ ہے؟"

"یہ دیکھنا ہو گا۔"

"کیا کہا۔ کیا وہ اس قابل بھی ہیں کہ ہم پر حملہ کر سکیں۔"

"ہاں! اس جنگل میں وہ اس قابل ہیں۔"

"او کے۔۔۔ چلو واپس ہی چلتے ہیں۔ لیکن یہ دیکھ لو۔۔۔ ایما جان ہارا خوب مذاق اڑائیں گے۔" فاروق نے منہ ہنایا۔

"مذاق ڈالنے کا ان کا حق بھی ہے۔" محمود مسکرایا۔

وہ واپس مڑے۔ لیکن ابھی چند قدم ہی چلے ہوں گے۔ کہ

اچانک فائربگ کی آواز گونج اٹھی۔ وہ فوراً لوٹ لگا گئے۔ اور درختوں

اب انہوں نے خانے کو بغور دیکھا۔ ایک طرف کونے میں پرانے کپڑوں کا ڈھیر نظر آیا۔۔۔ پہلے انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ اب جو اس ڈھیر کو ہٹایا تو ایک راستا اور نظر آیا۔۔۔ راستے کے دوسری طرف کھلا آسمان نظر آ رہا تھا۔ وہ باہر نکل آئے۔ یہاں جھاڑیاں رکھی تھیں۔ ان جھاڑیوں کی وجہ سے باہر سے وہ سوراخ نظر

نہیں آتا تھا۔ باہر نکل کر انہوں نے قدموں کا جائزہ لیا۔ نشانات نظر آ رہے تھے۔ وہ ان کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اور پھر ان کے قدم دکھ گئے۔ ان کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔

ان کے سامان کے خالی بیگ ایک درخت کے نیچے پڑے تھے۔ اصل سامان غائب تھا۔

"یہ لوگ تو ہمیں جھٹکے پہ جھٹکا دے رہے ہیں۔ اب اس جگہ سے وہ یقیناً سر پر پیر رکھ کر بھاگے ہوں گے۔ اور اس جنگل میں ان کے لئے بہت جگہ ہے۔ وہ کہیں بھی چھپ سکتے ہیں۔ جب کہ ہم یہاں سے ہیں۔ بھگ جائیں گے۔ ان کا چپہ چپہ دیکھا بھلا ہے۔ لہذا آؤ۔ اب واپس ہی چلیں۔ کہیں اس جنگل میں ان لوگوں نے ہمیں گھیر لیا تو اور مشکل ہو جائے گی۔" فرزانہ نے خوف زدہ ہو کر کہ۔

کی اوٹ میں ہو گئے۔

”دیکھا۔ تم کہہ رہے تھے کہ وہ اس قاتل بھی ہیں کہ ہم پر حملہ کیا ہے۔“

کر سکیں۔“ فرزانہ نے کہا۔

”اے مالک۔ یہ۔۔۔ یہ ہمارے ساتھ آخر کیا ہو رہا ہے۔۔۔“

جو خبی وہ درختوں کی اوٹ سے نکلے۔۔۔ ان پر پھر فائرنگ کی

۔۔۔ وہ تڑاڑ کرتے چلے گئے۔

○ ☆ ○

اس معاملے کو جس قدر سیدھا خیال کر رہے ہیں۔ یہ اسی قدر غیر سیدھا محسوس ہو رہا ہے۔“ خان رحمان نے پوچھا۔ ہوئے انداز میں کہا۔

”غیر سادہ۔ کیا مطلب؟“

”یعنی بے چارے۔۔۔ سہنس قل۔“

”پہلے ان ملہ آوروں سے تو بحث لو۔ باتیں تو بعد میں بھی ہ

سکتی ہیں۔“ پروفیسر بولے۔

”اوکے۔“

جواب میں انہوں نے بھی پستول نکال لیے۔ اور جس سمت

سے گولیاں آئی تھیں۔ اندازے سے اس طرف فائرنگ کر ڈالی۔

اس طرح وہ گولیوں کی صحیح سمت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ دیکھ

کر ان کی حیرت بڑھی کہ ان کی فائرنگ کا جواب نہ دیا گیا۔۔۔ خاموشی

چھائی رہی۔ چند منٹ کے انتظار کے بعد انہوں نے پھر چند فائر کئے۔

لیکن اس طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

”نہیں! میرا خیال ہے۔۔۔ وہ فائر کر کے نکل گئے ہیں۔ آؤ

آگے چلیں۔“ خان رحمان بولے۔

”ہوں گلتا تو ایسا ہی ہے۔۔۔ لیکن پھر بھی ذرا محتاط رہنا

”انہیں پلٹو“۔ استاد کی آواز ابھری۔ یہ بانا خان کی آواز تھی۔

پھر جوئی وہ ان کے نزدیک آئے۔ انہوں نے فائرنگ کر دی۔ اب حملہ آور تڑا تڑا گرے۔۔۔ کچھ دور لڑھک گئے۔۔۔ چند وہیں گر کر ترپنے لگے۔۔۔ اتنی دیر میں حملہ آور غائب ہو چکے تھے۔

و دوڑ کر درختوں کے دوسری طرف پہنچے۔۔۔ لیکن اب وہاں کوئی نہیں تھا۔۔۔ حملہ آور کھیتوں میں گھس گئے تھے۔۔۔ اور اب انہیں تلاش کرنا اپنی موت کو خود آواز دینا تھا۔۔۔ لہذا وہ وہیں سے واپس پلٹ آئے۔۔۔ پروفیسر داؤد ان زخمیوں کے سروں پر کھڑے نظر آئے۔۔۔ ان کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔

اب انہیں سیدھا کیا گیا۔۔۔ ان میں سے ایک مچکا تھا۔۔۔ اور دو شدید زخمی تھے۔۔۔ تاہم ہوش میں تھے۔

”ہاں دوستو۔۔۔ یہ سب کیا تھا۔۔۔ تم لوگ ہو کون۔۔۔ اور ہمارے بچے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو؟“

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

”منہ کو کھولنا ہو گا۔۔۔ ورنہ ہم تم دونوں کی کھوپڑیوں میں ایک

ایک روشن دان بنا دیں گے۔۔۔ تاکہ ہوا کی آمد و رفت کے کام آئے۔“

وہ اب بھی کچھ نہ بولے۔۔۔ آخر محمود آگے بڑھا۔۔۔ اور پستول کی ٹال کی طرف سے پکڑ کر اس کا دست ایک کے سر پر تین چار بچایا۔

”یہ۔۔۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟“

## شکار

گرا لیا ہے۔۔۔ ہم نے انہیں گرا لیا ہے۔“ ایک آواز گونج۔  
”بہت خوب! آج کا یہ شکار یاد رہے گا۔۔۔ کافی مشکل ثابت ہوئے۔۔۔ آج تک ہمیں اس قدر مشکلات کبھی پیش نہیں آئیں۔“  
ایک اور آواز گونجی۔

”لیکن استاد۔۔۔ جب تک ان کی لاشوں کو دیکھ نہ لیں۔۔۔ کیا کر جا سکتا ہے۔“ ایک دوسری آواز گونجی۔

”ہم نہ صرف ان کی لاشوں کو دیکھیں گے۔۔۔ بلکہ گھسیٹ کر ساتھ بھی لے جائیں گے۔۔۔ ورنہ باس کو کیسے یقین آئے گا۔۔۔ کہ ہم آج بھی کامیاب رہے ہیں۔“

”اوکے۔“

اور پھر دوڑتے قدموں کی آواز گونج اٹھی۔۔۔ ان کے گرد جلدی وہ سب جمع ہو گئے۔۔۔ کن اکھیوں سے انہوں نے دیکھا کہ وہ دس کے قریب تھے۔۔۔ اور ان کے ہاتھوں میں پستول تھے۔

”ان میں حرکت کے آثار نہیں ہیں استاد۔“ ایک آواز ابھری۔

”انہیں پلٹو“۔ استاد کی آواز ابھری۔ یہ بانا خان کی آواز تھی۔

پھر جوئی وہ ان کے نزدیک آئے۔ انہوں نے فائرنگ کر دی۔ اب حملہ آور تڑا تڑا گرے۔۔۔ کچھ دور لڑھک گئے۔۔۔ چند وہیں گر کر ترپنے لگے۔۔۔ اتنی دیر میں حملہ آور غائب ہو چکے تھے۔

و دوڑ کر درختوں کے دوسری طرف پہنچے۔۔۔ لیکن اب وہاں کوئی نہیں تھا۔۔۔ حملہ آور کھیتوں میں گھس گئے تھے۔۔۔ اور اب انہیں تلاش کرنا اپنی موت کو خود آواز دینا تھا۔۔۔ لہذا وہ وہیں سے واپس پلٹ آئے۔۔۔ پروفیسر داؤد ان زخمیوں کے سروں پر کھڑے نظر آئے۔۔۔ ان کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔

اب انہیں سیدھا کیا گیا۔۔۔ ان میں سے ایک مچکا تھا۔۔۔ اور دو شدید زخمی تھے۔۔۔ تاہم ہوش میں تھے۔

”ہاں دوستو۔۔۔ یہ سب کیا تھا۔۔۔ تم لوگ ہو کون۔۔۔ اور ہمارے بچے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو؟“

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

”منہ کو کھولنا ہو گا۔۔۔ ورنہ ہم تم دونوں کی کھوپڑیوں میں ایک

ایک روشن دان بنا دیں گے۔۔۔ تاکہ ہوا کی آمد و رفت کے کام آئے۔“

وہ اب بھی کچھ نہ بولے۔۔۔ آخر محمود آگے بڑھا۔۔۔ اور پستول کی ٹال کی طرف سے پکڑ کر اس کا دست ایک کے سر پر تین چار بچایا۔

”یہ۔۔۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟“

"تمہارا سر بجا رہا ہوں۔"

"مت کرو۔۔۔ میں پہلے ہی زخمی ہوں۔"

"اب بھی تو بولے ہو۔۔۔ پہلے کیوں چپ سادھ لی تھی۔۔۔"

یہ سب کیا ہے؟

"ہمارا چوروں کا ایک گروہ ہے۔۔۔ استاد ہمارا سرخندہ ہے۔"

"لیکن استاد تو کسی پاس کا ذکر بھی کر رہا تھا؟"

"ہاں! اس گروہ کا اصل سرخندہ پاس ہے۔ لیکن پاس کا تم

صرف استاد سے ہے۔ ہم نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ ہمارا تو

صرف استاد سے ہے۔۔۔ استاد ہی ہم سے کام لیتا ہے۔۔۔ ہم اسی طرح

گاڑیاں روکتے ہیں۔ ان کے ٹائز اتار لیتے ہیں۔۔۔ پھر سامان بھی

اڑتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہمارا تعاقب کرے تو پھر اسے ختم کر دیتے

ہیں۔"

"گویا یہ تمہارا روز کا کام ہے؟"

"ہاں! اس سڑک پر اتنی ٹریفک نہیں ہے۔۔۔ اس لئے ہمیں

مشکل پیش نہیں آتی۔۔۔ لٹنے والے اگر چپ چاپ یہاں سے چلے

جاتے ہیں تو ہم بھی کچھ نہیں کرتے۔۔۔ ورنہ ان سے ٹکرا جاتے ہیں

اسے لوگوں کو ہم زندہ نہیں چھوڑتے۔"

"اور یہ غلطی دہندہ تم کب سے کر رہے ہو۔۔۔ آج تک

اخبارات میں کیوں کچھ تم لوگوں کے خلاف شائع نہیں ہوا۔"

"چند لوگوں نے رپورٹیں درج کرائی ہیں۔ لیکن پوسٹ

سٹاپ ہے۔۔۔ بس آکر پکڑ لگا کر واپس چلی جاتی ہے۔"

"لیکن اب ایسا نہیں ہو گا۔ ہم اس گروہ کو ختم کر کے

چھوڑیں گے۔"

"تم لوگ عجیب ہو۔ یہ بات ہم کافی دیر سے محسوس کر رہے

ہیں۔ تم اس سے خاتمے تک پہنچ گئے تھے۔ بلکہ وہاں سے نکل بھی گئے

تھے۔"

"بس! یہ سب اللہ کی مہربانی ہے۔ اب تم اپنے ساتھیوں کا پتا

بتاؤ۔۔۔ یہاں سے بھاگ کر وہ لوگ کہاں گئے ہوں گے۔"

"اپنے گھروں میں اور کہاں جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم ہمیں ان گھروں تک لے جاؤ گے۔"

"پہلے ہماری مرہم پٹی کی جائے۔"

"کیوں نہیں۔ لیکن کریں کیسے۔ سوال تو یہ ہے۔ ہمارا سارا

سامان تو تم لوگ لے اڑے۔"

"مرہم پٹی کا سامان ہم تمہیں دیں گے۔ فکر مند ہونے کی

ضرورت نہیں۔ تمہارا سامان بھی تمہیں واپس مل جائے گا۔ ایک

نے کہا۔"

"وہ کیسے؟"

"جب ہم ان سب کے گھروں تک آپ کو لے جائیں گے تو



آپ لوگوں کا سامان بھی کسی گھر میں ہو گا۔

”اس کا مطلب ہے۔۔۔ سامان بعد میں تقسیم کیا جاتا ہے۔“

”ہاں۔۔۔ وہ ہم کسی بھی وقت تقسیم کر لیتے ہیں۔۔۔ پہلا مرحلہ ان لوگوں سے نجات حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جنہیں لوٹا جاتا ہے۔“

”تب پھر پہلے ہم اس گھر میں چلے گئے۔۔۔ جس میں یانا خانہ ہیں ٹھہرا تھا۔“

”کیوں! اب وہاں جانے کی کیا ضرورت؟“

”ہمارے ایک ساتھی شہر گئے ہیں۔۔۔ ناز اور دوسرا سامان لے کے لئے، جب وہ لوٹ آئیں گے۔ تب ہم چلیں گے۔“

”لیکن اس وقت تک ہمارے زخموں سے خون رستا رہے گا۔“

”اس کا کچھ نہ کچھ کریں گے۔ ہماری جیبوں میں کچھ دوا ضرورت کی چیزیں ہوتی ہیں۔“

”اوکے۔۔۔ وہ بولے۔“

وہ اس مکان میں آ گئے۔۔۔ انیکٹر جشیہ ابھی نہیں لوٹے تھے۔

انہوں نے ان کے زخموں کی عارضی مرہم پٹی کر دی۔۔۔ آخر خدا خدا کر کے انیکٹر جشیہ کی واپسی ہوئی۔۔۔ اب وہ خانہ رحمان کی دوسری گاڑی میں آئے تھے۔۔۔ مکان میں ان کے ساتھ چوروں کو دیکھ کر وہ مسکرا دیے۔

”میرا یہی خیال تھا کہ تم ان لوگوں کو پکڑ لو گے۔۔۔ اگرچہ ان

لوگوں کو پکڑنا کوئی آسان کام نہیں ہو گا۔“

”آپ کا یہ اندازہ بھی بالکل درست تھا ابا جان۔۔۔ یہ لوگ کوئی

دستاویزی لوگ نہیں ہیں۔۔۔ ملازمین ان لوگوں کا ایک گروہ ہے۔۔۔ لیکن

واردات و برائتوں کے انداز میں کرتا ہے۔۔۔ تاکہ کسی کو ان پر شک نہ

ہو اور لوگ بھی خیال کریں کہ چند دستاویزی لوگ انہیں لوٹا گئے۔“

”میرا بھی یہی خیال تھا۔۔۔ اور ایک خیال اور ظاہر کر دوں۔“ وہ

مسکرا دیے۔

”جی ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔“

”یانا خانہ ہی ان کا سرغنہ ہے۔“

”اوہ! تو آپ نے یہ اندازہ بھی لگا لیا ہے۔۔۔ کمال ہے۔ حیرت

ہے۔۔۔ لیکن افسوس ہے۔“ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔ یہ افسوس کہاں سے نکپ پڑا۔“ وہ چونک

اٹھے۔

”اس افسوس میں بس یہی بات بری ہے۔۔۔ جب دیکھو۔۔۔ جہاں

دیکھو۔۔۔ موقع بے موقع، محل بے محل نکپ پڑتا ہے۔۔۔ ہے کوئی

تک؟“ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

”نہیں۔۔۔ تک نہیں ہے۔۔۔ لیکن بات بھی تو بتاؤ نا۔“

”یانا خانہ بے شک ان کا سرغنہ ہے۔۔۔ لیکن اس کے اوپر بھی

ایک عدد پاس صاحب ہیں۔۔۔ یہ سب لوگ اس پاس کو بالکل نہیں

جانتے۔۔۔ اس کا تعلق صرف بانا خان سے ہے۔"

"یہ سب کون۔۔۔ یہاں تو بس میں ہی ہیں؟"

"ان کے باقی ساتھی اس وقت اپنے گھروں میں بے فکری کے

مزے لے رہے ہیں۔۔۔ جب کہ مارے فکر کے ان کا برا حال ہے۔"

فاروق مسکرایا۔

"تو بے تم سے کوئی بات تو سیدھی طرح کر لیا کرو۔" مگر چونک کر کہا۔

نے جھلا کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ ہمیں ان کے ساتھ ان کے گھروں

بھی جانا ہو گا۔"

"جی ہاں اسی صورت میں تو ان سب کی گرفتاری ہو سکے گی۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ تو پھر چلو۔ دیر کا بے کی۔"

وہ اسی وقت دوسری گاڑی میں روانہ ہوئے۔

"راستہ تاتے رہیں بھئی۔۔۔ جب پہلا گھر آ جائے تو۔۔۔ بتا دیتا۔"

ہم اس گھر کے چور کو ساتھ لے لیں گے۔۔۔ اور آگے بڑھ جائیں

گے۔۔۔ اسی طرح دوسرے چور تک پہنچیں گے۔" انسپکٹر جشیہ نے کہا۔

"جی۔۔۔ اچھا۔" ایک چور بولا۔

"اسے کہتے ہیں چور کے گھر تک پہنچنا۔" فاروق فوراً بولا۔

"جب کہ محاورہ شاید یہ ہے۔۔۔ چور کو اس کے گھر تک پہنچانا۔"

محمود نے فوراً کہا۔

"افسوس! ہم نہیں ان کے گھروں تک نہیں پہنچا سکیں گے۔"

بلکہ سرکاری گھر تک پہنچائیں گے۔"

"خدا ہو گئی۔۔۔ بات کہاں کی کہاں پہنچ گئی۔" خان رحمان جھلا

ٹھٹھے۔

"ہاں کریں جناب۔۔۔ وہ رہا۔۔۔ شامو کا گھر۔" ایک چور نے

کہا۔

"شامو۔۔۔ کیا وہ ہندو ہے؟" انسپکٹر جشیہ نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ۔۔۔ یہ آپ نے کیسے جان لیا؟" چور حیران ہو کر بولا۔

"یہ نام ہندوؤں کا ہوتا ہے۔۔۔ یا پھر سکھوں کا۔۔۔ مثلاً شام۔۔۔"

شام کہا۔۔۔ شام سنگھ۔ شام سے شامو بنتا ہے نا۔"

"آپ کا یہ اندازہ درست ہے۔۔۔ وہ ہندو ہے۔"

"اور تم؟" انسپکٹر جشیہ نے اسے گھورا۔

"میں۔۔۔ میں مسلمان ہوں۔"

"لیکن کیسے مسلمان ہو۔۔۔ تمہارے ہاتھوں تو دوسرے مسلمانوں

کو تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔"

"مہ۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ ہٹکا کر رہ گیا۔

"خدا ہو گئی۔۔۔ اسے بھئی۔ بات کرو۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ میں۔۔۔"

میں۔۔۔ وہ۔۔۔ فاروق جمل کر بولا۔

"میرا خیال ہے۔۔۔ یہ بھی ہندو ہے۔۔۔ بانا خان بھی ہندو ہے۔"

انپکڑ جھید بولے۔

"تن نہیں... نہیں"۔ وہ چلا اٹھا۔

"خیر خیر... پہلے ہم شامو کو لے آئیں۔ محمود فاروق تم گاؤں میں ٹھہرو۔ خان رحمان اور پروفیسر بھی... صرف فرزادہ میرے ساتھ آئے گی... ہم ابھی شامو کو لے کر آتے ہیں۔"

"جی بہتر"۔

اب دونوں شامو کے دروازے پر پہنچے، فرزادہ نے دستک دیا۔ ایک نوجوان آدمی نے دروازہ کھولا۔

"کیا آپ کا نام شامو ہے؟"

"ہاں ہے... تو پھر۔"

"استاد بانا خان کو جانتے ہو۔" انپکڑ جھید بولے۔

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔ اور لگا جلدی

دروازہ بند کرنے۔ لیکن انپکڑ جھید اس سے پہلے ہی اس میں اپنے پاؤں اڑا چکے تھے۔ انہوں نے اسے کلائی سے پکڑ لیا۔

"ہمارا سامان تو اس گھر میں نہیں ہے۔ اگر ہے تو اٹھا لو۔ ورنہ پھر بعد میں تمہیں تکلیف ہو گی۔"

"تن نہیں"۔ وہ بولا۔

"دیکھو... تمہارے ساتھی ہمارے ساتھ گاڑی میں ہیں... ہمارے قبضے میں ہیں۔ اور اب تم بھی قبضے میں ہو۔" یہ کہہ کر انہوں

نے اس کی کلائی پر زور لگایا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"یہ... یہ کیا... مہ... میں مرا... میری کلائی چھوڑ دیں۔"

"پہلے سامان کی بات۔"

"وہ... وہ اندر ہے۔"

"ہاں! یہ ہوئی ثابت۔ اندر کوئی عورت تو نہیں ہے۔"

"نہیں... میں آگیا ہوں۔"

وہ اندر آئے۔ ان کا سارا سامان وہیں موجود تھا... لیکن گاڑی کے باہر نظر نہ آئے۔

"اور ٹائر کہاں ہیں۔"

"ٹائر تو اس وقت تک نہ جانے کہاں کے کہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ وہ ہاتھ نہیں آئیں گے۔ ضرور آئیں گے۔"

"کیوں نہیں آئیں گے... ضرور آئیں گے۔"

"لیکن وہ تو اس وقت تک ٹائروں کی منڈی میں پہنچ چکے ہیں۔ اور چونکہ پائلنٹ نے ہیں، اس لئے فوراً ہی کوئی گاؤں لگ گیا ہو گا۔"

"اس کے باوجود ہم اپنے ٹائر بھی واپس حاصل کر لیں گے۔"

اس نے کندھے اچکا دیے۔ سامان سمیت اسے گاڑی میں لایا گیا۔ وہ اسی طرح باقی سب چور گاڑی میں جمع کرتے گئے۔ یہاں

تک کہ پہلے چوروں نے بتایا کہ اب کوئی اور باقی نہیں رہا۔

"دیکھ لو... سوچ لو... اگر کوئی بچ گیا ہے تو بتا دو... ورنہ بعد

میں پتا چلا کہ تم نے ایک دو چوروں کے بارے میں نہیں بتایا تو مجھ  
بہت بری طرح چیخ آئیں گے۔

"نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تب پھر۔۔۔ پاناخان ان میں کیوں نہیں ہے۔"

"افسوس۔۔۔ وہ بولے۔"

"کیسا افسوس؟" فاروق نے منہ بتایا۔

"ہم لوگوں کو پاناخان کا پتا معلوم نہیں۔ اس نے اپنا پتا تک  
نہیں بتایا۔"

"اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ خیر۔۔۔ اگر یہ بات درست ہے تو ہم جیسے  
نہیں کہتے۔۔۔ اب ہم تم لوگوں کو مقامی پولیس اسٹیشن پہنچائیں گے۔

پاناخان کو بھی گرفتار کر لیا جائے گا۔ ہاں! تم یہ بتاؤ۔۔۔ تاز کون  
مارکیٹ میں گئے ہیں۔ اور کس دکان دار کے پاس گئے ہیں۔"

"راجا بازار کے۔۔۔ شازر ڈیلر کو دیتے ہیں ہم لوگ۔"

انہوں نے اسی وقت موبائل نکالا اور اکرام کو اس بارے میں  
ہدایات دیتے ہوئے بولے۔

"شازر ڈیلر کو گرفتار کر لو۔ اور خان رحمان کی گاڑی کے باز  
پر آدھ کرا لو۔"

"او کے سر۔۔۔ لیکن آپ کہاں ہیں سر۔۔۔ کیا شازر آج سے  
بات کر رہے ہیں۔۔۔ پھر بھلا۔۔۔ تاز اس مارکیٹ میں کیسے پہنچ گئے؟"

"ہم ابھی راستے میں ہیں۔۔۔ چند چوروں کا شکار ہو گئے تھے۔"

"تم۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ چوروں کا شکار۔"

"ہاں۔۔۔ یہ اور بات ہے کہ وہ چور اب ہمارا شکار ہیں۔"

"اوہ تب تو ٹھیک ہے۔" اکرام ہنسا۔

"لہذا ابھی ٹھیک نہیں۔۔۔ اس لئے کہ چوروں کا استاد اور پاس  
ابھی گرفتار نہیں ہو سکے۔"

"کیا اس سلسلے میں میں کسی کام آ سکتا ہوں؟" اکرام ہنسا۔

"تمہارے ذمے تو بس تاز حاصل کرنا ہے۔"

"جب آپ لو نہیں گئے۔ تاز ان شاء اللہ یہاں موجود ہوں  
کے۔"

"بس ٹھیک ہے۔۔۔ ہم یہی چاہتے ہیں۔"

انہوں نے فون بند کر دیا۔ اب وہ پولیس اسٹیشن پہنچے۔ وہاں

کا انچارج ان سب چوروں کو دیکھ کر اچھل پڑا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہ کون لوگ ہیں۔۔۔ اور آپ انہیں اس طرح

پکڑ کر کیوں لائے ہیں۔۔۔ آپ نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔"

اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں جناب! یہ بالکل درست بات ہے۔" فاروق نے خوش ہو

کر کہا۔

"تک۔۔۔ کون سی بات بالکل درست ہے؟"

"یہ کہ ہم نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"لیکن یہ بات آج کی نہیں۔ مطلب یہ کہ قانون کو اپنے ہاتھ

میں ہم نے آج نہیں لیا۔۔۔ یہ بہت پہلے کی بات ہے۔" فادوق نے

جلدی جلدی کہا۔

"مطلب یہ کہ تم لوگ بہت پرانے مجرم ہو۔"

"جی نہیں۔۔۔ مجرموں کو تو ہم پکڑ کر لائے ہیں۔۔۔ یہ ابھی تک

نہیں کہ یہ کتنے پرانے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"ان کے خلاف آپ پرچہ درج کریں۔۔۔ تفصیلات میں

ہوں۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا اور پھر تفصیلات سنائیں۔۔۔

دار حیرت زدہ انداز میں منہ کھولے سنتا رہا۔۔۔ ان کے خاموش ہونے

پولا۔

"آپ۔۔۔ آپ کون ہیں؟"

"یہ رہا میرا کارڈ۔" انہوں نے اپنا کارڈ اس کے سامنے کر دیا۔

"ارے!" وہ زور سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔۔۔ اس کا ہاتھ

کے انداز میں اٹھ گیا۔

"آپ تشریف رکھیں۔" وہ بولے۔

وہ تھر تھر کانپتا ہینڈ گیا۔

"آپ کام شروع کریں۔۔۔ ہمیں جانا بھی ہیں۔" انسپکٹر جشیہ نے

کہا۔

اس نے جلدی جلدی اپنا کام پورا کیا۔۔۔ گواہ کے طور پر انہوں

نے اپنے دستخط کئے اور ان لوگوں کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔

"سوال یہ ہے جناب کہ آپ نے ان لوگوں کی گرفتاری کے

لئے کوئی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"ریاں کوئی پرچہ درج کرائے نہیں آیا۔۔۔ جن لوگوں کو یہ لوستے

ہیں۔۔۔ وہ ریاں کے تو ہوتے نہیں۔۔۔ ایک نوے آکر رپورٹ ضرور

درج کرانی۔۔۔ اور ہم نے ان لوگوں کو تلاش کرنے کی کوشش بھی کی۔۔۔

لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔"

"ہوں۔۔۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ یہ بہت چالاک لوگ ہیں۔۔۔

پوری منصوبہ بندی سے کام کرتے ہیں۔۔۔ جب کہ تھنے والے انہیں عام

رومانی حرم کے لوگ خیال کرتے ہیں۔۔۔ خیر۔۔۔ اصل کام بانا خان کی

گرفتاری ہے۔۔۔ جب تک اسے گرفتار نہ کیا جائے گا۔۔۔ یہ کام ہوتا

ہے گا۔۔۔ کیونکہ وہ دوسرا گروہ ترتیب دے لے گا۔۔۔ اور جب بانا خان

موتے میں آجائے تو اس کے ذریعے ہم پاس تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"پاس۔۔۔ تو کیا اس کا کوئی پاس بھی ہے؟"

"ہاں! ان لوگوں کا بیان ہے کہ بانا خان کا ایک پاس ہے جس کو

ان لوگوں نے نہیں دیکھا۔۔۔ بہر حال اب آپ کو سب سے پہلے بانا خان

کی گرفتاری کا بندوبست کرتا ہے۔“

”آپ فکر نہ کریں.... میں اس کیس پر اب ڈٹ کر کام کر گا۔۔۔ یہ تو میں ان سے بھی اگواؤں گا کہ بانا خان کہاں ملے گا۔“  
 ”نہ نہ۔۔۔ ان سے یہ بات ہرگز معلوم نہ کیجئے گا۔۔۔ اس نے انہیں بانا خان کا پتا نشان معلوم نہیں ہے۔“

میں اس لمبے تھانے میں ایک دل دوز چل بلند ہوئی۔



## پاگل دشمن

وہ بری طرح چونکے۔

”یہ.... یہ کس کی چیخ تھی؟“

”ایک پاگل ملزم کی.... وہ بلاوجہ چیخا رہتا ہے۔“

”ہم اس سے ملنا چاہیں گے۔“

”آپ اپنا وقت ضائع کریں گے.... وہ بالکل پاگل ہے.... اور خطرناک بھی ہے.... لوگوں کو اس سے محفوظ رکھنے کے لئے ہی اسے اجازت میں بند کیا گیا ہے۔“

”اس کے باوجود ہم اس سے ملیں گے۔“

میں اس وقت پھر ویسی ہی چیخ سنائی دی.... ساتھ میں کسی نے ایک آواز میں کہا۔

”شہور دو ظالمو.... چھوڑ دو۔۔۔ میں نے کسی کی کار کے باز نہیں لئے۔“

”یہ.... یہ کیا.... آپ تو کہہ رہے تھے.... وہ پاگل ہے.... وہ ہر شے مندوں جیسی باتیں کر رہا ہے۔“

"کبھی کبھی یہ اس قسم کے جملے بول دیتا ہے۔" تھانے وار بولا۔  
 "آپ کا نام کیا ہے؟"

"میں.... میرا نام رانی بے گاندہ ہے۔" اس نے کہا۔  
 "کیا بتایا۔۔۔ رانی بے گاندہ.... یہ کیسا نام ہوا؟"

"اصل میں میرا نام راجیل تھا۔۔۔ راجیل سے رانی رہ گیا۔۔۔  
 گاندہ میرا حلقہ ہے۔۔۔ شاعری کا شوق ہے مجھے.... رستم خان.... حوالہ  
 سے کہو۔۔۔ پاگل کا منہ بند رکھے۔"

"نہیں.... اب ہم خود اسے دیکھیں گے جا کر۔"

"میں نے کہا تھا.... آپ کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔"

"ہم گھر سے سیر کے لئے نکلے ہیں.... چھنیاں منا رہے ہیں۔  
 لہذا وقت ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"جیسے آپ کی مرضی.... آئیے میرے ساتھ۔"

وہ اس کے پیچھے چل پڑے.... یہاں تک کہ وہ حوالت کے  
 سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اس میں ایک آدمی بند تھا.... جو بے فکرانہ لے جھلا کر کہا۔

انداز میں لیٹا ہوا تھا۔

"یہ ہے.... وہ شخص۔"

"لیکن ابھی تو آپ حوالدار کو سے رہے تھے کہ اس کا منہ  
 رکھے۔"

"حوالدار کو میرا حکم ملتا تو وہ اس طرف آتا۔"

"ہوں.... اچھا.... ذرا ادھر آنا بھی۔" انہوں نے سلاخوں پر  
 ہاتھ مار کر کہا۔

وہ آدمی چونک کر اٹھ کھڑا ہوا.... انہوں نے دیکھا.... وہ ایک  
 کونواں آدمی تھا.... چہرے پر لمبی سی ڈاڑھی تھی۔

"آپ نے مجھ سے کچھ کہا.... میں ذرا غیب میں تھا۔" وہ بولا۔

"ہاں! نزدیک آئیں ذرا۔"

وہ سلاخوں سے آگے۔

"لججے آگیا.... فرمائیے۔" اس نے بت نرم اور مٹھی آواز میں

"آپ ابھی ابھی جھٹے تھے۔"

"میں نہیں.... وہ کوئی اور ہے۔ نہ جانے یہ لوگ اس کے  
 ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔"

"کیوں.... کیا ہم نے تم سے کوئی برا سلوک کیا ہے؟" تھانے وار  
 نے جھلا کر کہا۔

"میری باری رات کو آئے گی.... مجھے تو ابھی ابھی پکڑا کر لایا گیا  
 ہے۔" وہ ہنسا۔

"کیا مطلب.... یہ آپ نے کیا کہا.... میری باری تو رات کو  
 آئے گی۔" الیکٹر جشید نے چونک کر کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

”آپ کا جرم کیا ہے؟“

”میرا جرم یہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں۔“

”نہیں مگر... یہ بہت بڑا مجرم ہے... اس کے خلاف

پاس بہت سی شکایتیں ہیں۔“

”اچھا... اور وہ شکایات کیا ہیں؟“

”یہ شخص ایک مسجد کا امام ہے... مجھے کے روز ایسی فقاریں

ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے دشمن بننے جا رہے ہیں... آپس میں

وقت لڑتے رہتے ہیں۔“

”کیوں مولانا... آپ کیسی فقاریں کرتے ہیں؟“

”جیسے وعظ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں۔“

تھے... بس ویسے ہی خطبات میرے ہوتے ہیں اور یہ سراسر الزام دہش کرتے ہیں۔ اسی بنا پر میں نے اسے گرفتار کیا ہے... اور اب

کہ میری تقریروں سے لوگ ایک دوسرے کے دشمن بننے لگے ہیں۔“

”آپ گاؤں میں جا کر تحقیقات کر لیں... تمہارے وار کی یہ

بالکل غلط ثابت ہو جائے گی... اس لئے کہ میں بہت مومن مومن

لوگوں کو بتاتا ہوں... مثلاً اللہ ایک ہے... اس کا کوئی شریک

ہوئی کی پوجا کرنا شرک ہے... مزادوں پر جانا شرک ہے... مجھ

بیروں فقیروں کے پیکروں میں نہ آؤ... پیر وہ ہے... جو نبی اکرم کو

اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چلے اور لوگوں کو چلائے... نہ کہ

مزادوں پر حاضری دینے کی تعلیم دے... اور یہ دعویٰ کرے کہ

ہوں... میں وہ ہوں... میں ایک پھونک مار کر یہ کر دوں گا... وہ کر

دوں گا... میں راکھ ہوا میں اڑا دوں تو آندھی آ جاتی ہے... پانی آسمان

کی طرف اچھال دوں تو بارش آ جاتی ہے... جو لوگ اس قسم کی فقاریں

کرتے کر لوگوں کو صحیح دین سے ہٹا رہے ہیں... میں تو لوگوں کو ان سے

بچانے کی دن رات کوشش کرتا رہتا ہوں... اگر ایسا کرنا جرم ہے...

میں واقعی مجرم ہوں... اور اس جرم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار

ہوں... یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گیا۔

”تب تو آپ واقعی بہت بڑے مجرم ہیں۔“

”واحد... کیا بات کہی... آپ نے... اسی لئے تو میں نے اسے

کی گرفتار کیا ہے... مزادوں پر جانے کے شوقین لوگ... اکثر اس کی

میری تقریروں سے لوگ ایک دوسرے کے دشمن بننے لگے ہیں۔“

”ایسے مجرموں کی یہاں مرمت رات کو کی جاتی ہے... تاکہ اس

کو لوگوں سے پرندے تک اپنے گھونسلوں میں خوف زدہ ہو جائیں۔“

”نہیں... تو آپ بھی اس کی طرف کے لگے۔“ اس نے حسرت

کے ساتھ کہا۔

”میں جملہ پورا نہیں کر سکا تھا۔“ انسپٹر جشیہ مسکرائے۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونکا۔



”مطلب یہ کہ آپ واقعی بہت بڑے مجرم ہیں۔۔۔ ان کی قیدیں لیکن ہماری نظروں میں قطعاً مجرم نہیں ہیں۔“

”کیا۔۔۔ نہیں۔“ تھانے دار بری طرح اچھلا۔

”کیا یہ صاحب یہی باتیں کہتے ہیں۔۔۔ جو انہوں نے بتائی ہیں۔“

”جج۔۔۔ جی ہاں بالکل۔۔۔ لیکن اس کی انہی باتوں سے

ہوتی ہے۔“

”اگر کوئی مفصّل قرآن و حدیث کے مطابق تقریر کرے۔۔۔“

لوگ اس کے خلاف گڑبڑ کرتے ہیں۔۔۔ وہ غلط ہوں گے یا تقریر

والا؟“

”وہ۔۔۔ لوگ۔۔۔ اس کے خلاف۔“

”ہاں ہاں۔۔۔ لوگ ان کے خلاف ہو جاتے ہیں۔۔۔ لیکن اگر

ان کا قصور کیا ہے۔۔۔ یہ تو وہ باتیں ہتاتے ہیں۔۔۔ جو قرآن میں

یا حدیث میں ہیں۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ تھ۔۔۔ تو کیا آپ بھی وہابی ہیں؟“

”ہائیں۔۔۔ تو کیا آپ کے خیال میں یہ مولانا وہابی ہیں؟“

”ہاں جناب بالکل۔۔۔ دہشتی لوگ تو یہی کہتے ہیں۔“

”قرآن اور حدیث کے مطابق جو بات کرے۔۔۔ اگر لوگ

وہابی کہتے ہیں تو پھر میں ان مولانا سے پہلے وہابی ہوں۔“

”کیا!!!“ تھانے دار نے چلا کر کہا۔

”آپ کے حق میں بہتر یہ ہے کہ فوراً انہیں رہا کر دیں۔۔۔ ورنہ

آپ نقصان میں رہیں گے۔۔۔ کیونکہ پھر ان کا وکیل میں ہوں گا۔۔۔ ان

کے کیس کی جلدی عدالت میں کروں گا۔“

”تھ۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ کیا آپ وکیل بھی ہیں؟“

”میں وکیل پہلے ہوں۔۔۔ آپ انہیں رہا کر رہے ہیں یا نہیں؟“

”جی ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ حوالہ دے۔۔۔ حوالات کا دروازہ کھول

”آیا سرکار۔“ دور سے آواز آئی۔

”آپ۔۔۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔“ مولانا بولے۔

”لیکن ایک بات تو بتائیں۔۔۔ آپ اس قدر بے فکری سے کیسے

بہلے ہوئے تھے۔۔۔ جب کہ آپ کو معلوم تھا۔۔۔ رات کو یہ آپ کے

ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔“

”اللہ کے راستے میں ایسے وقت تو آیا ہی کرتے ہیں۔۔۔ میں لینا

والا اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔۔۔ کہ خیر آگئی۔“ اس نے بتایا۔

”خیر۔۔۔ آپ جانیں۔۔۔ اور اگر پھر آپ کو اس بنیاد پر گرفتار کیا

جائے تو مجھے پیغام بھیج دیجئے گا۔۔۔ میرا نام الیکٹر جیشید ہے۔“

”کیا!!!“ مولانا چلا اٹھے۔

”کیوں۔۔۔ کیا بات ہے؟“

”میں۔۔۔ میں آپ کے کارنامے اخبارات میں پڑھتا رہتا ہوں۔“

”اچھا اب آپ جائیں۔“

اور پھر مولانا تیز تیز قدم اٹھاتے چلے گئے۔

”آپ کو شرم آتی چاہیے۔ گڑبڑ کرنے والوں کو تو گرفتار کر لیں۔ اور بے گناہ کو پکڑ کر بند کر دیتے ہیں۔ مجرم وہ ہیں جو قوت

اور حدیث کی بات نہیں سن سکتے۔ آپ کو ان کی شکایات پر پے در پے معلوم کرنا چاہیے تھا کہ مولانا جو کہتے ہیں۔ وہ قرآن اور حدیث کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر وہ تمام باتیں قرآن اور حدیث میں دکھائی

تو پھر آپ گڑبڑ کرنے والوں کو گرفتار کرتے۔ نہ کہ انہیں۔“

”خ۔۔۔ غلطی ہو گئی۔“

”ابھی آپ کی اور بھی غلطیاں سامنے آئیں گی۔۔۔ فی الحال یہ تھا۔“

غلطی بہت بڑی ہے کہ آپ ہمیں اصل آدمی کی بجائے دوسرے آدمی کے پاس لے آئے۔ خیر یہ اور اچھا ہوا۔۔۔ ہم نے ایک بے گناہ کو نجات دلوا دی۔۔۔ ورنہ رات کو اس پر کیا گزرتی۔۔۔ اف تو بہ۔۔۔ وہ کاپی

گئے۔

پھر وہ تھانے دار کو وہاں سے آگے لے چلے اور آخر کار ان کی نظریں اس پاگل پر پڑیں۔۔۔ جس کی جینیں انہوں نے سنی تھیں۔۔۔ کی۔

الٹا لٹکا ہوا تھا۔۔۔ اس کے فٹوں سے خون رس رہا تھا اور حوالات فرش سرخ کر رہا تھا۔

”اف مالک! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟“ انسپکٹر جمشید کانپ گئے۔

”کیوں سہ۔ کیا ہوا؟“

”آپ تو کہہ رہے تھے۔ یہ کوئی پاگل شخص ہے۔ پھر آپ نے اسے الٹا کیوں لٹکا رکھا ہے۔ پاگل پن اس طرح تو دور نہیں ہوا

کرنا۔ آپ پہلے اس کو کھولیں۔۔۔ پھر باقی باتیں ہوں گی۔“

”جی کیا فرمایا۔ اسے کھول دیں۔ لیکن یہ بہت خطرناک ہے۔“

”میں اس کی خطرناکی دیکھتا چاہتا ہوں۔“ وہ مسکرائے۔

”آپ کی مرضی۔“ اس نے کندھے اچکا دیے۔

آخر وہ فرش پر لمبا لیٹا نظر آیا۔۔۔ اب وہ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔

”اب بتائیں۔۔۔ اس کا جرم کیا ہے۔ پاگل پن کی صورت میں اس نے کسی شخص کو کیا کیا نقصان پہنچایا ہے کہ آپ کو اسے گرفتار کر کے تھانے لانا پڑا اور اس کے خلاف مقدمہ درج کرنا پڑا۔ آپ نے اس کے خلاف جو رپورٹ درج کی ہے۔ وہ بھی دکھائیں۔“

”میں نے ابھی تک اس کے خلاف کوئی رپورٹ درج نہیں کی۔“

”یہ کیا پاگل پن ہے؟“ محمود بول اٹھا۔

”جی کیا مطلب؟“ تھانے دار نے چونک کر کہا۔

”پاگل یہ نہیں۔۔۔ آپ ہیں۔۔۔ مقدمہ تک اس پر درج نہیں کیا

اور اسے الٹا لٹکا دیا۔ آخر آپ اسے الٹا لٹکا کر کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔“

”گنگ۔۔۔ کچھ نہیں۔ اس کا دماغ درست کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ اس کی وجہ سے گاؤں کے لوگوں کا جینا حرام نہ ہو۔“

”گاؤں یہاں سے کتنی دور ہے؟“

”تین کلومیٹر۔“ اس نے کہا۔

”اپنی جپ میں گاؤں جائیں۔ محمود تم ان کے ساتھ جاؤ۔ گاؤں کے چند آدمی اپنی مرضی کے۔ نہ کہ ان کی مرضی کے ساتھ۔ آئیں۔“

”میں سمجھ گیا اباجان۔“ محمود مسکرایا۔

”آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“ تمہارے وار ہٹلایا۔

”اب آپ کچھ نہیں پوچھیں گے۔ نہ پولیس گے۔ بس جا رہا ہے۔ صرف وہ کریں گے۔“

”جی نہیں۔“ وہ سرد لہجے میں بولا۔

”کیا مطلب۔۔۔ جی نہیں؟“

”ہاں! جی نہیں۔“ اس نے ایک دفعہ پھر کہا۔

”کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”میں آپ کے احکامات پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہوں۔ اپنے ڈی ایس پی کا حکم مانوں گا۔ ان کے احکامات پر عمل کروں گا۔“

”تو کیا آپ کو ڈی ایس پی صاحب نے ایسا کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ کہ لوگوں کو مقدمہ درج کئے بغیر پکڑ لو۔ اور انہیں الٹا لٹکا دو۔“

”آپ انہی سے بات کریں۔“

”انہیں آپ خود بلا لیں۔ میرے پاس اتنے اختیارات ہیں کہ میں آپ کو احکامات دے سکوں اور ان پر عمل کرا سکوں۔ اور حکم کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں آپ کو اسی حوالات میں بند کر سکوں۔ جس میں آپ نے انہیں بند کیا ہے۔“

”اگر آپ کے پاس اتنے اختیارات ہیں تو ان کا استعمال شروع کریں۔ تاکہ تم ڈی ایس پی صاحب کو فون کرو۔“

”او کے سر۔ ابھی لیجئے۔“ ایک ماتحت نے فوراً کہا۔

”آپ ضرور بنے چاہیں بلائیں۔ کوئی اعتراض نہیں۔ آج ۱۱:۳۰ کا ۱۱:۳۰ اور پانی کا پانی ہو کر رہے گا۔“

”دو۔۔۔ دو۔۔۔ پروفیسر ہٹلایا۔“

”گنگ۔۔۔ کیوں۔۔۔ آپ کو کیا ہوا؟“ قاروق نے پوچھا کر کہا۔

”مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔“

”ابھی آپ کے لئے کھانے کا انتظام ہو جائے گا۔ ذرا پہلے ڈی ایس پی صاحب کو آ لینے دیجئے۔“

”ٹھیک ہے۔ اتنی دیر تو خیر میں ٹھہر جاؤں گا۔“ وہ مسکرا

دیکھے۔

اور پھر وہاں ڈی ایس پی صاحب آگئے۔ انہیں جب یہ بات بتائی گئی کہ وہ کون لوگ ہیں تو بہت گرم جوشی سے ان سے ملنے کا معاملہ ان کے سامنے رکھا گیا۔

”یہ تم نے کیا غیر قانونی حرکت کی؟“ ڈی ایس پی نے غرا کر کہا۔  
”ہم۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں نے۔۔۔“ وہ کانپ گیا۔

”ہاں تو اور کیا میں نے؟“ ڈی ایس پی نے آنکھیں نکالیں۔  
جھلا کر بولے۔

”اب جو یہ کہہ رہے ہیں۔۔۔ وہ کہو۔“

”بہت بہتر سر۔“ اس نے فوراً کہا۔

”تو پھر جالیجے۔۔۔ مجھوں سے دس آدمی لے آئیں۔ لیکن ہماری مرضی کے آدمی۔“

محمود اس کے ساتھ چلا گیا۔ وہ سب بیٹھ گئے۔ فرزانہ اور قاروق زخمی آدمی کے لئے جو کچھ کر سکتے تھے۔ کرنے لگے۔ آخر میں اور تھانے دار دس دہائیوں کے ساتھ وہاں آگیا۔

”یہ ہماری مرضی کے آدمی ہیں نا۔“

”جی ہاں! جن لوگوں کو تھانے دار صاحب لانا چاہتے تھے۔۔۔ انہیں نہیں لایا۔۔۔ بلکہ اپنے گرو جمع ہونے والوں میں سے میں نے آدمی چنے ہیں۔“

”اور تم نے بہت اچھا کیا۔ ان دس کو اس زخمی تک لے آؤ۔“ وہ بولے۔

دس آدمی نزدیک لائے گئے۔ انیکٹر جیشید نے انہیں بغور دیکھا اور پھر محمود کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ پائلل درست آدمی چن کر لایا ہے۔

”آپ لوگ اس شخص کو پہچانتے ہیں۔۔۔ بغیر کسی خوف کے آپ ہر بات بتائیں گے۔ یہ دیکھئے۔ یہاں تھانے دار صاحب کے ڈی ایس پی صاحب بھی موجود ہیں۔ اور ہم سب اصل بات جاننا چاہتے ہیں۔“

”جی۔۔۔ جی۔۔۔“ وہ بولے۔

”تو پھر بتائیں۔ آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟“

”جی ہاں۔۔۔ بہت اچھی طرح۔“

”کیا یہ شخص پائلل ہے؟“

”جی نہیں۔“ وہ ایک ساتھ بولے۔

○☆☆○

”اوہ اچھا۔“ انہوں نے سمجھ جانے والے انداز میں کہا پھری ڈی  
 لیس پی کی طرف مڑے۔  
 ”غور کیجئے سر۔۔۔ اگر یہ شخص یہ کام کرتا ہے تو اپنے گھر میں ٹائز  
 کیوں رکھتے لگا۔۔۔ وہ بھی ایک ٹائز۔“

## آخری سیر

چند لمبے تک وہ ان کی طرف تکتے رہے۔۔۔ پھر بولے۔

”آپ نے کیا کہا۔۔۔ پاگل نہیں ہے؟“

”جی نہیں۔ بالکل نہیں۔“

”تب پھر۔۔۔ کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ پولیس نے اسے  
 کیوں گرفتار کیا ہے؟“

”پولیس کا خیال ہے کہ یہ شخص چور ہے۔۔۔ شر سے آنے والے

کاروں کے ٹائز چنچر کر دیتا ہے۔۔۔ پھر ساتھ ہی جنگل میں واقع ایک مکان

میں انہیں بٹھا دیتا ہے۔۔۔ چنچر لگوانے کے بدلے۔۔۔ اور گاڑی کے

چاموں ٹائز لے کر فرار ہو جاتا ہے۔۔۔ اس قسم کی کئی وارداتیں ہو چکی

ہیں۔“

”پولیس کو اس پر شک کس طرح ہوا۔“

”اس کے گھر سے ایک ٹائز ملا تھا۔“

”کیوں۔۔۔ آپ کے گھر سے ٹائز کیسا ملا تھا؟“

”مجھے قطعاً معلوم نہیں کہ وہ ٹائز میرے گھر میں کیسے آگیا

”ہاں! یہ بات قابل غور ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”اب ہم سناتے ہیں۔ ہم پر کیا پڑتی۔“

یہ کہ کر انہوں نے اپنی کہانی سنا دی۔۔۔ پھر بولے۔

”اب آپ بتائیں۔۔۔ اس گروہ سے اس شخص کا کیا تعلق ہو

سکتا ہے۔۔۔ اگر یہ اس کام میں شریک ہوتا تو الٹا لٹکنے پر ضرور اگل

دیتا۔ اس لیے کہ یہ صرف چوری کا کیس ہے۔ جرم کا اقرار کر کے

کوئی اسے پھانسی کی سزا نہ ہو جاتی۔“

”میں سمجھ رہا ہوں۔۔۔ اس شخص کو بلاوجہ گرفتار کیا گیا ہے۔

غلط پری کے لیے۔ تاکہ اوپر سے اگر پوچھ لیا جائے کہ ٹائزوں کے

کیس میں کیا کیا گیا ہے تو یہ بتا سکیں کہ ایک مجرم گرفتار ہو چکا ہے۔“

”ہوں۔ بالکل ٹھیک سر۔“

”رہائی بے گناہ صاحب۔۔۔ آپ کو میرے دفتر آکر جواب دینی

کرنا ہوگی۔ ورنہ آپ کو معطل کر دیا جائے گا۔“

”نہن نہیں۔۔۔ نہیں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔“

"یہ بات تمہیں پہلے سوچنی چاہیے تھی۔ بلکہ تمہیں پہلے کیا کام کیا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا اور خود ہی راسی بے گانہ یہ احساس ہوتا چاہیے تھا کہ تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کے خلاف کارروائی کرتا تو میرے جانے کے بعد ڈی ایس پی صاحب ایس پی بولے۔

"ہمیں تو اب اجازت دیں جناب۔ اب اس معاملے کی تہل جائے گا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ کرتے ہیں یا نہیں۔"

بین آپ خود کر لیجئے گا۔

"بہت اچھا۔ فکر نہ کریں۔ اب اس معاملے کو میں انہما کر لے گا۔"

"یہ کیا کہا بھی۔ میں آخر میں ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ آؤ ہمیں چلیں۔"

وہ پولیس اسٹیشن سے نکل آئے۔ جب گاڑی چل پڑی تو وہ مکرانے۔

وقت محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کیا لہاجان؟"

"کیا بات ہے؟" وہ بولے۔

"آپ نے معاملہ ڈی ایس پی صاحب کے سپرد کر دیا۔ اور اسے تحفے کیس ختم ہو گیا۔"

ڈی ایس پی صاحب خود بھی اس معاملے میں شریک ہوں تب؟" ایک گھنٹے بعد وہ پھر پولیس اسٹیشن کے سامنے پہنچ گئے۔

"یہی معلوم کرنے کے لیے معاملہ ان کے سپرد کیا ہے؟" دو روزے پر حالات جوں کے توں موجود تھے۔ ایک کانسٹیبل دروازے پر موجود تھا۔ جوئی اس نے انہیں دیکھا۔ وہ لگا اندر کی طرف

بولے۔

"کیا مطلب؟" وہ سب چونکے۔

"ہم جا نہیں رہے۔ کچھ دور جا کر پلٹ آئیں گے۔"

دیکھیں گے کہ ڈی ایس پی صاحب نے تھانے دار راسی بے گانہ۔

"ایک منٹ جناب! اندر جانے سے پہلے ہماری بات سننے

جائیں۔" انسپکٹر جشید کی سرد آواز گونجی۔

"جی... جی فرمائیے۔" وہ چونک کر رک گیا۔

"آپ ذرا ادھر آ کر بات سن لیں۔"

"جی... جی فرمائیے۔" اب وہ مجبور ہو گیا۔ ان کی طرف

"اندر آپ ہمارے ساتھ جائیں گے۔ ہم سے پہلے نہیں

انسپکٹر جشید کی آواز سرد تھی۔ وہ سہم گیا۔

اب وہ اندر کی طرف بڑھے۔ تھانے دار سی طرح اپنی کمر

بیٹھا نظر آیا۔ اس کے سامنے والی کرسی پر ڈی ایس پی صاحب

تھے۔ اور میز پر کھانے پینے کی بے شمار چیزیں موجود تھیں۔

چیزوں کو وہ جانوروں کی طرح ہنسنوڑ رہے تھے، قدموں کی آواز

جب وہ ان کی طرف مڑے۔ تو ان کے چلتے منہ رک گئے۔ بلکہ

کے کھلے رہ گئے۔ اور آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"راہی بے گانہ کا جرم تو ثابت تھا۔ ہم بھی دیکھتا چاہتے تھے

آپ کس حد تک اس کے ساتھ شامل ہیں۔ لہذا آپ بھی

حوالات کا مدخ کریں گے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جشید نے جیب سے

نکال لیا۔

"کیا کرتے ہیں جناب۔ آپ بہت بڑی بھول میں ہیں۔"

ایس پی فرمایا۔

"وہ کیسے؟"

"اس وقت آپ تھانے میں ہیں۔ کسی کو معلوم نہیں کہ آپ

میں ہیں اور یہاں ہم تعداد میں قریباً تیس ہیں۔ تیس آدمی جب مل

آپ پر قابو کر لیں گے، آپ کا کیا بنے گا۔ لہذا پستول میرے

ہاتھ سے لے کر دیں۔"

"بہت خوب! یہ لیں پستول۔" انسپکٹر جشید نے اپنا پستول اس کی

طرف اچھل دیا۔ اس نے فوراً پستول دبوچ لیا اور ان کی طرف تان

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"تم لوگوں کی موت کا۔ کیونکہ اس کے بغیر تو ہم یہاں من مانی

کے ہو سکتے۔"

"اچھی بات ہے۔ لیکن اتنا تو بتا دیں۔ کہ استاد کہاں ہے۔"

"کون ہے؟"

"اس معاملے سے ہمارا ایک فیصلہ بھی تعلق نہیں۔ یہ لوگ

ہماری بات نہ نہیں آئے۔ لہذا ہم تو بس شے میں پکڑ لیتے تھے

کے۔ اس کی مرمت کرتے تھے۔ اس کے رشتے دار پیسے دے کر

بھڑا کر لے جاتے تھے۔ اور اس طرح ہم اپنی کارروائی ڈال دیتے

تھے۔ اب بھی یہی کریں گے۔ اب ان چوروں کو کون تلاش کرتا

ہے۔"

"لیکن ہم نے بھی تو آخر انہیں پکڑا ہے۔"





"اس کی بات کا مطلب.... ایسے ویسے لوگوں کی سمجھ میں آ جاتے ہیں.... آپ لوگ جو کچھ کرتے رہے ہیں.... ان کے حکم پر آتا۔ محمود نے منہ بنایا۔

"ان لوگوں کو لے جائے۔ اور شوٹ کر دو۔" راہی گرجا۔

"بہت سے قدموں کی آواز گونج اٹھی.... پھر انہیں بازوؤں کی قید سے رہا کر اٹھایا گیا.... وہ اٹھتے چلے گئے.... کاشییل انہیں باہر لے آتے رہے ہیں.... یہ نہیں کہ حکم کی تعمیل کرنے کے لیے ہمارا جی انہیں ایک طرف درختوں کے نیچے کھڑا کر دیا گیا.... اور کاشییل انہیں چاہتا تھا اور پھر بھی ہم کرتے تھے۔ جی نہیں.... ایسی کوئی بات سے دس قدم دور کھڑے ہو گئے.... انہوں نے اپنی رائفلیں تان لیں.... ہم ان کے دل و جان سے ماتحت ہیں اور باقاعدہ ہر چیز میں "میرا تم لوگوں کو ایک مشورہ ہے۔ آخری مشورہ۔" "میرا اصل کرنا ہے۔ اب کیوں انکار کریں.... وہ بھی تم لوگوں کے سامنے۔ جو مرنے والے ہیں۔"

"اے بھئی.... آخر ہمیں ان کے مشورے کی کیا ضرورت...." "پیسے تم لوگوں کی مرضی.... تم نے اپنی سزا کا فیصلہ سنا دیا.... مرتے ہوئے لوگ ہمیں بھلا کیا مشورہ دے سکتے ہیں۔" دوسرے باب بگڑتے.... ہمیں کیا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان سب کی رائفلیں ان کے ہاتھوں سے اٹھ گئیں.... کیونکہ باتوں کے دوران وہ اپنے پستول نکال چکے تھے۔ "چلو بھئی.... سناؤ مشورہ۔"

"اگر تم لوگ ایک طرف ہو جائے.... اور ہمیں ان سے بہت پرانا اچھا نہیں تھا۔"

دو تو اس میں تم لوگوں کا قاعدہ ہے.... ورنہ تم بھی ان جتنی ہڑا جیل میں کالو گے۔"

"خوف زدہ انداز میں انہوں نے ہاتھ اٹھا دیے.... ادھر اندر قہقہوں کی آواز گونجی.... اتنی دیر میں وہ درختوں کی اوٹ لے چکے۔

"کیا بات کرتے ہو بھئی۔"

"یہ مشورہ ہے.... نیک.... تم لوگوں کی بھلائی کے لیے.... کیونکہ جب کہ کاشییل ان کی زد میں تھے.... فوراً ہی تھانے دار اور

ڈی ایس پی جتے ہوئے باہر نکلے۔ اور پھر ان کی آنکھیں مارے پھیرے ہوئے  
کے پھیل گئیں۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا؟" ڈی ایس پی چلایا۔

"یہ وہی۔۔۔ جو ہونا چاہیے تھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ بولا۔

"ہاتھ اٹھا دو۔۔۔ ورنہ گولیاں تمہارے دماغوں میں سوراخ کر

گی۔" فاروق کی آواز سنائی دی۔

انہوں نے اوپر ادھر دیکھا، لیکن وہ لوگ انہیں کہیں

آئے۔

"یہ تم لوگوں نے کیا کیا۔۔۔ ان لوگوں کو درختوں کے پیچھے

لپٹنے کے قابل کیوں چھوڑا؟"

وہ کچھ نہ بولے۔ اسی وقت محمود کی آواز گونجی۔

"تم لوگوں نے ہاتھ نہیں اٹھائے۔۔۔ ہم فائر کرنے لگے ہیں۔"

دونوں نے اب بھی ہاتھ نہ اٹھائے۔۔۔ اچانک دو غائر ہولے

اور ان کے ہاتھوں سے خون بہتا نظر آیا۔۔۔ ساتھ ہی ان کی جھپٹ

سنائی دیں۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔" وہ بولے اور پھر ان کے ہاتھ اوپر

گئے۔

"چلو بھئی۔۔۔ ان لوگوں کو باندھنے کا کام شروع کر دو۔"

محمود "فاروق" فرزانہ اور خان رحمان آگے آگئے۔ فاروق کی

جیب میں ریٹیم کی ڈوری موجود تھی۔۔۔ لیکن اتنی نہیں تھی کہ سب

لوگوں کو باندھ دیا جاتا۔۔۔ تاہم تھانے کے اندر سے ڈوری مل گئی۔ اور

ان سب کو باندھ دیا گیا۔

اب انہوں نے دارالحکومت کو فون کیا۔ آئی جی صاحب کو

حالات بتائے۔ اس کے دو گھنٹے بعد وہاں نیا عملہ آگیا۔۔۔ ان لوگوں کو

حالات میں بند کر دیا گیا۔ نئے تھانے دار کو سب کچھ بتانے کے بعد

آخر کار وہ شادون آباد کی طرف روانہ ہوئے۔

"یہاں کافی وقت لگ گیا۔" پروفیسر داؤد بیڑہ لائے۔

"اور ابھی۔۔۔ شادون آباد بہت دور ہے۔" فاروق نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ یہ کام بھی بہت ضروری تھا۔ اب ان شاء

اللہ لوگوں کو اس قسم کی وارداتوں سے نجات مل جائے گی۔" انسپٹر

جشید مسکرا دیے۔

"بالکل جشید۔۔۔ یوں بھی ہم سیر کرنے کے لیے جا رہے تھے۔

اور یہ بھی سیری کا ایک حصہ سمجھ لیتے ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

باقی سب کے چہروں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"لیکن اس جے کا ٹیم ہم جاسوسی سیر رکھیں گے۔" فاروق ہنسا۔

"کوئی اعتراض نہیں۔" محمود نے کہا۔

سب نے تائید کے انداز میں سر ہلایا۔  
 تین گھنٹے کے مزید سفر کے بعد آخر وہ شاموں آباد میں داخل  
 ہوئے۔ لیکن اچانک انہیں رک جانا پڑا۔۔۔ چند پولیس والے ان  
 راستہ روکے کھڑے نظر آئے۔



## عجیب حرکت

گاڑی روکنے پر وہ ان کے نزدیک آ گئے۔  
 ”گاڑی کے کالڈزات دکھائیے جناب۔“  
 ”بہت بہتر۔۔۔ خان رحمان۔ کالڈزات دکھائیں۔“  
 ”اچھی بات ہے۔“ یہ کہہ کر وہ مسکرائے۔  
 وہ انسپکٹر جمشید کی عادت سے اچھی طرح واقف تھے۔۔۔ وہ ایسے  
 موقعوں پر اپنی شناخت نہیں کراتے تھے۔ بلکہ ہر چیز کو چیک کرنے کی  
 اجازت دیتے تھے۔ اس وقت بھی یہی ہوا ورنہ وہ صرف اپنا کارڈ دکھا  
 کر گزر سکتے تھے۔  
 کالڈزات چیک کئے گئے۔۔۔ وہ ہر طرح مکمل تھے۔۔۔ پھر بھی  
 سارجنٹ نے کہا۔

”آپ لوگ ذرا نیچے آجائیں۔“  
 ”کیوں۔۔۔ اب کیا بات ہے؟“  
 ”گاڑی کی بھی تلاشی لی جائے گی۔“  
 ”اوہ اچھا۔“ وہ بولے اور سب نیچے اتر آئے۔

انہوں نے کار کی بہت اچھی طرح تلاشی لی۔ لیکن کوئی شخص انہوں نے کار کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ نمبر چیک کیے گئے۔ انجن کا اعتراض چڑھ نظر نہ آئی۔ اس کے باوجود سارجنٹ بولا۔  
 ”یہ گاڑی آگے نہیں جاسکتی جناب۔“  
 ”نکلیں! اب کیا ہوا۔ کانتھابت مکمل ہیں۔ تلاشی لینے کے لیے۔“

”کچھ نہیں ملا۔ اب کس لیے روکا جا رہا ہے۔“  
 ”اس ماڈل کی ایک کار چوری ہوئی ہے۔ ہمیں چیک کرنا چاہیے۔ یہ وہی کار ہے۔ جو چرائی گئی تھی۔ اور  
 ”میرا مطلب ہے۔ یہ وہی کار ہے۔ جو چرائی گئی تھی۔ اور  
 ”کیا مطلب؟“ انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔  
 ”چلے پھر ذرا دیکھیں۔ وہ رپورٹ۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔  
 ”آپ کو رپورٹ سے کیا۔ آپ کو تو ہم یہاں سے سیدھے  
 حالات میں لے کر جائیں گے۔ ہاں آپ اپنا وکیل ضرور بلا سکتے  
 ”اور ہمارا جو اتنا وقت ضائع ہو گا۔“ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر کہا۔  
 ”نکالیں۔“

”تو ہوتا رہے۔“  
 ایک لمبے کے لیے انہوں نے کارڈ نکال کر دکھا دینے کے لیے  
 میں سوچا لیکن پھر رک گئے۔ انہوں نے سوچا۔ دیکھیں تو سہی۔  
 لوگ ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ لہذا وہ رک گئے اور اپنے ساتھیوں  
 کی طرف مسکرا کر دیکھا۔  
 ”چلو کوئی بات نہیں۔ تفریح ہی سہی۔“  
 ”اوکے۔“ وہ بولے۔  
 ”مکرائے۔“

”میں خود اپنا وکیل ہوں۔ چلے رپورٹ دیں مجھے۔“ وہ  
 ”کیا۔ آپ خود وکیل ہیں۔ کیا واقعی؟“  
 ”اور پھر دو آدمی وہاں پہنچے۔ وہ بھی پولیس کی دہلی میں تھے۔“

ہے؟" خان رحمان پوئے۔

"ہماری مجبوری ہے۔"

"کوئی مجبوری نہیں.... ہم جس ہوٹل میں ٹھہریں گے.... اس کا پتہ آپ کو نوٹ کرا دیں گے.... آپ وہاں آ جائیے گا۔"

"جی نہیں.... اگر آپ فرار ہو گئے تو؟"

"ارے تو گاڑی یہاں رکھ لیں۔"

"ہاں! ٹھیک ہے.... آپ جائیں.... ہوٹل کا نام لکھوا دیجئے گا۔"

"تھانے دار بولا۔

پولیس اسٹیشن سے نکلنے سے پہلے انسپکٹر جمشید ان کی طرف

مڑے۔

"لیکن انسپکٹر صاحب.... ایک بات یاد رکھیں۔"

"اور وہ کیا؟" اس نے چونک کر کہا۔

"اگر ہماری کار کو استعمال کیا گیا.... یہ اس کے پرزے نکالے گئے

تو میں انہا آپ لوگوں پر کیس کر دوں گا.... میں بھی آخر وکیل ہوں۔"

"اور ایک بات آپ بھی یاد رکھیں۔"۔ تھانے دار نے جل کر

کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"اگر کار کے مالک نے اس کو شناخت کر لیا اور یہ اس کی ثابت

ہو گئی تو آپ بھی جیل میں چکی پیتے نظر آئیں گے۔"

"میں اپنے کانڈنات دکھاؤں گا.... اگر میں وکیل ثابت

اس صورت میں تو آپ مجھے رپورٹ دیں گے۔"

"ضرور.... کیوں نہیں۔" ایک نے پریشان ہو کر کہا۔

وہ انہیں پولیس اسٹیشن لے آئے.... گاڑی کو پولیس

کے اندر لے آیا گیا.... تھانے کا عملہ گاڑی کو گھور گھور کر دیکھنے

پہلے انسپکٹر جمشید کے وکالت کے کانڈنات دیکھے گئے۔

کانڈنات میں انسپکٹر کا لفظ نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے.... آپ اپنی وکالت خود کر سکتے ہیں۔ اب

کل عدالت میں پیش کیا جائے گا۔"

"بہت بہتر.... کیا رات کو ہمیں حوالات میں رہنا پڑے؟"

"ہاں مجبوری ہے۔"

"لیکن کیوں.... کیا آپ کو معلوم نہیں.... کہ یہ کار وہ

جو چالکی گئی ہے۔"

"ماہرین کا کہنا ہے۔ اس کے نمبر تبدیل کیے گئے ہیں۔

ضرور وہی گاڑی ہے.... جس کا ذکر سننے میں آ رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے.... اس شخص کو بلائیں جس کی گاڑی

ہوئی ہے۔"

"وہ آج یہاں نہیں.... شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"ان کے یہاں نہ ہونے کی سزا آخر ہمیں کس طرح دی



"غلط۔ بالکل غلط۔ یہ ہمارے سامنے آئے۔ آپ نے اسے یہاں نہیں لائے۔ وہ بھی کل تک یہاں لے آئیں گے۔  
سے پوچھا تک نہیں کہ ان کے نام کیا ہیں۔ کہاں سے آئے۔ ایک گاڑی کی کیا بات ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو ہم گاڑیوں کی  
اور یہ کہ انہوں نے بجگ کب کرائی تھی۔"

"آپ کو اس سے مطلب؟"  
"لیکن۔ اگر ہوٹل میں کچھ کمرے خالی ہیں تو آپ انہیں آپ کے لیے دو کمرے ڈبل اوپر ولی حنظل پر بک کے دیتے  
کیوں نہیں دینا چاہتے۔"

"ہوٹل کے اخراجات۔ آپ مل لیا نہیں کر سکیں گے۔  
ہم آپ کا مل اپنی جیب سے تو دینے سے رہے۔" ایک نے کہا۔  
کہا۔

"تو آپ ایڈوانس لے لیں۔ کئے دو ڈبل کمرے کا چندہ  
ایڈوانس دے دیں؟"  
"بات صرف ایڈوانس کی نہیں ہے۔ اور بھی ہے۔  
اخراجات کون ادا کریں گے۔"

"آپ باقی اخراجات کے لیے بھی ایڈوانس رقم جمع کر لیں۔  
"کیا!!" وہ چلائے۔  
"اب کیا ہوا؟" انسپکٹر حبشہ نے منہ بنایا۔  
"ہمیں۔ ہمارا خیال تھا۔ آپ لوگ کوئی غریب لوگ ہو کر کہا۔"

"کیسیوں میں آئے ہیں نا۔"  
"راستے میں اس سے ملاقات جو ہو گئی تھی۔" محمود نے منہ  
"ہماری گاڑی راستے میں ایک جگہ موجود ہے۔ ہم باہر

"وہ تو خراب ختم ہو گیا۔" فرزانہ بولی۔

"ختم کیسے۔۔۔ استاد اور باس۔ ابھی تک غائب ہیں۔"

"نیا عملہ ضرور انہیں تلاش کر لے گا۔۔۔ راضی بے گانہ۔"

کے ڈی ایس پی تو کوئی کام کرتے ہی نہیں تھے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔۔۔ امید یہی ہے۔" پروفیسر بولے۔

نے چمک کر کہا۔

"اوہو جشید۔۔۔ میں تو بھول ہی گیا۔"

"کیا بھول گئے۔۔۔ آپ انکل۔"

"یہ کہ مجھے بھوک لگی ہے۔۔۔ وہ بھی بہت زور کی۔"

"تو پھر کھانا منگوا لیتے ہیں۔"

"یہاں منگوانے میں دیر لگے گی۔۔۔ نیچے چلتے ہیں۔"

"چلے یونی سٹی۔"

وہ نیچے آ گئے۔۔۔ کھانے کا آرڈر دیا اور انتظار کرنے لگے۔

ایسے میں اچانک انکپلر جشید کی نظریں ایک شخص پر پڑیں۔

آنکھوں میں حیرت کے آثار نمودار ہوئے۔۔۔ یہ حیرت باقی لوگوں

بھی چھپی نہ رہ سکی۔

"کیا بات ہے اباجان۔۔۔ خیر تو ہے۔"

"اس۔۔۔ اس۔" وہ کہنے لگے تھے کہ اچانک ہال میں

سناتا چھا گیا۔۔۔ ہر شخص جہاں تھا وہ گیا۔۔۔ مثلاً کوئی شخص

طرف لے جا رہا تھا تو اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔۔۔ نہ منہ نہ

گیا۔ نہ واپس سیر کی طرف آیا۔۔۔ کسی کے ہاتھ میں گلاس تھا تو گلاس

وہیں رہ گیا۔۔۔ کوئی لقمہ چبا رہا تھا۔۔۔ تو اس کے منہ کی حرکت رک گئی۔

انہوں نے حیران ہو کر چاروں طرف دیکھا۔۔۔ پھر ان کی نظریں

ہوٹل کے دروازے پر چمک کر رہ گئیں۔۔۔ ایک دیو قامت انسان ہوٹل

کے باہر دروازے پر کھڑا تھا۔۔۔ دروازے پر موجود دونوں بھرے ان کے

سامنے کھڑے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ اچانک اس کے بازو حرکت میں

آئے۔۔۔ اور اس نے ایک عجیب حرکت کی۔





"نہیں... پہلے میجر... پھر گردنیں۔" وہ پھٹکارا۔

بیڈ ہیرے نے جلدی جلدی فون پر بات کی اور اس کی طرف

نزل۔

"وہ آ رہے ہیں... آپ انہیں چھوڑ دیں۔"

"نہیں... ہرگز نہیں۔"

"ایاجان۔ کہیں یہ سچ مچ مر ہی نہ جائیں۔" فرزانہ نے بوکھا کر

اپنی آواز میں کہا۔

"نہیں۔ اس نے انہیں اٹھا ضرور رکھا ہے۔ لیکن سانس اس

تک نہیں رک رہے۔"

"گویا ابھی ہم رک سکتے ہیں۔"

"ہاں! ہم نہیں جانتے... یہ کون ہے... لہذا اس وقت تک

داخل اندازی نہیں کریں گے... جب تک شدید ضرورت محسوس نہیں

کریں گے۔"

"ہوں اچھا۔ خیر۔" فرزانہ بولی۔

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی... اور ایک دہلا

پتلا... چھوٹے سے قد کا آدمی پھٹتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"کنگ... پلیز کنگ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ انہیں چھوڑ

دیجئے۔ یہ آپ سے معافی مانگتیں گے... آپ جس طرح کہیں گے۔ یہ

معافی مانگتیں گے۔"

## خبردار

اب انہوں نے دیکھا اس کے دونوں بازو دونوں بیڈوں کا

گردنوں کے گرد کس گھے تھے... اور وہ اس کے بازوؤں میں لٹک رہے

تھے۔ باقی جسم اب بید کی چھڑی کی طرح کانپ رہے تھے۔ اسی

حالت میں وہ اندر داخل ہوا اور پھر اس کی دھاڑ نے پورے ہال میں

گونج پیدا کر دی۔

"کہاں ہے ہوٹل کا مالک... ٹانکار۔"

"نہیں سب... میں سب۔ وہ ابھی حاضر ہوتے ہیں... مہربانی فرما کر

انہیں چھوڑ دیں۔ ورنہ یہ اپنی جان سے جائیں گے... ان کا سانس

رک رہا ہے۔ آنکھیں باہر کو اٹل رہی ہیں۔" بیڈ ہیرا جلدی جلدی

بولتا۔

"تو ان دونوں کو وہاں کیوں کھڑا کیا گیا تھا؟"

"آپ۔ آپ لوگوں کے استقبال کے لیے۔"

"تب پھر... انہوں نے استقبال کیوں نہیں کیا؟" وہ گرجا۔

"آپ ان کی گردنیں چھوڑیں گے تو یہ کچھ بتائیں گے نا۔"

”جی ہاں۔ کنگ۔ سنا۔“

”تو پھر آپ انہیں ملازمت سے نکال کر چٹا کریں۔“

”یہ زیادہ بہتر رہے گا۔“ مینجر نے فوراً کہا۔

”کیسے بہتر رہے گا۔ ہمارا جرم بتایا نہیں اور سزا سنا دی گئی۔“

بات تو وہیں کی وہیں رہی۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

”تم عجیب ہو۔۔۔ ابھی ابھی قمر تھر کاپ رہے تھے۔ اب جان بچ گئی ہے تو اپنا بچھا نہیں چھڑا رہے ہو۔“ ہوٹل کا ایک گاہک بول اٹھا۔

”لیکن جب ہم نے کوئی غلطی کی ہی نہیں۔۔۔ تو آخر ہمیں ملازمت سے کیوں فارغ کیا جا رہا ہے۔“ دوسرا بولا۔

”آپ نے سنا مسٹر مینجر۔“

”ہاں سنا کنگ۔۔۔ اب یہ ملازمت میں نہیں رہ سکتے۔ تم جاسکتے ہو۔“

کلائنٹر سے اپنا حساب لے لو۔“

”ملازمت دیتے وقت آپ نے ہم سے ایک فارم پر دستخط کرائے تھے۔ اس میں یہ بھی درج ہے کہ اگر آپ ہمیں فوری طور پر

ملازمت سے فارغ کریں گے تو وجہ ضرور بتائیں گے اور ایک ماہ کی

تخواہ بھی ساتھ میں زائد دیں گے۔“

”زائد تخواہ لے لو۔ اور دفع ہو جاؤ۔“

”وجہ سنے بغیر؟“ دونوں بولے۔

”یہ اس طرح نہیں مانیں گے۔“ یہ کہ کر کنگ نے پھر انہیں

”اچھی بات ہے۔۔۔ یہ لو۔۔۔ چھوڑ دیا۔۔۔ ان چوہوں کو۔۔۔“

منگوائے ان سے معافی۔ یہ فرش پر ناک سے سات لکیریں نکالیں گے۔“

”ضرور جٹا۔۔۔ کیوں نہیں۔“ مینجر ان کی طرف مڑا۔

”چلو۔۔۔ ناک رگڑو۔“

”لیکن سر۔۔۔ ہم نے کیا کیا ہے۔۔۔ پہلے یہ تو بتایا جائے۔“

میں سے ایک نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

”ہاں کنگ۔۔۔ پلیز کنگ۔۔۔ بتائیے۔۔۔ ان کا قصور کیا ہے؟“

”آپ نے دیکھا۔۔۔ رضوانی صاحب۔۔۔ ان میں کس قدر

ہے۔“

”ہاں! یہ تو خیر میں محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ ورنہ ہونا تو یہ چاہیے

تھا کہ یہ پہلے ناک سے لکیریں نکالتے۔۔۔ پھر وجہ پوچھتے۔“ مینجر نے ان

کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”بالکل ٹھیک۔۔۔ لہذا پہلے یہ لکیریں نکالیں گے۔۔۔ پھر میں انہیں

ان کا جرم بتاؤں گا۔“

”سنا تم نے؟“ مینجر نے آنکھیں نکالیں۔

”جی ہاں سنا۔ لیکن اپنا جرم معلوم کیے بغیر ہم ایسا نہیں کریں گے۔“

”کیا۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ آپ نے سنا مینجر صاحب۔“

گردنوں سے دیوچ لیا۔۔۔ اس بار اس نے انہیں صرف ہاتھوں سے پکڑا تھا۔۔۔ اس کے باوجود ان کے چہرہ نشن سے اٹھ گئے تھے۔۔۔ یہ دیکھ کر سب لوگوں کی آنکھیں مارے حیرت اور خوف کے پھیل گئیں۔

”آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟“

ایک آواز ہال میں گونج اٹھی۔ اس سے ایک لمبے پلے انگلیز جشیہ نے دخل اندازی کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن ان کے کچھ بولنے سے پہلے ہی یہ آواز گونج اٹھی۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔ ایک پولوان نما آدمی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور کنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

آپ دخل اندازی نہ کریں۔۔۔ ورنہ ذمے دار آپ خود ہوں گے۔ انہوں نے منہ ہٹایا۔

”آخر ہم کیوں دخل اندازی نہ کریں۔ ہمارے سامنے دو غریب لوگوں کے ساتھ سراسر زیادتی ہو رہی ہے۔ جب کہ ان کا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ انہیں ان کا جرم بتا دیا جائے۔“

”میں نے کہا تھا آپ دخل نہ دیں۔“

”لیکن میں دخل دوں گا۔“ پولوان کچی قدم اور آگے بڑھ گیا۔

”کیا آپ اس قصبے میں پہلی بار آئے ہیں؟“

”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے، کیا کوئی اس قصبے میں پہلی بار نہیں آ سکتا۔“

اس کی اس بات پر لوگ ہنس پڑے۔ رضوانی نے ایک نظر

اس پر ڈالی۔۔۔ پھر باقی لوگوں پر اور جل کر بولا۔

”آپ کنگ کو نہیں جانتے۔ یہ نام کے کنگ نہیں ہیں۔“

”نام کے کنگ نہیں ہیں۔ کیا مطلب؟“ پولوان چونکا۔

”ہاں! یہ ایک ریاست کے کنگ ہیں۔۔۔ ہمارے ہاں ہر سال موسم گرما گزارتے ہیں۔۔۔ یعنی مسلسل تین ماہ۔ یہ ہمارے ہوٹل میں رہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہوٹل کو ہر سال لاکھوں روپے کا فائدہ ہوتا ہے۔“

”لیکن اس کا یہ مطلب پھر بھی نہیں کہ یہ دوسروں کو اپنا نظام سمجھیں۔“ پولوان نے کہا۔

”آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔ ورنہ آپ مشکل میں پڑ جائیں گے۔ اور پھر اس مشکل سے آپ کو نکالنے والا کوئی نہیں ہو گا۔“

”ہاں نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”کنگ ہماری حکومت کو ہر سال کئی کروڑ روپے کی امداد دیتے ہیں۔ لہذا ہمارے ملک کی حکومت بھی انہیں کچھ نہیں کہے گی۔“

”اس کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ غریبوں سے زیادتی کریں۔“

”مسٹر رضوان۔۔۔ آپ ایک طرف ہو جائیں۔ اب ان بیروں سے پہلے ان صاحب کو سبق سکھانا ہو گا۔“ یہ کہہ کر اس نے تلی بجائی۔

فورا ہی چار مسلح آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان کے جیسوں  
سیاہ رنگ کی درویاں تھیں۔ چروں پر سنگ دلی ہی سنگ دلی تھی۔  
اندر داخل ہونے کے بعد وہ تیر کی طرح کنگ کی طرف آئے۔  
”کیا حکم ہے کنگ؟“

”اس پہلوان کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔“

”ہا ہا۔“ وہ پہلوان ہنسا۔

”کیا ہوا۔ کسی بات پر ہنس رہے ہو۔“

”یہ اور مجھے اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔“ وہ بولا۔

”کیوں۔ کیا یہ ایسا نہیں کر سکتے۔“

”بالکل نہیں۔۔۔ اگر انہوں نے ایسا کر دیا تو میں بھی آپ کا غلام  
بن جاؤں گا۔“

”اور اگر یہ کام میں کر دوں۔“ کنگ مسکرایا۔

”آپ سے بات بعد میں ہو گی۔“

”لیکن میں تم جیسوں کو اپنا غلام نہیں بناتا۔۔۔ میں تو تمہاری  
گردن کی پٹی توڑ دوں گا۔“ کنگ نے کہا۔

”پہلے اپنے ان آدمیوں کی پٹیاں مجھ سے تڑوا لیں۔“ پہلوان  
نے منہ ہنایا۔

”کنگ کوئی فائدہ نہیں۔ ہوٹل کا سامان برباد ہو گا۔“ رضوانی  
نے جلدی سے کہا۔

”وہ میں پورا کروں گا۔۔۔ بلکہ دو گنا ادا کروں گا۔ اس نے ہنس  
کر کہا۔  
”اوہ! جب تو ٹھیک ہے۔“

”تم نے سنا نہیں۔۔۔ پہلوان کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔“

چاروں جھوٹے کے انداز میں اس کی طرف بڑھے۔

”لو پکڑو مجھے۔“ پہلوان نے اپنے بازو آگے کر دیے۔

چاروں نے اس کے بازو مضبوطی سے پکڑ لیے۔ اور اسے  
دروازے کی طرف کھینچنے لگے۔۔۔ لیکن ایک قدم بھی اس کی جگہ سے  
آگے نہ کھینچ سکے۔ اب تو ان کے چروں پر فٹے کے آثار نمودار ہو  
گئے۔۔۔ وہ اس سے لپٹ گئے۔۔۔ اور مل کر اٹھانے لگے۔۔۔ لیکن وہ اسے  
اٹھا بھی نہ سکے۔

”یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ تم چار مل کر اس ایک کو اٹھا نہیں سکے۔۔۔ تم  
لازمت سے فارغ۔ نکل جاؤ ہوٹل سے۔ ورنہ یہاں تم چاروں کی  
لاشیں پڑی نظر آئیں گے۔۔۔ اور اس سے اب میں خود بیٹوں گا۔“

”ارے۔ تو کیا۔ تم بھی لڑنا بھڑنا جانتے ہو۔“ پہلوان ہنسا۔

”ابھی پتا چل جائے گا۔۔۔ لیکن بات غلام بننے پر ختم نہیں ہو  
گی۔“ کنگ نے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”میں تیریں جان سے مار دوں گا۔“

”اور ہماری حکومت آپ کو گرفتار نہیں کرے گی کیا؟“  
بول اٹھا۔

کنگ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ادھر انسپکٹر جیش  
باقی ساتھی فاروق کی بات پر مسکرائے۔

”یہ کون بولا تھا؟“ اس نے بلند آواز میں کہا۔

”میں بولا تھا جناب۔“ فاروق نے اٹھ کر کہا اور پھر بیٹھ گیا۔

”ابھی بچے ہو۔۔۔ اس لیے معاف کیا۔۔۔ اور اطلاع کے

عرض کر دوں کہ یہاں کی پولیس مجھے گرفتار نہیں کرے گی۔۔۔ یہ

خلاف مقدمہ بھی درج نہیں کرے گی۔ جب تک کہ میں خود

درج کرنے کی اجازت نہ دوں۔“ اس نے جلدی جلدی کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا اس قحبے میں ہمارے ملک کا

راج نہیں ہے۔“

”اس ملک کا قانون مجھ پر لاگو نہیں ہوتا۔۔۔ میں تمہاری

کو کروڑوں روپیہ سالانہ امداد دیتا ہوں۔“

”اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم ملک کے کسی شخص کو

سے مار سکتے ہو۔“ فاروق نے کہا۔

”میں ایسا کر کے دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہ یہ حکومت میرے

کیا کرتی ہے۔“

”ہم اس کی بھی اجازت نہیں دیں گے۔۔۔ پولوان نے کہا۔

”صرف دو مظلوم انسانوں کے حق میں آواز اٹھائی ہے نا۔“ فاروق  
نے کہا۔

”میں نے کہا تھا۔ ابھی بچے ہو۔۔۔ اس لیے معاف کیا، لیکن  
ایسا لگتا ہے کہ تمہیں بھی سبق سکھانا ہو گا۔“

”آخر تم کس کس کو سبق سکھاؤ گے۔“ فاروق نے جمل کر کہا۔

”کیا کہا۔۔۔ تم۔۔۔ تم نے مجھے تم کہ کر پکارا۔“ وہ چلایا۔

”تم نے دھیان نہیں دیا۔۔۔ میں تو تمہیں پہلے بھی تم کہ چکا

ہوں۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”اب تم سزا سے نہیں بچ سکو گے۔“

”تب پھر پہلے آپ اسے سزا دے لیں۔۔۔ پولوان صاحب کو سزا

دو میں دینے کا۔“ انسپکٹر جیش نے پہلی بار دخل دیا۔

”کیا مطلب۔۔۔ یہ لڑکا آپ کی میز پر بیٹھا ہے۔۔۔ اور آپ اسے

سزا دلوانے کی بات کر رہے ہیں۔۔۔ کیا دشمنی ہے آپ کی اس سے۔“

”دشمنی نہیں۔۔۔ دوستی۔۔۔ یہ میرا بیٹا ہے۔“

”اوہ۔ اچھا۔ اور آپ اپنے بیٹے کو قربانی کا بکرا بنا رہے

ہیں۔“

”پولوان کی مدد کرنا اب ہمارا فرض ہے۔ انہوں نے دو غریب

انسانوں کی مدد کے لیے آواز بلند کی۔۔۔ آج کے دور میں ایسے لوگ

کمال ملتے ہیں۔۔۔ ہم دل سے ان کی قدر کرتے ہیں۔۔۔ اور آپ کے

مقابلے میں ان کی مدد کریں گے۔ لہذا ان کی طرف بڑھنے والے ہمارے  
کو ہم اپنے جھونڈے پر روکیں گے۔

"آپ... آپ لوگوں کا شہر ہے... لیکن آپ میرے لیے  
نہ ہوں... میں اس سے بیٹ لوں گا۔"

"کیا واقعی؟" تنگ ہوا۔

"ہاں کیوں نہیں... میں نے پیلوئی کے کئی بین الاقوامی مشہور کیا۔"

جیتے ہیں... میری مہارت آخر کس کام آئے گی۔"

"اوہو اچھا... تب تو ٹھیک ہے۔ آپ مقابلہ کر سکیں گے۔"

"یہ بات میں نے پہلی بار سنی ہے... لہذا پیلوئی کا جواب ہے۔"

دوسری طرح دوں گا۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں

نظر آیا۔

دیکھا مطلب... یہ کیا بات ہوئی؟" پیلوئی چونکا۔

"اگر تم پیلوئی ہو... تو پیلوئی کے دائرہ وسیع استعمال کرو گے۔"

میں وقت کیوں ضائع کروں... جہیں تو صرف ایک گولی سے ڈیرہ

سکتا ہے۔"

"کیا یہ انصاف ہے... کیوں جناب؟" اس نے انکیٹر جیشید سے۔

طرف دیکھا۔

"نہیں... بالکل نہیں۔" انکیٹر جیشید فوراً بولے اور اٹھ کھڑے۔

ہوئے... اب ان کے ہاتھ میں بھی پستول نظر آیا۔

"واہ... یہ ہوئی ناپات۔" پیلوئی نے خوش ہو کر کہا۔

"اگر آپ نے پیلوئی پر فائز کرنے کی کوشش کی... تو پھر اس

پستول سے کوئی نکلے گی اور آپ کے پستول کی گردن اڑا

دے گی۔"

"کی... لگے... کیا فرمایا... پستول کی گردن۔" فاروق نے حیران

ہوا۔

"کیوں... کیا ہوا؟" کسی نے چونک کر کہا۔

"یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"خدا ہو گئی... پستول چلنے کو ہیں... اور جہیں ناولوں کے نام

ہے ہیں۔" فردانہ جھلا اٹھی۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"تب پھر... کس کا قصور ہے؟" انکیٹر جیشید نے اسے گھورا۔

"نہا نہیں... کسی نہ کسی کا تو ضرور ہو گا۔"

"بے کوئی تک اس بات کی۔" محمود غریبا۔

"فاروق چپ رہو... اور یہ دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے... کیا ہونے

لگا ہے۔"

"سمت بہتر۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"سور پھر تنگ نے پیلوئی پر پستول تان لیا۔ اس کی انگلی ٹریگر

پر رکھی نظر آئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ ٹریگر دھکا۔ انکیٹر جیشید

”اچھی بات ہے۔ میں دونوں بیویوں کا قصور معاف کرتا ہوں۔ اس پہلو ان سے بھی کوئی غرض نہیں رکھوں گا۔ اور آپ ہاتھ سے نکل کر دور کھڑے ایک پیرے کے کندھے پر لگا۔ اس سے بھی نہیں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی کنگ لگا باہر جانے۔ یہ دیکھ کر رضوان منہ سے جھنجھٹاں نکلی اور وہ کندھا پکڑ کر بیٹھ گیا۔  
”ارے۔ کمال ہو گیا۔ اس کی تو واقعی گردن مڑ گئی۔“

”کیسے۔ یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟“

فاروق بولا۔

”کنگ کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔ پھر اچانک اس نے اپنی ریاست میں۔ میں یہاں نہیں رہوں گا۔“

”یہ کیا بات ہوئی جناب؟“ رضوانی نے کہا۔

بجادی اور بولا۔

”بہت خوب۔ اتنا سچا نشانہ پہلی بار دیکھا ہے۔ آپ میں اس ملک کی امداد بند کر رہا ہوں۔ جس ملک کا ایک چھوٹا سا ملک اس قدر مجھے دھمکیاں دے۔ میں اس کی مدد کیوں کروں؟“

”جی نہیں۔ شکریہ۔ دونوں بیویوں کا قصور معاف کر دے۔“

اگرچہ انہوں نے کوئی قصور نہیں کیا۔ پہلو ان سے بھی ملتا تھا۔ اور اپنا کام کریں۔ ہمارے ملک کے معاملات میں ملنا۔

اندازی نہ کریں۔ امداد دینے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو ملے۔ بلکہ تو اور کیا۔ یہ کوئی چھوٹا سا سرکاری افسر ہی ہو سکتا ہے۔ میں دھل اندازی کا حق حاصل ہو گیا ہے۔ آئندہ میں ایسی کوئی بات نہ کروں گا۔

سنو کہ آپ نے دھل اندازی کی ہے۔“

”آپ کون ہیں؟“ اس نے جل کر کہا۔

”آپ کو اس سے کیا؟“

”کم از کم اپنا نام تو بتا دیں۔“

”میں نے کہا تھا۔ آپ کو اس سے کیا؟“ وہ مسکرایا۔

”اے! آپ من نہیں رہے۔ آپ کے ملک کو کروڑوں کا نقصان ہر سال ہو گا۔“

”اور آپ کے ہوٹل کو لاکھوں کا ہر سال“۔ انکیئر جمشید نے  
 مزید انداز میں کہا۔

”عد ہو گئی۔۔۔ یہ صاحب خود تو صاف الگ ہو گئے اور ہمیں رضوانی صاحب سے بھڑا دیا۔“ فرزانہ نے جلمے کئے انداز میں کہا۔

"ہاں۔۔۔ اے کتے ہیں سیاست۔" نگ نے قہقہہ لگایا۔

"میں مجھے ہم آپ کی سیاست کو۔ لیکن ہم بھی آپ کی بات کو آپ پر ہی نادیں گے۔" الپکرم جھید نے مسکرا کر کہا۔

”کیسے؟“ گنگ فوراً پوچھا۔

”ابھی پتا چل گئے گا۔۔۔ پہلوان صاحب۔۔۔ آپ ہماری طرف آ

ابھی۔۔۔ اور دونوں میرے بھی۔۔۔ کیونکہ آپ تینوں اب ہمارے  
ساتھ ہیں۔"

"مش۔۔۔ عکریہ جناب"۔ وہ ایک ساتھ بولے اور ان کی طرف

”یہ ہو کی نایات۔ محمود نے کہا۔

”بچے مسٹر رضوانی... اور کنگ صاحب... اب آپ ہمیں

نکال دیں اور ہمارا سامان بھی نکال دیں۔۔۔ لیکن مہربانی فرما کر  
میں نکالیں۔۔۔ اس لیے کہ اگر سامان پہلے نکال دیا گیا تو لوگ تو

"ت پھر مسٹر رضوان۔ میری ایک شرط ہے۔"

”اور وہ کیا؟“

”اس پہلو ان کو ہوٹل سے نکال دو۔ ان لوگوں کو

اور ان دونوں بیرون کو بھی ملازمت سے فارغ کر دیا جائے۔  
صورت میں یہاں فہموں کا۔

"اودھ ضرور کیوں نہیں۔۔۔ چھ منٹ کی مہلت دیں۔"

"ضرور کیوں نہیں"۔ وہ مسکرایا۔

اب رضوانی ان کی طرف مڑا۔

”دونوں بھرے ملازم سے قاسم غ۔۔۔ پہلوان صاحب۔

سے چلے جائیں۔ اگر آپ یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں

لے لیں۔۔۔ اور آپ لوگ بھی۔۔۔ صرف چند منٹ

کے ہوئے خالی کر دیں۔۔۔ ورنہ آپ کا سامان الٹ

جائے گا۔ اور بیروں کی فوج آپ کو نکال باہر کرے گی۔

”بہت خوب... اچھا حکم ہے۔ پسند آیا۔“ کنگ

”لیکن ہم اسے مانیں گے تب نا۔“ اسپیکر جمشید۔

”کیا مطلب؟“ گنگ اور رضوانی نے ایک ساتھ کہا۔

”مطلب یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ... جتنے دن“

رہے ہیں۔ اتنے دن تک تو یہاں رہیں گے۔

نہیں نکال سکیں گے۔"



سلمان کو اٹھا کر لے جائیں گے۔ لے جائیں گے نا۔" انسپٹر جمشید مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے یونہی سی... بیروں کی فوج... باقی سب چھوڑ کر پہلے انہیں ہوٹل سے نکال دے۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔  
 "اسے کہتے ہیں عقل... اپنے ہاتھ غیر استعمال نہیں کیے... اور لوگوں کو ہوٹل سے نکلا رہا ہوں۔" سنگ نے ہنس کر کہا۔

"یہ... یہ تو انصافی ہے۔" کئی لوگ پکار اٹھے۔  
 "اگر آپ لوگوں کو یہ نا انصافی نظر آتی ہے... تو آپ بھی اس سے جا سکتے ہیں... سنگ کے مقابلے میں مجھے اور کسی کی پڑاؤ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے... مسٹر سنگ آپ کی بھی جیب بھر ہیں۔" ایک گاہک نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"بہت خوب پہچانا۔" انسپٹر جمشید نے اس کی تعریف کی۔  
 باقی لوگوں کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی۔  
 اتنے میں بے شمار ہیرے ان کی طرف بڑھتے نظر آئے۔  
 تعداد سو سے کم تو کیا ہوگی۔

"ارے باپ رے... اتنے ہیرے۔" قادیق لگا کر قمر کا پٹے بیروں نے قتبہ لگایا... سنگ اور رضوان بھی ہنسنے لگے۔  
 ایسے میں اچانک انسپٹر جمشید نے پستول نکال لیا۔

ان کے ساتھ ہی ان کے باقی ساتھیوں نے بھی پستول نکال لیا۔  
 اب انسپٹر جمشید نے سرو آواز میں کہا۔  
 "خبردار... ہاتھ اوپر اٹھا دو... ورنہ ہم گولی چلا دیں گے۔"



ہاتھوں اور پیروں سے روکنا آپ کے بس کا روگ کہاں۔

”یہ بات نہیں.... بلکہ روگ ہے۔“ فاروق کی آواز سنائی دی۔

”کیا مطلب.... روگ ہے۔“

”ہاں! یہ ہمارے بس کا روگ ہے.... اس کو ہم نے بس میں کر

رکھا ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”کس کو.... بس میں کر رکھا ہے؟“ ایک نے کھوئے کھوئے انداز

میں کہا۔

”جی.... روگ کو اور کس کو۔“

”اگر آپ لوگ ان کی مرمت ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر آپ

کی مرضی.... ہسپتال جیب میں رکھ لو بھی۔“

جو فنی انہوں نے ہسپتال جیب میں رکھے.... بیرے ایک بار پھر شیر

نظر آنے لگے۔

”اب آئے گا مزا۔“ رضوانی ہنسا۔

”لیکن رضوانی صاحب.... اس سے پہلے تم پولیس کو فون کیوں

نہیں کرتے۔ ان کے پاس غیر قانونی اسلحہ ہے.... انہیں تو پولیس ایسے

سی پکڑ کر لے جائے گی.... بلاوجہ ہم اپنے پیروں کو کیوں تھکائیں۔“

لنگ کی آواز گونجی۔

”بہت خوب! آپ کی عقل کا بھی جواب نہیں.... ابھی لیجئے۔“

یہ کہ گریسٹر فون ک طرف بڑھ گیا.... جلدی جلدی اس نے فون کیا

## بس کا روگ

اتنے ہسپتال پیروں کی طرف اٹھے دیکھ کر سب لوگ خوف لگا

گئے.... ادھر پیروں کے اٹھے قدم رک گئے۔

”آپ لوگ جانتے ہیں.... ہم نے ہسپتال کیوں نکالے ہیں۔“

انسپیکٹر جمشید کی آواز گونجی۔

”نہیں۔“ لوگ بولے۔

”تاکہ آپ لوگوں کو کوئی چوٹ دھوٹ نہ لگے.... اگر ہال میں

لڑائی ہوتی تو دیکھنے والوں کو بھی چوٹ لگ سکتی تھی“ لڈا میں نے

سوچا۔ ان لوگوں کو اس طرح روک لیتے ہیں.... کیا آپ کو یہ بات

پسند آئی۔“

”نہیں۔“ لوگ بولے۔

”نہیں.... کیا مطلب؟“

”یہ ہوٹل والے ہمیں بہت لوتے ہیں.... آج یہ بات ثابت

بھی ہو گئے.... ہم چاہتے تھے.... ان کی خوب پٹائی ہوتی تھارت

ساننے.... لیکن.... آپ لوگ بھی کیا کر سکتے ہیں.... اتنے پیروں

اور پھر ریسپور دکھ کر ان کی طرف مڑا۔

”پولیس آ رہی ہے۔ اب آپ لوگ پہلے پولیس کا سامنا کر گئے۔ یا مقابلہ کرنا پسند کریں گے۔“ کنگ ہنسا۔

”جو آپ پسند کریں۔“ انسپکٹر جشیہ مسکرائے۔

”میں تو چاہتا ہوں۔ پہلے معاملہ پولیس کے علم میں آ جائے۔“ کنگ نے کہا۔

”تب تو پولیس آپ کو گرفتار کرے گی۔“

”ہاتھ کٹن کو آ رہی کیا۔ ابھی ہٹا چل جائے گا۔“ کنگ بولا۔

”ہائیں۔۔۔ آپ کیسے کنگ ہیں۔“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”کیوں۔۔۔ کیا ہر؟“ اس نے بھی حیران ہو کر پوچھا۔

”آپ کو تو باخاندانہ اردو آتی ہے۔“

”اودہ اچھا۔۔۔ بچپن میں میں اردو میں بہت تیز تھا۔“

”اور اب۔۔۔ اب آپ جرائم کرنے میں تیز ہیں۔“ مہموں۔

”نظر انداز میں کہا۔

”کیا کہا۔۔۔ جرائم۔۔۔ میں کنگ ہوں۔۔۔ مجرم نہیں۔“

”لیکن آپ کا انداز تو مجرمانہ ہے۔“ خان رحمان نے نفرت سے

انداز میں کہا۔

”آپ کو لگا ہو گا۔“

اور پھر ہال میں پولیس داخل ہوئی۔

”یہاں کیا ہو رہا ہے۔۔۔ کون ہیں وہ لوگ۔۔۔ جن کے پاس نا جائز

اسلحہ ہے۔۔۔ ارے یہاں تو کنگ موجود ہیں۔۔۔ پھر ہمیں بلائے کی کیا

ضرورت تھی۔۔۔ کنگ سب کام کر سکتے ہیں۔۔۔ یہ ان لوگوں کو گرفتار کر

کے خود تھانے بھجوا دیجئے۔“ تھانے دار کی آواز ہال میں گونج اٹھی۔

”سنا آپ نے۔۔۔ یہ صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟“ کنگ نے طنز

انداز میں کہا۔

”کیا یہ وہ لوگ ہیں۔۔۔ ان کے پاس ہیں پستول؟“

”ہائیں یا اگل ہیں۔“

”اگل نو پستول۔“

پولیس والے ان کی طرف بڑھے۔

”اس سے پہلے آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ لائسنس

دکائیں۔“ انسپکٹر جشیہ نے منہ بنایا۔

”ہائیں۔۔۔ تو کیا آپ کے پاس لائسنس ہیں۔“ تھانے دار اچھلا۔

”نہیں تو اور کیا؟“

”تب پھر ہمیں یہ اطلاع کیسے دے دی گئی کہ آپ لوگوں کے

پاس لائسنس نہیں ہیں۔“

”یہ ان کی خوش فہمی تھی۔۔۔ جسے آپ شوق سے غلط فہمی بھی کہ

تکتے ہیں۔“ فاروق مسکرایا۔

”میں سمجھا نہیں۔“

"انہوں نے اپنے طور پر یہ خیال کر لیا کہ ہمارے پاس لائسنس نہیں ہیں۔"

"اور آپ کے پاس ہیں؟"

"بالکل ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر دکھائیں۔"

انہوں نے لائسنس نکال کر ان کے آگے کر دیے۔ ان کے ہاتھ پر وہ زور سے چوٹ لگا۔ پھر اس کا رنگ اڑنے لگا۔ آخر وہ گنگا طرف مڑا۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟"

"میں نے کیا کیا۔ کیا کیا میں نے؟" گنگ نے حیران ہو کر کہا۔  
"آپ نے بلاوجہ کیسے یہ کہہ دیا تھا کہ ان کے پاس لائسنس کے لائسنس نہیں ہیں۔"

"بھئی ان سب کے سب نے ایک دم پستول نکال لیے تھے۔ ان حالات میں اور کیا کیا جا سکتا تھا کہ ان کے پاس لائسنس نہیں ہیں۔"

"آئندہ آپ اس طرح کے غلط اندازے نہ لگائیے گا۔ اب یہ ان لوگوں کو کیا جواب دوں؟" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"اگر ان کے پاس لائسنس ہیں۔ تو معافی مانگ لے۔ اور پھر پھرتے نظر آؤ۔ ان لوگوں سے میں خود نمٹ لوں گا۔"

"نہیں۔۔۔ آپ ان سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ بس اپنے کام سے کام رکھیں۔ یہی آپ کے حق میں بہتر ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے تھانے دار صاحب۔۔۔ آپ کی سٹی کیوں گم ہو گئی ہے۔۔۔ یہ کون لوگ ہیں۔"

"میں نے ان کے صرف نام پڑھے ہیں۔۔۔ یہ کون ہیں۔۔۔ کہاں رہتے ہیں۔۔۔ میں نہیں جانتا، تاہم ان کے نام مجھے پریشان بھی کر رہے ہیں۔ اور اگر یہ وہی ہیں۔۔۔ تب۔۔۔ وہ کہتے کہتے رک گیا۔"

"پتا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔۔۔ صاف صاف بات کریں۔"

"تو پھر سنئے۔ ان کے نام ہیں جمشید احمد، خان رحمان، پروفیسر داؤد، محمود، فاروق اور فرزاند۔"

"گنگ۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا مطلب؟" وہ چلائے۔

"دیکھا۔۔۔ میں نے ٹھیک کہا تھا نا۔۔۔ کہ ان کے نام مجھے پریشان کر رہے ہیں۔"

"مگر ہم جمشید احمد کے نام سے پہلے انسپکٹر کا لفظ لگا دیں۔۔۔ تو پھر یہ سو فیصد وہی لوگ بنتے ہیں۔" گنگ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ارے تو ان لوگوں سے ہی کیوں نہیں پوچھ لیتے۔" ہال میں سے کسی نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ بتائیے جناب۔۔۔ آپ لوگ کون ہیں؟"

"وہی۔۔۔ جو آپ سمجھے ہیں۔۔۔ میں انپکٹر جمشید ہوں۔"

"ارے باپ رے۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"اب بتائیں۔۔۔ یہ یہاں کیا گڑبڑ پھیل رہی ہے آپ لوگوں نے۔۔۔ یہ کنگ صاحب کون ہیں۔۔۔ قانون جن کے گھر کی لوٹری ہوا ہے۔۔۔ یعنی یہ جو چاہے کریں۔۔۔ کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں۔۔۔ کون ہیں یہ؟"

"یہ۔۔۔ یہ کنگ ہیں۔۔۔ ریاست شون کے والی۔"

"کیا۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ ریاست شون کے والی۔" انپکٹر جمشید بہت

زور سے اچھلے۔

"کیا ہوا آپ کو۔۔۔ اس قدر زور سے کیوں اچھلے ہیں آپ؟"

فاروق گھبرا گیا۔

"ایک منٹ۔۔۔ فاروق۔۔۔ ایک منٹ۔" انہوں نے پریشانی کے

عالم میں کہا۔۔۔ پھر اچانک ان کا ہاتھ سلوٹ کرنے کے انداز میں اٹھ

گیا۔۔۔ اب وہ کنگ کے سامنے اسٹیشن کی حالت میں کھڑے تھے۔

"ان سب کو میرے کمرے میں لے آؤ۔" کنگ نے سرد آواز

میں کہا۔

"پولیس نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔۔۔ اب سارا ہل

حیرت زدہ تھا۔۔۔ لیکن سارے ہال سے زیادہ حیرت محمود، فاروق، فرزانہ

خان رحمان اور پروین سرداؤ کو تھی۔

"جمشید۔۔۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اگر یہ شخص ریاست شون کا

والی ہے۔۔۔ تو ہمیں اس سے کیا۔۔۔ اسے ہمارے ملک کے قانون سے

نکالنے کی اجازت کیسے ہو گئی۔" خان رحمان نے جٹے کئے انداز میں کہا۔

"خاموش خان رحمان۔۔۔ تم نہیں جانتے۔" انپکٹر جمشید نے

گرونی آواز میں کہا۔

"کیا نہیں جانتے۔۔۔ تم کچھ بتاؤ بھی۔"

"بتانے کا وقت نہیں ہے۔۔۔ بس خاموش رہو۔"

"چلو۔" تھانے دار نے غرا کر کہا۔

وہ پولیس کے آگے آگے چلنے لگے۔۔۔ آخر دوسری منزل کے

ایک بڑے کمرے میں انہیں لایا گیا۔۔۔ یہاں کنگ ایک شاہانہ کرسی پر

بیٹا تھا۔۔۔ اب کمرے میں اس کے اور ان لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں رہ

گیا تھا۔۔۔ تھانے دار اور اس کے ماتحتوں کو کنگ کے باہر ہی ٹھہرنے کا

نکارہ کیا تھا۔

"دروازہ بند کرو انپکٹر جمشید۔"

"ہاں سر۔" انہوں نے فوراً کہا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

"تم لوگوں کو ابھی اور اسی وقت مجھ سے معافی مانگنا ہو گی۔۔۔

ورنہ تم جانتے ہو۔۔۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ تم لوگ میرا احسان منو۔۔۔

معافی منگوانے کے لیے بھی میں تمہیں یہاں لے آیا۔۔۔ اگر میں پورے

ہال کے سامنے تم سے معافی مانگنے کے لیے کہتا تو کیا تم نہ مانگتے انپکٹر

جشید۔ اس نے سرد آواز میں کہا۔

"کیوں نہ مانگتا سرور... ضرور مانگتا۔"

"تو پھر مانگو معافی... اور سنو۔ آئندہ اس قصبے میں نظر آنا معافی مانگنے کے قابل بھی نہیں رہنے دوں گا۔ کیا سمجھے؟"

"سمجھ گیا سر۔ وہ بولے۔

"اور معافی مانگی۔"

"میں اور میرے ساتھی۔" وہ کہنے لگے تھے کہ کنگ پول الفاظ۔

"یہ خود معافی مانگتے گے... تم صرف اپنی بات کرو۔"

"او کے سرور... میں معافی چاہتا ہوں... مجھ سے بہت بڑی

ہوئی... لیکن یہ بھول صرف اور صرف اس وجہ سے ہوئی کہ میں نے تم کو چاہتا نہیں تھا... پچھتا نہیں تھا۔"

"او کے... کوئی بات نہیں... اب یہی الفاظ باری باری تمہارے ساتھی کہیں گے۔"

"چلو بھی کہیں یہ الفاظ۔"

"جشید... خان رحمان نے کچھ کہنا چاہا۔"

"خان رحمان!!" انسپکٹر جشید نے سرد آواز میں کہا اور خان رحمان کو اپنی شی گم ہوتی محسوس ہوئی... اس لیے کہ انسپکٹر جشید لہجہ حد درجے خوفناک تھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں... مجھ سے بہت بھول ہوئی۔"

"پورے الفاظ... جو انسپکٹر جشید نے ادا کیے۔" کنگ نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا۔

"اور یہ بھول اس لیے ہوئی کہ میں آپ کو پہچانتا نہیں تھا... پچھتا تو ہرگز ایسا نہ ہوتا۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"انسپکٹر جشید سے چند الفاظ زیادہ کہ گئے... خیر کوئی بات نہ اٹھا۔"

انہوں نے باری باری یہ الفاظ ادا کیے... آخر کنگ نے کہا۔

"میں تم لوگوں کو صرف اور صرف پندرہ منٹ کی مہلت دیتا ہوں... سولہویں منٹ پر میرے آدمی قسمدار تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے... اور اگر تم قصبے کی حدود میں نظر آئے تو وہ فائرنگ کر دیں گے... اور تم جواب میں ان پر فائرنگ نہیں کر سکو گے... اس لیے کہ

وہ فائرنگ دردی والے ہوں گے۔"

"او کے سرور... وقت کم ہے... آؤ بھی۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئے... اپنے کمروں سے انہوں نے سلمان اور نیچے آ گئے... وہ دوڑتے ہوئے ہال سے جو نکلے لگے تو پورا قصبہ لگنے لگا... وہ پیسے پیسے ہو گئے... پھر جو نمی وہ باہر نکلے... دھواں گاڑی میں بیٹھے... ہوا ہو گئی... انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

"یہ.... یہ سب کیا تھا۔۔۔ ابا جان۔۔۔ کیا ہم نے کوئی بڑا  
خواب دیکھا ہے؟"

"نہیں.... لیکن پندرہ منٹ تک خاموش رہو۔" وہ بولے۔

انہوں نے ہونٹ بند کر لیے۔۔۔ ورنہ ان کا جی تو پھٹ چکا  
چاہ رہا تھا۔۔۔ اور پھر ٹھیک چودہ منٹ بعد وہ قہقہے سے باہر نکل گئے۔

تب کہیں جا کر انشپٹر جمشید نے گاڑی کی رفتار کم کی۔۔۔ رکے گاڑی  
میں۔

"اب تو روک لیں.... ہم باہر نکل آئے ہیں۔"

"ابھی نہیں۔۔۔ ہمیں کچھ اور دور چلے جانا چاہیے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے.... آخر یہ سب کیا ہے۔"

"ابھی نہ پوچھو۔"

"ہم نے آپ کو اس انداز میں زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔"

"میں نے بھی خود کو اس انداز میں پہلی بار دیکھا ہے۔"

مسکرائے۔

"جی۔۔۔ کیا مطلب.... یہ کیا بات ہوئی۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"بس کچھ نہ پوچھو۔" وہ بولے۔

"جی بہتر۔۔۔ اب ہم کچھ نہیں پوچھیں گے۔ آپ بتانا پسند کریں۔"

گے تو خود ہی بتائیں گے۔" فرزانہ نے جملے کئے انداز میں کہا۔

اور وہ ہنس پڑے۔۔۔ لیکن بولے پھر بھی کچھ نہیں۔

"بھئی کچھ تو وجہ ہوگی.... جو جمشید نے ایسا کیا ہے.... لہذا اسے  
پتہ نہ کہو۔" پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔

انشپٹر جمشید نے انہیں مسکرا کر دیکھا۔۔۔ پھر ایک دم گاڑی  
میں کے جھنڈ میں موڑ دی۔۔۔ لیکن ابھی وہ گاڑی سے اترے ہی

کہ ایک سرد آواز گونجی۔

"آسمان سے گرے۔۔۔ بھجور میں اٹکے۔"



## کیا ہو گیا ہے

تو بس اب قسم ہو جائیں گی۔" خان رحمان نے کہا۔  
 "ایسے موقعوں پر میں کمان تمہیں سوپ دیا کرتا ہوں۔" وہ  
 مسکرائے۔

"خدا کا شکر ہے جیش۔ تم ان حالات میں بھی مسکرا سکتے  
 ہو۔ جب کہ تم نے ہمارے پیروں تلے سے زمین نکال دی ہے۔"

"لیکن پروفیسر صاحب۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"  
 "ہاں! یہ ہم جانتے ہیں۔ تم بلاوجہ ہمیں کبھی بھی خوف زدہ  
 نہیں کر سکتے۔"

"ابھی آپ نے خطرات کا اندازہ لگایا ہی نہیں۔" وہ ہنسے۔  
 "کیا مطلب۔۔۔ کیا اس سے بھی بڑے خطرات منہ کھولے  
 گئے ہیں۔"

"آپ سوچ ہی نہیں سکتے کہ ہم کس دلدل میں پھنس گئے  
 ہیں۔ تم کچھ بتاؤ گے تو سوچ سکیں گے نا۔" خان رحمان نے جھلکار

"اب گولیوں کا سامنا کروں یا تمہیں بتاؤں۔۔۔ خود سوچو۔"  
 اچانک بالکل اوپر سے گولیاں برسنے لگیں۔ اس وقت انہیں  
 "اس طرح ہم کب تک مقابلہ کریں گے جیش۔ ہمارے

انہوں نے پیچھے لوٹ لگانے میں ذرا بھی دیر کی ہوتی تو پورا جنگل گولیوں سے گونجنے  
 لگتا۔ اور پھر تو پورا جنگل گولیوں سے گونجنے  
 انہیں ہر طرف سے گولیاں اپنی طرف آتی نظر آ رہی تھیں۔  
 "اللہ اپنا رحم فرمائے۔ یہ اس قدر گولیاں کہاں سے آ رہی ہیں۔  
 "یہ کنگ کے آدمی ہیں۔۔۔ کنگ اب ہمیں زندہ نہیں  
 چاہتا۔"

"آخر کیوں۔۔۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔"  
 "اب پھر کچھ بتانے کا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔"  
 یہ کہ انہوں نے اپنا پتلا نکال لیا۔۔۔ اور جوانی نازک کر دی۔  
 کر دی۔۔۔ انہوں نے بھی یہ کیا۔۔۔ اب دو طرفہ نازک ہوئے۔  
 لیکن ان کی طرف سے۔۔۔ ایک وقت میں آٹھ دس گولیاں پتوں پر  
 نکل رہی تھیں۔۔۔ جب کہ دوسری طرف سے سینکڑوں گولیاں  
 تھیں۔

"اس طرح ہم کب تک مقابلہ کریں گے جیش۔ ہمارے



نہیں تھا۔ نتیجہ یہ کہ جب وہ تھرتے ہوئے جمیل کے کنارے پہنچے۔  
سبے ثار رانظیں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"بہت خوب! اب کہاں جاؤ گے بھاگ کر۔"

"بس بھاگ چکے۔ اور ہمت نہیں بھاگنے کی۔"

"غضب۔ بہت خوب! ہاتھ اوپر اٹھا دو۔۔۔ جو ہاتھ اٹھائے گا۔"

اور آگے آگے چلے گا۔ اسے گولی نہیں ماری جائے گی۔"

"اب کیا کریں ابا جان۔ ہاتھ اٹھائیں۔ واپس جمیل میں

چھلکتی لگائیں۔" فاروق نے تھلمائے ہوئے انداز میں کہا۔

انسپکٹر جمشید کی طرف سے انہیں کوئی جواب نہ ملا تو انہوں نے

حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر بہت زور سے اچھٹے۔

"بائیں۔۔۔ ابا جان تو ہم میں نہیں ہیں۔۔۔ ابا جان۔۔۔ آپ کہاں

ہیں؟" محمود نے بلند آواز میں بولا۔۔۔ پھر ان کے رنگ اڑ گئے۔ کیونکہ

ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

"ابا جان۔۔۔ آپ کہاں ہیں۔" فرزانہ چلائی۔

"کیوں ایکنگ کر رہے ہو۔۔۔ وہ پانی میں ہی کیس ہوں گے۔

باک باہر نکال کر سافس لے لیتے ہوں گے۔ اور پھر سر پانی کے نیچے کر

لیتے ہوں گے۔ لیکن ظاہر ہے ایسا وہ کب تک کریں گے۔ آخر

انہیں کنارے پر آنا ہو گا۔ ہم اپنے کپڑے کیلے نہیں کریں گے۔ وہ

خود ہی آئیں گے۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ اس لئے کہ کنگ

"مارے گئے۔ ہمارے پاس گولیاں ختم ہونے کے  
ہیں۔۔۔ اور یہ لوگ اب اوپر چڑھ گئے ہیں۔۔۔ گویا ہمیں دیکھ لیں گے  
خان رحمان نے کہا۔

"خان رحمان۔۔۔ اپنی فوج کے حوصلے بلند رکھنا تمہاری

داری ہے۔۔۔ نہ کہ حوصلے ختم کرنا۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"اوہ ہاں! میں معافی چاہتا ہوں۔"

"آہ۔۔۔ ابا جان۔۔۔ اس طرف۔۔۔ ایک جمیل ہے۔۔۔ کافی

میں۔۔۔ اور درختوں کا سلسلہ یہاں ختم ہو رہا ہے۔ اگر ہم چھلکتی

دیں تو گولیوں کی بوچھاڑ سے ساف بیچ جائیں گے۔"

"ارے تو پھر لگا دو۔۔۔ دیکھا جائے گا۔" خان رحمان نے کہا۔

انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔۔۔ چھلکتی لگا دیں۔۔۔ وہ چھلکتی

پانی میں گرے۔

"ارے۔۔۔ وہ پانی میں کود گئے۔۔۔ دوڑو۔۔۔ اگر ہم ان کی لاش

پیش نہ کر سکیں۔۔۔ تو کنگ کو ان کی موت کا یقین نہیں دلا سکیں گے

یا پھر زندہ انہیں ان کے سامنے پیش کرنا ہے۔"

سبے شمار دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور پھر

کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔۔۔ اور وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے

یہ لوگ اس قدر جلد جمیل تک پہنچ جائیں گے۔۔۔ گویا وہ جنگل کے

چپے سے واقف تھے۔۔۔ جب کہ انہیں اس کے بارے میں کچھ

کھڑے رہے۔۔۔ یہاں تک کہ کھڑے کھڑے بالکل تھک گئے۔

"ایا تم بیٹھ سکتے ہیں؟"

"ہاں ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ تم لوگ بھی اگر تھکن محسوس کر رہے تو بیٹھ سکتے ہو۔" ان کے سردار نے کہا۔

"شکریہ سردار۔"

وہ سب بیٹھ گئے۔۔۔ سردار بھی بیٹھ گیا۔۔۔ لیکن رانفلین بدستور کھڑے رہے۔۔۔ آخر شام کے وقت اس کے باقی ساتھیوں کی واپس ہوئی۔۔۔ ان کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔

"تو۔۔۔ تو کیا۔۔۔ انپکڑ جیشید نہیں ملے؟" سردار نے کانپ کر

"جی نہیں ملے۔" ایک نے مرہ آواز میں کہا۔

"اب ہم کنگ کا سامنا کس طرح کریں گے؟"

"ہم نے ان کے تمام ساتھی تو گرفتار کیے ہیں۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ وہ ہمیں کچھ نہیں کہے گا۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"تم کنگ کو نہیں جانتے۔۔۔ کنگ وہ ہے جس سے انپکڑ جیشید کا بچنے میں۔"

"ہاں۔۔۔ یہ تو ہے۔۔۔ پھر اب کیا کرنا ہے۔"

"ان لوگوں کو آزاد کر دو۔۔۔ تم لوگ بھی آزاد ہو اور میں بھی۔۔۔ ان لوگوں کو کنگ کے ہاتھ ہت لے دیں۔۔۔ وہ ہمیں تلاش کرانے

کے سامنے تم لوگوں کو رات کے پارہ بچے چس کرنا ہے۔۔۔ اور اگر دوپہر کا وقت ہے۔۔۔ سورج سر پہ چمک رہا ہے۔"

"ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔" فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

وہ ان کے نظنے کا انتظار کرتے رہے۔۔۔ ایک گھنٹا گزر گیا۔ لیکن وہ نظر نہ آئے۔

"میرا خیال ہے۔۔۔ وہ پانی میں نہیں ہیں۔۔۔ نکل گئے۔۔۔ جنگل میں انہیں تلاش کرو۔۔۔ میں چند ساتھیوں کے ساتھ یہاں رہوں گا۔" ان کے سردار نے کہا۔

"اوکے سر۔"

اور پھر وہ ادھر ادھر دوڑنے لگے۔۔۔ ان کے قدموں کی آواز سے جنگل گونجنے لگا۔۔۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔۔۔ اور وہ دعائیں کر رہے تھے کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھ نہ لگیں۔۔۔ ان کی فکر میں کچھ نہیں آیا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔۔۔ عجیب معاملہ تھا۔۔۔ انہیں اپنی سٹیاں گم ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

ادھر ان کے سامنے دس رانفلین تھیں۔۔۔ وہ چاہتے تھے ان لوگوں کے خلاف حرکت میں آ سکتے تھے۔ لیکن وہ سوچ رہے تھے۔۔۔ پتا نہیں ان کے والد کا کیا پروگرام ہے۔۔۔ کہیں ان کی کسی قدر حرکت سے ان کا پروگرام کھٹائی میں نہ پڑ جائے۔۔۔ لہذا وہ جوں کے توں

کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔"

"لیکن ہم ایسا کیوں کریں؟" ایک نے کہا۔

"کیا مطلب.... کیا کیوں کریں؟"

"فرار کیوں ہوں.... کنگ کے سامنے حاضر ہو کر سب

دیتے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیں سزا دے گا؟"

"ہاں! یہ ضروری ہے۔" سردار نے بھنا کر کہا۔

"لیکن ایک ترکیب ایسی ہے کہ وہ ہمیں سزا نہیں دے

وہی بولا۔

"کیا مطلب.... کیسی ترکیب؟"

سردار کا وہ ساتھی ترکیب بتانے کے بجائے اچانک سردار

سامنے آگیا.... اور اپنی رانقل اس کی طرف تان دی۔

"یہ.... یہ تم کیا کر رہے ہو.... پاگل ہو گئے ہو کیا؟"

"ہم سب کیوں زندگی بھر بھاگتے پھرے.... کنگ کے لئے

کام کیوں نہ کرتے رہیں۔ صرف تمہیں ہلاک کر کے۔"

"کیا مطلب؟" وہ بہت زور سے اچھلا۔

"نہیں سمجھے۔" وہ ہنسا۔

"نہیں.... تم ضرور پاگل ہو گئے ہو.... رانقل ہٹا لو۔" وہ دہرایا۔

کنگ سے تمہاری شکایت کروں گا۔"

"تم تو کنگ کے پاس جانا ہی نہیں چاہتے۔ شکایت ہے

گے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"آخر تم کیا کرنا چاہتے ہو۔" ایک اور ساتھی بولا۔

"اسے مار ڈالو۔ ہم کنگ کے سامنے باقی لوگوں کو پیش کر دیں

گے کہ وہ اس کے سردار انسپکٹر جمشید کے پیچھے گیا ہے.... ہمیں اس

سے ہدایت دی تھی کہ ان لوگوں کو تو کم از کم آپ کی خدمت میں پیش

کر دیا جائے.... انسپکٹر جمشید کو وہ لے آئے گا۔"

"بہت خوب! اس ترکیب سے تو واقعی ہم سب لوگ ساری

حکومت بھاگنے سے بال بال بچیں گے۔" ایک اور بولا۔

"تب پھر بنا ڈالو اسے نشانہ.... اس نے تو ہمیں تمام زندگی

بٹانے کا پروگرام بنا لیا ہے.... ہم کب تک کنگ سے چھپتے پھرے

کنگ۔ آخر ایک دن اس کے آدمی ہم تک پہنچ جائیں گے.... اور ہمیں

ہم سب کیوں زندہ کر دیں گے۔"

"کیوں ساتھ.... یہ پروگرام سب کو منظور ہے۔"

"منظور ہے۔"

اور پھر کئی رانقلیں اس کی طرف تن گئیں۔ مارے خوف کے

دہرایا۔

"نہیں.... ایسا نہ کرو۔ میں تمہارا سردار ہوں۔"

"لیکن تمہاری وجہ سے ہم زندگی بھر بھاگتے پھرے گے.... کنگ

کے نام آدمی ہمیں پھر بھی نہیں چھو دیں گے.... تلاش کرنے کے بعد

ی دم لیں گے۔“

”اوہو تو اس کا یہی طریقہ تو تھیں۔۔۔ کوئی اور ترکیب سزا  
سکتی ہے۔“

”او کے سردار۔۔۔ کوئی اور ترکیب تم بتا دو۔۔۔ اگر ترکیب  
مہنگی تو ہم اس پر عمل کریں گے، ہمیں کوئی تم سے خد نہیں ہے  
دشمنی نہیں ہے۔“

”ہاں! میں جانتا ہوں۔۔۔ اچھا تم مجھے مہلت دو۔“ سردار  
”مہلت دی۔۔۔ لیکن صرف پانچ منٹ کی۔“ ایک نے فریاد  
کھا۔

”یہ بھانا بنا رہا ہے۔۔۔ یہ کیا جانے ترکیبیں بٹاتا۔“ دی  
بول۔

”جانیو۔۔۔ بست بیوہ کر باتیں بنا رہے ہو۔۔۔ اپنے انہام  
ڈرو۔“ سردار غرایا۔

”اس وقت تو انہام سے تم ڈرو۔“ جانیو بٹا۔  
”تم کیا کہنا چاہتے ہو جانیو؟“ ایک اور ساتھی بولا۔

”یہ فرار ہونے کے لئے پر تول رہا ہے۔۔۔ اور اگر یہ فرار  
اور کنگ تک پہنچ گیا تو تم سب مارے جاؤ گے۔“

”اوہ ہاں واقعی! یہ تو ہے۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ ہم سردار کو  
کر دیتے ہیں۔۔۔ نہ رہے گا پانسری نہ بچے گا پانس۔“ ایک اور بولا۔

فاروق نے اسے چونک کر دیکھا۔ اس نے بھی فاروق کو چونکتے  
دیکھ لیا۔ لہذا بولا۔

”کیا بات ہے۔۔۔ تم اس قدر زور سے کیوں چونکے؟“  
اس لئے کہ اس وقت اس سے کم زور سے چونکتے کا موقع نہیں  
تھا۔ اور میں ہر کام موقع محل دیکھ کر کرتا ہوں۔“

”میں نے پوچھا ہے۔۔۔ چونکے کیوں؟“  
”آپ کا جملہ سن کر۔۔۔ ایسے جملے عام طور پر میں بولتا ہوں۔۔۔  
آپ نے کہا ہے۔۔۔ نہ رہے گی پانسری۔۔۔ نہ بچے گا پانس۔“

”ارے! میں نے یہ کہا ہے؟“  
”میں اس وقت سردار نے تیشب میں چھلانگ لگا دی۔  
”فائر۔“ محمود دھاڑا۔

سب نے اس پر فائرنگ کر دی۔۔۔ اور اس کی چیخ گونج اٹھی۔۔۔  
اور اس کا نظریہ تیا۔۔۔ سب اس کے پیچھے دوڑے۔۔۔ لیکن نزدیک پہنچ کر پتا  
چلا۔ اب وہ اس کے پیچھے نہیں دوڑ سکتے تھے۔ کیونکہ گولیوں نے  
اس کا جسم چھلنی کر دیا تھا۔

”یہ تو کیا کام ہے۔“ فاروق نے افسوس زدہ انداز میں کہا۔  
”پلو چھٹی ہوئی۔۔۔ لیکن اب اس کی لاش کا کیا کریں۔۔۔ جمیل  
میں وال دیں۔“

”لاش پانی پر تھرنے لگے گی۔“ فاروق نے منہ پٹایا۔

"تب پھر... کیا کریں؟"

"ارے! ہم کوئی تمہارے ساتھی ہیں... بلاوجہ ہم سے تریبیہ پوچھے چلے جا رہے ہیں۔" فاروق نے جملے کئے انداز میں کہا۔

"حد ہو گئی... یعنی کہ۔" ایک نے جھٹکا کر کہا۔

"دفن کر دو۔ قصہ ختم۔" خان رحمان بول اٹھے۔

"اوہ ہاں... لیکن اس وقت گڑھا کھودنے کا سامان کہاں سے

لائیں۔"

"تب پھر اس کے ساتھ کوئی پتھر باندھ کر جمیل میں ڈال دو۔"

اس طرح یہ بے چارہ کم از کم پھیلیوں کے کام تو آجی جائے گا۔

لاش کو جمیل کے سپرد کر دیا گیا۔ اور اسی وقت محمود نے اپنے

ساتھیوں کی طرف دیکھا اور حیرت زدہ انداز میں بولا۔

"یہ... آج... ہمیں ہو کیا گیا ہے؟"



## وجہ کی وجہ

انہوں نے حیران ہو کر محمود کی طرف دیکھا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو بھئی؟"

"جس وقت وہ سب لوگ فائرنگ کرنے کے بعد سردار کی طرف

ہٹ پڑے تھے۔ اس وقت یہ ہمیں تو بالکل بھول گئے تھے۔ اس

وقت ہمارا اوہر اوہر نکل جانا بے حد آسان کام تھا۔ لیکن ہم نے

جنگ کی کوشش نہیں کی۔ آخر کیوں؟"

"شاید اس لئے کہ اب ہم کنگ سے براہ راست ملاقات کر کے

ہو جانا چاہتے ہیں۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ اباجان کیوں اس سے اس

قدر خوف زدہ ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ضرور ہم سب کے ذہنوں میں یہ بات جڑ پکڑ گئی ہے۔ ورنہ

اس وقت بھاگ جانا بہت آسان تھا۔"

"خام خیالی ہے۔ تم لوگوں کی۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"خام خیالی... وہ کیسے؟" فاروق کے لیے میں حیرت تھی۔

"ایسے کہ اس جنگ سے بھاگ کر تم کیسے نہیں جا سکتے۔"

جائے۔ ہمیں اب بھی اجازت ہے۔۔۔ نکل کر دکھا دو اس جنگل سے  
دوسرا بولا۔

”اگر ہمارا ٹکٹا ممکن نہیں تھا۔۔۔ تو تم لوگ ہمیں  
کیوں کر رہے تھے۔۔۔ ہمیں پکڑنے کے لئے کیوں آئے تھے۔“

”نگ کے پاس لے جانے کے لئے۔۔۔ ورنہ تم جنگل سے  
نکل سکتے۔“

”آخر کیوں نہیں نکل سکتے۔۔۔ وضاحت بھی تو کرو نا۔“  
تمہارا کہا۔

”اس لئے کہ درختوں پر بھی ہمارے آدمی ہیں اور ہر وقت  
رہتے ہیں۔۔۔ بس ان کی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے۔۔۔ کھو تو فاز کروا کے  
دوں۔“

”ہاں! ہم واقعی دیکھنا چاہتے ہیں۔“

ایک نے منہ سے ایک آواز نکالی۔۔۔ جواب میں ایک فاز ہوا۔  
”یہ فاز کس کا نشانہ لے کر کیا گیا؟“ فرزانہ نے فوراً پوچھا۔  
”ہوائی فاز تھا۔ منہ سے آواز ہوائی فاز کے لئے نکلتی  
تھی۔“ اس نے بتایا۔

”بہت خوب! تعین آ گیا۔ کہ درختوں پر بھی تم لوگوں نے  
ساتھی موجود ہیں۔۔۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم جنگل سے  
نکل نہیں سکتے۔“

”میں نے کہا تو ہے۔۔۔ نکل کر دکھا دو۔“

”اور اگر اس طرح تم نگ کے سامنے پیش نہ کر سکتے تو؟“

”جب ہم سب مارے جائیں گے۔“

”ہم تم سب کی موت نہیں چاہتے۔۔۔ بلاوجہ تم لوگ مارے  
جاؤ۔ یہ ہمیں پسند نہیں۔“ محمود نے منہ ہٹایا۔

”کیا کہ رہے ہو۔۔۔ ہم تو تمہارے دشمن ہیں۔۔۔ اور نگ تک  
میں لے جا رہے ہیں۔۔۔ جانتے ہو نگ۔۔۔ تم سے کیا سلوک کرے

”وہی سلوک کرتے گا۔۔۔ جو ایک نگ دوسرے نگ سے کرتا  
ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”تم نگ کب سے ہو گئے۔“ ایک نے جل کر کہا۔

”اگر ہم نگ نہیں ہیں تو نگ کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی ہمیں  
پکڑنے کے۔۔۔ ضرور ہماری وجہ سے اسے اپنی ریاست چھین جانے کا  
الزام تھا۔ لہذا اس نے ہمارے پیچھے اپنے آدمی دوڑا دیے۔“

”خیر خیر۔ تم نہیں جانتے۔ وہ تم سے کیا سلوک کرے گا۔“  
”ارے تو بتا دو نا۔“

”نصف دھڑ تک تم لوگوں کو زمین میں دفن کرائے گا۔ تم  
لوگوں کے نصف دھڑ زمین سے اوپر رہیں گے۔“

”بھئی دام۔ وہ سین تو دیکھنے والا ہو گا۔“ فاروق چکا۔



"ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد یہ ساتھ ختم ہو جائے گا۔"۔  
جانو۔ کنگ جانے۔

"ارے مگر... وہ نقاب تو ڈالے رکھتے ہی نہیں۔"۔ ایک ہنسا۔  
"آپ غلط سمجھے... مطلب یہ تھا کہ ہم یہ جان کر رہیں گے۔"  
آخر کیا ہے۔

"رہیں گے کیوں نہیں۔۔۔ لیکن تم لوگوں سے اس طرح عمل کر بات چیت نہیں کر سکیں گے۔ کنگ کو یہ بات سخت پیچیدہ ہے۔  
کہ اس کے آدمی اس کے دشمنوں سے مکمل مل جائیں۔"  
تب پھر۔۔۔ تم اس وقت اپنے کنگ کے حکم کی خلاف ورزی  
کیوں کر رہے ہو۔

"اسے اس بات کا پتا نہیں چلے گا۔۔۔ یوں بھی ہم نے تم سے  
گھٹنے ملنے کی کوشش ہرگز نہیں کی۔۔۔ وہ تو سردار والا واقعہ تھا  
گیا۔۔۔ ورنہ ہم تو تم لوگوں کو سیدھے پاس کے پاس پہنچا دیتے۔"  
"ہوں! اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ ارے تم نے بتایا نہیں۔ آخر کنگ  
کیا چیز ہے؟"

"آج تک کوئی نہیں جان سکا۔ کہ کنگ کیا چیز ہے۔"  
"اوہ! تب پھر شاید ہم اس پکر میں اسی لئے پڑے ہیں۔"۔  
چونکا۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"  
"یہ کہ اب کنگ کے چہرے سے نقاب اٹا جانے کا وقت آگیا  
"کیا مطلب۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ کہاں سے آنے

"ارے مگر... وہ نقاب تو ڈالے رکھتے ہی نہیں۔"۔ ایک ہنسا۔  
"آپ غلط سمجھے... مطلب یہ تھا کہ ہم یہ جان کر رہیں گے۔"  
آخر کیا ہے۔

"تم لوگوں کے پاس اب وقت کہاں رہ گیا ہے۔"۔ ایک نے ہنس  
"کیا کہا۔۔۔ وقت نہیں رہ گیا۔"

"ہاں! بالکل نہیں رہ گیا۔۔۔ ادھر ہم تم لوگوں کو کنگ تک لے  
گئے۔ ادھر وہ تم لوگوں کو شوٹ کرنے کا حکم دے دے گا۔۔۔ اور  
تب تک تم لوگوں کی لاشوں کو دیکھ کر اپنا اطمینان نہیں کرے گا۔  
اس وقت تک لاشوں کو ٹھکانے نہیں لگانے دے گا۔"  
"کوئی بات نہیں۔۔۔ اگر ہمارا وقت آگیا ہے تو ہم کیا کر سکتے  
ہیں۔"۔ محمود نے فوراً کہا۔

یہ قافلہ درختوں کے درمیان چلتا رہا۔۔۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے  
تک گئے۔ خاص طور پر پروفیسر داؤد کا برا حال ہو گیا۔  
"آخر ہمیں کب تک چلنا ہو گا۔"۔ انہوں نے جھٹاکر کہا۔  
"اوہ بس۔۔۔ گاڑیاں آنے ہی والی ہیں۔"۔ ان میں سے ایک نے

"کیا مطلب۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ کہاں سے آنے  
"کیا مطلب۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ کہاں سے آنے



والی ہیں۔“

”میرا مطلب ہے.... ہم گاڑیوں تک پہنچنے ہی والے ہیں۔“ اونچے ہی اونچے ہوتے چلے گئے.... ہر بار انہیں یوں لگتا جیسے اب گاڑی کی کھائی میں گری کہ اب گری.... دونوں طرف سینکڑوں فٹ گہری ”اصل سفر ہی اب شروع ہوا ہے.... تم لوگوں کو لگتا ہے کہ یہ خوفناک سفر ختم ہوا.... اور گاڑیاں ایک محل نما عمارت ریاست میں طلب کیا ہے۔ نہ کہ شادون آباد میں۔“

”اوہ اچھا.... اور شادون آباد سے ریاست کتنے فاصلے پر ہے؟“

”چار گھنٹے کا سفر ہے۔“

”مارے گئے پھر تو؟“ محمود نے بوکھلا کر کہا۔

”کیوں.... چار گھنٹے کا سفر اتنا مشکل مسئلہ تو نہیں ہوتا۔“

”ہم سفر سے بہت گھبراتے ہیں وہ بھی گاڑیوں کے سفر سے۔“

”آپ لوگ اس کی شان و شوکت صاف نظر آتی تھی.... دامن میں اور بے شمار عمارت کھڑی تھیں.... یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی شہر ہو انہیں گاڑیوں کے اندر لایا گیا.... پھر محل کے اندر بھی پختہ سڑک

”ہم سفر سے بہت گھبراتے ہیں وہ بھی گاڑیوں کے سفر سے۔“

”ایک کمرے میں لایا گیا۔ اس وقت ان میں سے ایک نے کہا۔

”ریاست میں ایئرپورٹ ہے.... لیکن.... اس جنگ

”ایئرپورٹ کہاں سے لائیں۔“

”چلے خیر۔ کوئی بات نہیں۔“

”پھر ان کا سفر گاڑیوں پر شروع ہوا.... اس کا پس

”کھانا ملے گا.... گھبرائے کی ضرورت نہیں۔“ ایک نے ہنس کر

”مگر اویے۔“

”کمرے کا دروازہ بند کر کے چلے گئے۔“

”بھئی محمود۔ فاروق۔ ہم تو شارون آیاؤ کی سیر کا پروگرام اپنی طرح یاد آئے۔

کمر سے نکلے تھے۔ اور پھنس گئے کہاں۔۔۔ وہ ہوٹل اور ہوٹل۔۔۔ اس دوران انہیں کوئی لینے نہ آیا۔ یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے پیش آنے والے واقعات مجھے خواب نظر آتے ہیں۔۔۔ آخر وہ سب کے بعد سو گئے۔۔۔ دوسرے دن صبح سویرے اٹھے۔۔۔ نماز ادا کی اور تھا۔ ہم جوئی ہال میں داخل ہوئے تو۔۔۔ کنگ بھی آگیا تھا۔۔۔ لوہے کا انتظار کرنے لگے۔۔۔ ناشتا بھی بد مزہ ہی تھا۔۔۔ ابھی وہ اچھی طرح کنگ اس ہوٹل کے ہال پر جیسے چھا گیا۔۔۔ سب سے عجیب مایہ جھڑپ نہیں ہوئے تھے کہ ہماری قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور وہی کا تھا۔ ہم نے تو آج تک انہیں کسی سے بھی اس قدر خوف کھانے والے لوگ انہیں نظر آئے۔

”نہیں دیکھا تھا۔۔۔ پھر آخر کنگ میں ایسی کیا بات تھی۔۔۔ اسے دیکھو

ہمیں تک خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔“

”ان کا خوف میری سمجھ میں نہیں آیا۔“ فرزانہ بولی۔

”تو میری کب سمجھ میں آیا ہے۔“ محمود بولا۔

”ان کا خوف تو خرکسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔

وقت وہ ہمارے ساتھ ہیں بھی نہیں۔۔۔ نہ ہی ہمیں کنگ کے بارے

کچھ معلوم ہے۔۔۔ اب ہم کریں تو کیا؟“

”صبر۔۔۔ شکر۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”وہ تو کر رہے ہیں۔۔۔ فکر نہ کرو۔“ محمود نے اسے گھورا۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور کھانے کی گئی رہے

سرکا دی گئیں۔۔۔ سرکانے والے اندر نہیں آئے تھے۔ انہوں نے کمرے

شروع کیا۔۔۔ بہت بد مزہ تھا۔۔۔ برے برے منہ بناتے وہ کھاتے رہے یہ صورت میں اگر تم نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تو وہ تمہارے لئے

کر بھی کیا سکتے تھے۔ ایسے میں انہیں بیکم جیشید کے ہاتھ کے لئے کھانے کا حکم دے سکتا ہے۔“

”نہیں دیکھا تھا۔۔۔ پھر آخر کنگ میں ایسی کیا بات تھی۔۔۔ اسے دیکھو

ہمیں تک خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔“

”ان کا خوف میری سمجھ میں نہیں آیا۔“ فرزانہ بولی۔

”تو میری کب سمجھ میں آیا ہے۔“ محمود بولا۔

”ان کا خوف تو خرکسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔

وقت وہ ہمارے ساتھ ہیں بھی نہیں۔۔۔ نہ ہی ہمیں کنگ کے بارے

کچھ معلوم ہے۔۔۔ اب ہم کریں تو کیا؟“

”صبر۔۔۔ شکر۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”وہ تو کر رہے ہیں۔۔۔ فکر نہ کرو۔“ محمود نے اسے گھورا۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور کھانے کی گئی رہے

سرکا دی گئیں۔۔۔ سرکانے والے اندر نہیں آئے تھے۔ انہوں نے کمرے

شروع کیا۔۔۔ بہت بد مزہ تھا۔۔۔ برے برے منہ بناتے وہ کھاتے رہے یہ صورت میں اگر تم نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تو وہ تمہارے لئے

کر بھی کیا سکتے تھے۔ ایسے میں انہیں بیکم جیشید کے ہاتھ کے لئے کھانے کا حکم دے سکتا ہے۔“

"اب ہم صرف کھانے کے لئے تو اس کی ہاں میں ہاں ملے۔ ایک اور بولا۔  
 "ہم۔" محمود نے برا سامہ بنایا۔

"وہ تمہاری مرضی۔"

وہ انہیں لے کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ انہیں پانچ منٹ  
 پہلے سڑک پر چلنا پڑا۔ تب کہیں وہ محل کے اندرونی حصے میں آئے  
 "دیکھو۔۔۔ میری ایک بات سن لو۔۔۔ کنگ جو کہے۔۔۔ اس  
 انکار نہ کرنا۔" ایسے میں ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ جو تجویز پیش کرے۔۔۔ انکار نہ کرنا۔ اس  
 تم لوگوں کا بھلا ہے۔"

"اگر وہ کوئی غلط سراسر غلط بات کہے گا تو کیا ہم اس کو بھی  
 لیں گے۔"

"ہاں! بس مان لیتا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔"

"جیسے تم لوگوں کی مرضی۔۔۔ اس صورت میں وہ فوراً تم  
 کی موت کا حکم سنادے گا۔"

"موت اپنے وقت پر آکر رہے گی۔"

"تم لوگوں کو سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔" اس نے ہل کر کہا  
 "ارے تو تم کیوں اپنا دماغ خراب کر رہے ہو۔۔۔ مرنے

"تم نہیں جانتے جانیو۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"کیا نہیں جانتا میں۔" جانیو نے کہا۔

"یہ کہ۔۔۔ ان لوگوں پر کیا وقت آنے والا ہے۔"

"ہمیں تو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ کنگ کو ہم سے دشمنی  
 کیا ہے۔ یا ہمیں کنگ سے کیا دشمنی ہے۔"

"یہ بات تو شاید انیسویں جہید بتا سکتے ہیں۔"  
 "یا پھر کنگ۔"

"آؤ چلیں۔۔۔ اب دیر کرنا مناسب نہیں۔"

وہ ایک بڑے دروازے کے سامنے رک گئے۔

انہوں نے دیکھا۔۔۔ دروازہ پر اپنی لکڑی کا تھا۔ اس پر نقش و  
 کار بنے تھے۔۔۔ اور سنہری تار سے بھی کام کیا گیا تھا۔

دروازے پر چار آدمی تنگی تلواریں لئے کھڑے تھے۔

یوں لگتا ہے کہ ہم پر اپنی جنوں پریوں والی کمائی کے کرداروں کو  
 دیکھ رہے ہیں۔" قاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"کیوں۔۔۔ ایسا کیوں کہا تم نے؟"

"تو اور کیا۔۔۔ ان جلاوطن کو دروازے پر دیکھ کر کسی دیو کے قلعے  
 کا گمان نہیں ہو تا کیا۔" قاروق نے فوراً جواب دیا۔

"کنگ کو اطلاع کر دیں۔۔۔ یہ لوگ آگئے ہیں۔" ایک بولا۔

”انہوں نے خود ہی پیغام بھیجا تھا کہ یہ لوگ آئیں تو اندر دیں۔ لہذا انہیں اندر لے جاسکتے ہیں۔“

یہ کہہ کر ان چاروں نے مل کر ایک ایک ہاتھ سے پرانے لگایا۔ تب کہیں جا کر دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ ساتھ ہی وہ بری طرح اچھلے۔



ان کے سامنے ایک بڑا صحن تھا۔ صحن کے پتھروں پر ایک تالاب تھا۔ اس تالاب کے اوپر لوہے کا پائپ تھا۔ اس پائپ میں زنجیروں لٹکائی گئی تھیں۔ اس وقت ان زنجیروں سے ایک انسان کی لاش بندھی تھی۔ اس کے دماغ میں ایک سوراخ تھا۔ اس سوراخ سے خون نکل نکل کر اس تالاب میں جمع ہو رہا تھا۔

”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا؟“ فاروق نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔  
 ”ہمیں خود معلوم نہیں۔۔۔ صرف اتنا اندازہ ہو گیا ہے کہ تھوڑی دیر پہلے ہی اس شخص کو موت کی سزا سنائی گئی ہے۔ کیوں سنائی گئی ہے۔۔۔ یہ ہمیں کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔۔۔ ہم تو تمہارے ساتھ اندر آئے ہیں۔ ہاں ہم اس کا نام ضرور جانتے ہیں۔ یہ نوری ہے۔۔۔ نوری۔“

”نوری!“ ان کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! بچپن میں نور خان رہا ہو گا۔۔۔ نور خان یا کچھ اور۔۔۔ نور سے یہ نوری بن گیا ہو گا۔۔۔ بہر حال یہ ہم میں سے ایک تھا۔۔۔ یعنی کنگ

کے لئے کام کرنے والوں میں سے ایک۔۔۔ ان دونوں اس کی ڈیوٹی اور عمل کی پچھلی دیوار کی طرف تھی۔۔۔ ضرور کوئی خاص واقعہ رونما ہوا ہے۔۔۔ اندر چل کر شاید کچھ اندازہ ہو سکے گا۔۔۔ خدا کرے کنگ کو زیادہ خراب نہ ہو۔۔۔ ورنہ تم لوگوں کے ساتھ ہم لوگوں کی بھی شامت آ سکتی ہے۔ اور یہ شامت خاص طور پر اس لئے بھی آئے گی کہ سردار ہمارے ساتھ نہیں ہے اور الپکڑ جیشہ ابھی تک پکڑے نہیں سکے۔“

”تو کیا ابھی کنگ کو کچھ معلوم نہیں کہ کل کیا ہوا ہے؟“ عمر نے چونک کر کہا۔

”نہیں۔۔۔ اس نے کہ ابھی ہماری پیشی کا حکم ہوا ہے۔۔۔ کل نے اپنی آمد کی اطلاع انہیں بھیجی تھی۔“

”ادہ اچھا۔۔۔ لیکن اب تم لوگوں کو خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ سردار کا نام لے کر تم صاف بیچ جاؤ گے۔“

”کچھ نہیں کہا جا سکا کنگ کے بارے میں کوئی بات یقیناً نہیں کہی جاسکتی۔“ ایک بولا۔

پھر وہ اس لاش کو نکلتے ہوئے آگے بڑھے، صحن کے دوسری طرف پھر ایک کشادہ برآمدہ تھا۔۔۔ برآمدہ عبور کر کے وہ ایک اور صحن میں پہنچے۔ یہاں بھی صحن کے درمیان ایک تالاب تھا۔ اس تالاب میں فوارہ چل رہا تھا۔ اور اس کے دوسری طرف شاہی دیوار لگا تھا۔

پالنے زمانے کے بادشاہوں جیسا شاہی دربار۔۔۔ محل کی ایک دیوار کے ساتھ شہانہ کرسی چھپی تھی۔۔۔ وہ سنہری رنگ کی تھی۔ اس کے دائیں بائیں دونوں طرف کرسیاں رکھی گئی تھیں۔۔۔ لیکن یہ کرسیاں عام تھیں۔ ان پر لوگ بیٹھے تھے۔۔۔ درمیان میں ایک شخص کو دونوں طرف سے جکڑے ہوئے چار آدمی کھڑے تھے۔ وہ آدمی خود کو ہلانے کے لئے زور لگا رہا تھا۔ ایسے میں یہ لوگ وہاں تک پہنچے اور ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

”جرم ثابت ہو گیا۔ تم اپنی ڈیوٹی پوری طرح انجام نہیں دے سکے۔ لہذا اسی وقت پھانسی دی جائے گی تمہیں۔“

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ کنگ نہیں۔ آپ بت اچھے ہیں کنگ۔۔۔ بت رحم دل۔ بت نیک۔۔۔ مرثیائی فرما کر مجھ پر رحم کیا جائے۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔“

”اگر تمہیں بچوں کی فکر ہے تو انہیں بھی تمہارے ساتھ ہی اوپر بھیج دیتے ہیں۔“ کنگ نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

”نہیں کنگ صاحب نہیں۔ ان کا کیا قصور۔۔۔ غلطی میری ہے۔ سزا مجھے ملنی چاہیے۔“

”پھانسی کی سزا کا حکم تمہیں ہی ملا ہے۔ بچوں کو نہیں۔ وہ تو شہزادی پریشانی دیکھ کر میں نے کہا تھا۔“

”آپ کا شکریہ۔۔۔ آپ بس مجھے پھانسی دے دیں۔ میرے

بچوں کو معاف کر دیں۔"

"بالکل بالکل.... تم فکر نہ کرو۔ تمہارے بعد انہیں کچھ نہ کما جائے گا۔ ان سے کوئی غرض نہیں رکھی جائے گی۔ ہاں اگر میرے مقابلے پر کچھ کرنے پر قائل ہو گئے تو اور بات ہے۔"

"وہ اس قابل کہاں.... وہ تو ابھی بہت چھوٹے ہیں۔"

"تم نے شاید آج کل کی فلمیں نہیں دیکھیں۔" گنگ ہنس

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"ارے بھئی.... اکثر فلموں کی ایک ہی تو کہانی ہوتی ہے۔"

کو کوئی مار ڈالتا ہے۔ اور اولاد جو ان ہو کر انتقام لیتی ہے۔"

"گنگ! یہ وقت بھلا ان باتوں کا ہے۔ اور پھر وہ باتیں تو

ہیں۔ ان کا حقیقت سے کیا تعلق۔" اس نے جلتے کئے انداز میں کہا۔

"ادھو۔۔۔ بھئی کسی حد تک نکل آتا ہے تعلق۔ خیر۔۔۔ میں

سے بیٹ لوں گا، اگر وہ میرے مقابلے پر آئے۔ فی الحال تو تم جاننا

خدا حافظ۔۔۔ یہ ہماری اور تمہاری آخری ملاقات ہے۔"

"اچھا گنگ میں تو جا رہا ہوں۔۔۔ تم نے میری ایک ذرا سی

بھی معاف نہیں کی۔۔۔ حالانکہ میں ایک مدت سے تمہارے ساتھ

ہوں۔۔۔ تم بہت بے رحم ہو گنگ۔۔۔ بہت بد فطرت ہو۔۔۔ تم جیسا کہ

اس وقت شاید دنیا کے نقشے پر کوئی نہ ہو۔۔۔ تم نے ہلا کو اور پکیزر خان کی

یادیں بھلا دیں۔۔۔ لیکن میری ایک بات نوٹ کر لو گنگ۔"

"چلو کرا دو نوٹ۔۔۔ میں نے تمہاری باتوں کا برا نہیں مانا۔

ایک موت کے دروازے پر کھڑا بالکل بے بس شخص اور کر بھی کیا سکتا

ہے۔ تم اور گالیاں دینا چاہو۔ تو وہ بھی دے لو۔۔۔ اس سے مجھے کوئی

فرق نہیں پڑ جائے گا۔ ہاں تو تم کیا نوٹ کرا رہے تھے۔"

"تمہارا انجام نزدیک ہے۔ انپکٹر جشیہ کا ان حدود میں آنا یہ

بات ثابت کرتا ہے۔"

"انپکٹر جشیہ کا انجام دیکھ کر ہی مرو گے پھر تم۔" گنگ دھاڑا۔

"گنگ۔ کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"بلکہ۔۔۔ میں تمہیں انپکٹر جشیہ کے ساتھ پچاسی دوں گا۔"

"بھئی واہ۔۔۔ میری زندگی کے کچھ لمحات ابھی باقی ہیں۔۔۔ ورنہ تم

یہ فیصلہ کبھی نہ کرتے۔"

"مہوں گے باقی۔۔۔ مجھے اس سے کیا۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے پانچھ دو۔۔۔ اور خوب عمرانی میں رکھو۔۔۔

صرف دو وقت ایک ایک روٹی کھانے کو دی جائے۔ تاکہ یہ اس وقت

سے پہلے نہ مر جائے۔ جب یہاں انپکٹر جشیہ کو پچاسی دی جائے

گی۔ اور اب ان لوگوں کو پیش کیا جائے۔ جنہیں انپکٹر جشیہ اور

اس کے ساتھیوں کی طرف بھیجا گیا تھا۔"

"سردار! ان لوگوں کو لے آؤ۔" ایک شخص نے کرسی سے

اٹھ کر کہا۔

”مضروب۔ کیوں نہیں۔ جو مانگو گے، انعام ملے گا۔“

”اطلاع یہ ہے کنگ۔۔۔ کہ سردار لوٹ کر نہیں آئے گا۔“

”کیوں۔ کیا انسپکٹر جمشید نے اسے مار ڈالا؟“ کنگ زور سے

پوچھا۔ ادھر باقی لوگوں کے جسموں سے جان نکلنے لگی۔ ان کے

جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا۔

”نہیں نہیں جانتا۔۔۔ اسے کس نے مارا۔۔۔ لیکن میں نے جمیل

میں اس کی لاش دیکھی ہے۔“

”کیا۔۔۔ لاش۔“

”ہاں کنگ لاش۔ اگرچہ اس کے جسم کے ساتھ ہماری پتھر

یادہ کر پانی میں ڈالا گیا تھا۔ لیکن کسی طرح پتھر کھل گیا۔ اور لاش

پانی پر تیرنے لگی۔ میں اس طرف ان لوگوں کی کاروائی کا جائزہ لینے گیا

تھا۔ یہ لوگ مجھے راستے میں ملے۔ لیکن مجھے ان کے ساتھ انسپکٹر

جمشید نظر نہیں آیا۔ نہ سردار نظر آیا۔ تو میں آگے نکل گیا۔ اور

اس طرح میں نے وہ لاش دیکھ لی۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ تب پھر ہمارے انسپکٹر جمشید۔۔۔ تم سراخ لگاؤ۔۔۔

سردار مجھ کو کس نے مارا۔“

”اوکے کنگ۔۔۔ مجھے اس سلسلے میں اختیارات دیئے جائیں۔۔۔

میں ان لوگوں سے سوالات کر سکوں۔ اور اگر یہ غلط بیانی کریں تو

سردار کے بجائے۔۔۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا۔ پہلے وہ

اور پھر بولا۔

”سردار۔ ابھی تک نہیں آ سکے کنگ۔“

”کیا مطلب؟“

”یہ لوگ مختلف سمتوں میں بھاگ رہے تھے۔ ہم لوگ ان کے

تعاقب میں تھے۔ میں نے ان لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ سردار انسپکٹر

جمشید کے پیچھے تھا۔ ہم نے اس کا بہت انتظار کیا۔ لیکن وہ لوٹ

نہیں آیا۔ لہذا ہم نے سوچا۔ کیوں نہ ہم باقی لوگوں کو آپ کی

خدمت میں پیش کر دیں۔“

”خیر۔۔۔ یہ تم نے اچھا کیا۔ لیکن بھی۔ انسپکٹر جمشید کی

گرفتاری سب سے زیادہ ضروری تھی۔ اس کے بغیر تو مزا نہیں آ

گا۔“

”تب پھر ہم سردار کا انتظار کر لیتے ہیں۔“

”مضروب۔ کیوں نہیں۔ ہم اس کا انتظار کریں گے۔“

”کنگ! کیا مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے۔“ ایک شخص نے کڑی

سے اٹھ کر کہا۔

”کیوں نہیں۔ تم تو ہمارے سراغرساں ہو۔ بلکہ تم تو ہمارے

انسپکٹر جمشید ہو۔“

”تب پھر کنگ اگر میں کوئی کام کی اطلاع دوں۔ تو کیا مجھے

انہیں سزا دے سکوں۔"

"جیسے اس معاملے میں پورا اختیار دیا جاتا ہے۔"

"اب ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے کنگ؟" ایک

کہا۔

"تم۔۔۔ تم جانتا ہو نا۔۔۔ سردار کے نائب۔"

"ہاں کنگ؟" وہ بولا۔

"تب تم ان کے سردار ہو۔۔۔ لیکن ہمارے سرانفرس کی

میں رکاوٹ نہ بننا۔"

"مجھے رکاوٹ بننے کی کیا ضرورت ہے کنگ؟" جانتا بولا۔

"بالکل ٹھیک۔۔۔ ان لوگوں کو ابھی قید میں رکھا جائے۔"

دن میں ایک روٹی صبح ایک روٹی شام دی جائے۔"

"بہت بہتر کنگ۔۔۔ ایسا ہی ہو گا۔"

"شرابو۔۔۔ تم اپنا کام فوراً شروع کر دو۔" کنگ نے سرانفرس

مخاطب کیا۔

"او کے کنگ۔۔۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔۔۔ سردار گانو کی

کا سراغ میں بہت جلد لگا لوں گا۔۔۔ بلکہ میں تو آپ کے حکم سے

پہلے اپنا کام شروع کر چکا ہوں۔" شرابو مسکرایا۔

"کیا مطلب۔۔۔ وہ کیسے؟" کنگ چونکا۔

"میں نے اپنے ماتحتوں کے ذریعے سردار گانو کی لاش کو

سے اٹھوایا تھا۔۔۔ اب تک ڈاکٹر خاد۔۔۔ اس کا پوسٹ مارٹم کر چکا ہو

گا۔ اور جو فی مجھے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملے گی۔۔۔ میں اس کیس پر

بہت تیزی سے آگے بڑھنے لگوں گا۔"

"مجھے یقین ہے۔۔۔ ایسا ہی ہو گا۔" کنگ بے رحمی سے ہنسا۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے۔" شرابو مسکرایا۔

"جائے۔۔۔ کام شروع کرو۔"

"آپ بھول رہے ہیں کنگ۔"

"اور میں کیا بھول رہا ہوں؟" کنگ نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ نے اطلاع دینے پر انعام کا وعدہ فرمایا تھا۔۔۔ ابھی تک

مجھے انعام نہیں ملا۔"

"واقعی۔۔۔ میں بھول گیا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی انگلی میں

سے ایک انگوٹھی نکالی اور اس کی طرف اچھال دی۔۔۔ اس کی انگلیوں

میں اور انگوٹھیاں بھی تھیں۔

شرابو نے انگوٹھی دیوچ لی۔۔۔ اس کو دیکھ کر اس کی آنکھیں

پلک پلک

"خالص ہیرے کی ہے شرابو۔"

"اس میں کیا شک ہے کنگ۔۔۔ میں تو دولت مند ہو گیا ہوں۔"

"سردار گانو کی موت کا سراغ لگاؤ۔۔۔ ایک انگوٹھی اور انعام میں

ملے گی۔ اگر اسے اسپیئر جشیہ نے مارا ہے۔۔۔ تو اس کی گرفتاری بہت



جلد عمل میں آئی جا ہیے۔ جانیائ تم سن رہے ہو۔۔۔ تم ابھی اور اس وقت اس کی تلاش میں روانہ ہو جاؤ۔

”بہت بھرنگ۔“ جانیائے فوراً کہا۔

”ایک منٹ کنگ۔۔۔ آپ مجھے اختیار دے چکے ہیں۔“

”کس بات کا اختیار؟“ کنگ نے چونک کر کہا۔

”یہ کہ میں تفتیش کس طرح کروں گا۔۔۔ ان لوگوں سے ملنے سوالات کرنا ہیں۔۔۔ اگر یہ انسپکٹر جشیہ کی تلاش میں نکل گئے تو سردار گانوی موت کا سراغ نہیں لگا سکوں گا۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ تب پھر اس طرح تو اس بات کا امکان ہے کہ جشیہ دور نہ نکل جائے۔“

”نہیں کنگ۔۔۔ اس کے بچے اور دوست ہمارے قابو میں ہیں۔ لہذا وہ آس پاس ہی کہیں منڈلا رہا ہو گا۔۔۔ اور میرے ماتحتوں کے ہاتھ لگ جائے گا۔۔۔ آپ اس کی گرفتاری کی ذمہ داری بھی مجھے سونپ دیں۔۔۔ میں بہت جلد اسے پیش کر دوں گا۔“

”بہت خوب! اگر ایسا ہوا تو تیری انگوٹھی کے بھی حق دار بنے گا۔“

”شاندار کنگ۔۔۔ مزا آ گیا۔۔۔ آپ جیسے فیاض بھی تم لوگ ہو۔“

”چالیسی نہیں شرابو۔۔۔ میں اس کے بغیر ہی انعام دے دیتا ہوں۔“

”اور موت بھی۔۔۔ اگر تم گانوی کی موت کا سراغ نہ لگا سکتے اور انسپکٹر جشیہ کو گرفتار نہ کر سکتے تو۔۔۔ پھر ہمیں بھی پچاسی کی سزا سنائی جائے گی۔“

”کیا!?!“ وہ چلا اٹھا۔

”آواز بلند نہ کرو۔۔۔ تم کنگ نہیں ہو۔۔۔ کنگ میں ہوں میری موت میں پرندہ بھی میری آبادت کے بغیر نہیں بولتا۔۔۔ تم کیا ہو۔۔۔ صرف ایک سرافرسان۔۔۔ تم جیسے دس سرافرسانوں کو میں ملازم رکھ لوں گا۔“

شرابو کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔۔۔ چند لمحوں تک وہ سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔

”اب بت کیوں بن گئے۔۔۔ کیا میرا فیصلہ پسند نہیں آیا۔۔۔ لیکن اب تو یہ ہو چکا۔۔۔ اب پسند اور ناپسند سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔ صرف اس صورت میں بچ سکتے ہو۔۔۔ جب انسپکٹر جشیہ کو گرفتار کر لو اور گانوی کی موت کا سراغ لگا لو۔“

”او کے کنگ۔۔۔ ایسا ہی ہو گا۔“

یہ کہہ کر وہ مڑا اور پھر بہت دور سے چونکا۔



"یہ کیا بات ہوئی۔ بھلا میرا اس معاملے سے کا تعلق۔ میں نے تو انپکٹر جمشید اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کے لیے سردار کا اور اس کے ماتحتوں کو بھیجا تھا۔ اب اس سلسلے میں گانو مارا گیا تو اس واردت سے میرا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔" نگ نے برا سامنے بنایا۔

"ہو یا نہ ہو۔ لیکن مجھے حق ہونا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں تمہیں یہ حق دیتا ہوں۔" نگ نے جھلا کر کہا۔

"آپ غصے میں آ گئے نگ۔۔۔ تب میں معافی چاہتا ہوں اور اپنا یہ اختیار ختم کرتا ہوں۔"

"نہیں! اب دے چکا۔۔۔ اور یہ بات یاد رہے۔ تم صرف اس صورت میں بچ سکو گے جب گانو کی موت کا سراغ لگا لو گے۔"

"او کے نگ۔۔۔ اب میں اجازت چاہوں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ جانتا۔۔۔ اس کے ساتھیوں اور انپکٹر جمشید کے ساتھیوں کو بھی لے جاؤ۔۔۔ جانتا کو ان لوگوں کے بارے میں ہدایات دینا اب تمہارا کام ہے۔ انہیں جس طرح رکھنا چاہو رکھ سکتے ہو۔۔۔ لیکن روٹی صرف دو وقت دینا ہوگی۔ ایک ایک روٹی صبح، ایک ایک روٹی شام۔"

"آپ کا یہ اصول مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ تمام قیدیوں کو تب ایک روٹی سے زیادہ نہیں دیتے۔"

## کیا مطلب

"کیا ہوا شرابو۔ کیا یہاں ہمیں کسی پر شک ہوا ہے۔" نگ نے بھی فوراً محسوس کر لیا کہ وہ کسی بات پر چونکا ہے۔

"یہ بات نہیں ہے نگ۔" شرابو نے پرسکون ہو کر کہا۔

"تب پھر۔۔۔ چونکے کیوں تھے؟"

"ابھی میں نہیں بتا سکتا۔۔۔ پہلے مجھے تحقیقات کر لینے دیں۔"

"الٹال تو میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ حاصل کروں گا۔"

"اور چونکنے کی وجہ نہیں بتاؤ گے۔" نگ نے برا سامنے بنایا۔

"میں مجبور ہوں۔ ابھی کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"خیر۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ جب بتا سکو۔۔۔ بتا دیتا۔۔۔ میں صبر کروں گا۔"

"لیکن آپ نے ابھی تک ایک اختیار نہ دیا۔" شرابو شکر لایا۔

"اور وہ کون سا؟"

"یہ کہ میں تفتیش کے سلسلے میں آپ سے بھی سوالات کر سکتا ہوں۔"

"پوچھ گچھ کر سکتا ہوں۔"

اس کے نائب تھے۔ جس میں معلوم ہو گا تو کسے ہو گا۔ اور یہ  
ات دن میں رکھو جانی۔ یہ میری بھی زندگی اور موت کا معاملہ  
ہے۔ اگر میں اس واردات کا سراغ نہ لگا سکا اور انسپکٹر جمشید کو گرفتار  
کر سکا تو میں بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔

"ہوں! میں سمجھتا ہوں۔ لیکن سسر شراہو۔ آپ انسپکٹر جمشید  
کو انہی طرح جانتے ہیں۔ ان کی صلاحیتیں حیرت انگیز ہیں۔"

"جانتا ہوں۔ لیکن ان لوگوں کی صلاحیتیں بھی تو حیرت انگیز  
ہیں۔ پھر یہ تمہارے قابو میں کس طرح آگئے۔" شراہو نے اسے  
دور کیا۔

"جنگل میں ہم پہلے ہی موجود تھے اور درختوں پر بھی ہمارے  
موجود تھے۔ جب ان پر چاروں طرف سے فائرنگ ہوئی۔ تو  
انہوں نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔"

"اور انسپکٹر جمشید؟" شراہو مسکرایا۔

"وہ اس وقت ان میں نہیں تھے۔ آپ ان سے پوچھ سکتے

"میں ان سے پوچھوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ سب سے پوچھوں

یہ کہ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔ جانیانے اپنے آدمیوں کو

"ہاں بالکل۔ قیدیوں کو معلوم تو ہونا چاہیے کہ ہم قیدی ہیں  
اگر انہیں عیش و آرام اور بہترین کھانا وہ بھی پیٹ بھر کر دیا  
وہ خود کو قیدی تو سمجھیں گے ہی نہیں۔"

"آپ کا یہ اصول مجھے خود مت پسند ہے۔"

"اچھا! میں۔۔۔ مجھے دوسرے مقدمات بھی مینا ہیں۔"

سب لوگ مڑے اور باہر نکل آئے۔ برآمدہ عبور کر کے  
وہ صحن میں آئے تو لاٹا اسی طرح لٹکی ہوئی تھی۔ لیکن اب اس  
خون نہیں ٹپک رہا تھا۔ وہ اس پر صرف ایک نظر ڈال سکے اور باہر  
نکل آئے۔

"جانیانے۔ ان لوگوں کو قید خانے میں ڈال دو۔ میں ذرا ہسٹ  
مارٹم رپورٹ حاصل کر لوں۔ اپنے ساتھیوں کو انسپکٹر جمشید کی تلاش  
لگا دوں۔ ایسا لگتا ہے۔ جیسے انسپکٹر جمشید سردار گانو کو بہت  
گھٹاتا رہا کر فرار ہو گیا ہے۔"

"ہوں۔ لگتا تو ایسا ہی ہے۔ آگے اللہ کو پتا ہے۔"

شراہو کی نظریں جانیانہ پر جم گئیں۔ پھر وہ ساتھی کی طرف  
پہنکارا۔

"سچ بتاؤ جانیانے۔ گانو کو کس نے مارا ہے۔"

"یہ۔۔۔ یہ آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔" جانیانہ گھبرا گیا۔

"اس لیے کہ اس جنگل میں تم گانو کے ساتھ ساتھ تھے۔"

”نہیں کوٹھڑیوں کی طرف لے چلو۔“

انہیں گھیرے میں لے کر کوٹھڑیوں تک لایا گیا۔ اور پھر  
ایک بڑی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ پھر جانا اپنے ساتھیوں کے  
وہاں سے چلا گیا۔

”پتا نہیں! یہ سب کیا ہے۔ ہم لوگ تو اب تک یہ نہیں  
سکے۔ اباجان۔ اچانک اس قدر خوف زدہ کیوں ہو گئے تھے۔  
نے تو خوف زدہ ہونا سیکھا ہی نہیں۔“

”جب تک اس بات کی سمجھ نہیں آ جاتی۔ اس وقت تک  
کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ یا پھر جمید ہمیں کچھ اشارے  
دیتے۔ لیکن انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ یا پھر حملہ آوروں کی وجہ  
بتانے کا وقت نہیں ملا۔“

”لیکن ہم یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بھی تو نہیں بیٹھ سکتے۔“  
”ٹھیک ہے۔ محمود اپنا چاقو نکالو۔ ہم یہاں نہیں رہیں گے۔  
”گویا ہم کام شروع کر رہے ہیں۔“

”ہاں! ہم ان لوگوں میں قمر حمزہ دوڑا دیں گے۔ یہ بھی  
رکھیں گے۔ ہمیں غائب دیکھ کر پہلے تو جانی کی جان لگے گی۔  
شرابو کے ہوش اڑیں گے۔ اور ایسے میں ہمارے ساتھ آ کر  
اباجان۔ تو عزائی آ جائے گا۔“

محمود نے چاقو نکالا اور خان رحمان کی طرف بڑھاتے ہوئے

”بچے۔ انکل۔ آپ شروع کیجئے۔“

خان رحمان نے چاقو کے ذریعے سلاخیں کاٹ ڈالیں اور پھر وہ  
کوٹھڑی سے باہر نکل آئے۔ لیکن اب ان کے سامنے قید خانے کی  
بات اونچی دیوار تھی۔ اس دیوار کو عبور کرنا بغیر کسی سلمان کے، ان  
کے بس کی بات نہیں تھی۔

”اٹ مالک! اس قدر بلند چار دیواری۔ کیا یہ اس قدر چالاک  
لوگ ہیں۔“

”نکلے تو نہیں۔ ارے ہاں۔ ہم دیوار پر بھی تو چاقو آزما سکتے  
ہیں۔“

”بالکل۔ کیوں نہیں آزما سکتے۔“

خان رحمان نے دیوار میں چاقو کے ذریعے سوراخ کرنا شروع  
کیا۔ سوراخ لمحہ بہ لمحہ بڑا ہونے لگا۔ تاہم ابھی دوسری طرف پھر  
ایک دیوار نظر آ رہی تھی۔ اس دیوار کو دیکھ کر وہ جھٹلا اٹھے۔  
”حد ہو گئی۔ دیوار در دیوار۔ ہے کوئی تک۔“

”کوئی بات نہیں۔ ہم بھی اپنا کام جاری رکھیں گے۔“  
فرزانہ

مین اس لمحے بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ جب کہ ابھی  
یہ سوراخ اتنا بڑا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس میں سے ایک بی نکل سکتی۔

”ارے باپ رے۔ یہ تو بہت جلد آ گئے۔ آؤ واپس کوٹھڑی

میں چلیں۔ تاکہ انہیں پتا نہ چل سکے کہ ہم کیا کر چکے ہیں۔

”بالکل ٹھیک۔“ پروفیسر بولے۔

اور وہ فوراً اپنی کوفٹری میں آگئے۔ سلاٹیں ایک دوسری ویسے ہی لگا دیں۔ کہ کئی ہوئی نظر نہ آسکیں۔

جانیسا اور اس کے ساتھی نظر آئے۔

”چلو۔ باہر نکلو۔ تم لوگوں کو مسٹر شرابو بلا رہے ہیں۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آگئی ہے۔“

”لیکن ہمارا اس رپورٹ سے کیا تعلق۔ گانو کو ہم نے تو ہی مارا ہے۔“

اوہو۔۔۔ اب تم لوگوں کو وہ بلا رہا ہے۔ چلتا تو ہو گا۔

”ہم چلیں گے۔ پہلے یہ بتاؤ۔ تم ہمارے لیے کیا کرنا ہو۔“ محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“ جانیسا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”اگر آپ نے ہماری مدد نہ کی تو ہم تمام بات شرابو کو بتا دیں گے۔“ محمود مسکرایا۔

”نہن۔ نہیں۔“ جانیسا کانپ گیا۔

”کیوں ہو گئی سٹی کم۔“

”لیکن اس طرح تم لوگ بھی نہیں بچ سکو گے۔“

”ہم تو پہلے ہی پھنسے ہوئے ہیں۔ تم اپنی فکر کرو۔۔۔ تمہارے دوست میں جوئی کنگ کو پتا چلا۔ وہ تمہیں پچاسی کی سزا دے گا۔“

”ہاں! یہ۔۔۔ یہ تو ہے۔“ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”تب تم ہماری بات مانو۔ جو ہم کہیں وہ کرو۔“

”آخر میں کیا کروں؟“

”شرابو کو ختم کر دو۔ نہ رہے گا پانس۔۔۔ نہ بجائے گی ہاسری۔ سنو۔ کنگ کو کچھ معلوم نہیں کہ اس وقت شرابو کہاں ہے۔ وہ تو تم لوگوں کو ہماری گجرائی کے لیے چھوڑ کر جا چکا ہے۔ اب

اگر وہ واپس نہ آئے۔ تو اس میں تمہارا کیا قصور۔ اس طرح تم بھی بل بال بچ گئے۔ ورنہ خود سوچو۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کیا کہانی

سنائے گی۔ گانو کوئی ایک گولی سے تو مرنا نہیں۔“

”ارے باپ رے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ تو ہم بری طرح پھنس گئے۔“

جانیسا کانپ کر بولا۔

”بس تو پھر اس کا ایک ہی حل ہے۔۔۔ اور وہ یہ کہ تم شرابو کو ختم کر دو۔“

”ہاں! اب یہی کرنا ہو گا۔“

”اور اس میں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ خیال کیا جائے گا کہ وہ انسپکٹر جشیہ کے پتے چڑھ گیا۔“

”ہاں! لیکن ایک بات اور ہے۔“

"ہا اکل ٹھیک"۔ جانیہ خوش ہو گیا۔

"اور وہ کیا؟"

"جو خفی آپ اشارہ کریں گے۔ ہم اسے بھون ڈالیں گے۔  
راستیں تو ہم نے ان لوگوں کی طرف تانی ہی ہوں گی۔ اسے کیا معلوم  
کہ ان لوگوں کی طرف تانی ہوئی رانخل کب اس کی طرف گھوم جائیں  
گے۔"

"شرابو بہت طاقت ور ہے۔۔۔ اسے ختم کرنا آسان کام نہیں  
جانیہ بولا۔

"اوہ۔۔۔ تم اتنے ہو اور وہ اکیلا۔۔۔ سب مل کر اسے نکال  
دیتا۔۔۔ اس نے کوئی ہلٹ پروف لباس پہن رکھا ہے؟"

"ہوں۔۔۔ بات معقول ہے۔۔۔ چلے پھر۔۔۔ فی الحال تو اس  
آپ سب کو طلب کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ ہمارے سامنے یہ کام کر گزرو۔۔۔ ضرورت پڑی  
ہم بھی مدد کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ پہلے میں اپنے ساتھیوں کو اس پر تیار  
لوں۔۔۔ یہ بھی ایک مشکل کام ہو گا۔"

"نہیں۔۔۔ ان سب کو بھی اپنی جانوں کی پڑی ہے۔"  
"اچھا خیر۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔  
"تم ساری بات سن چکے ہو۔"

"ہاں جانیہ۔"

"پھر اب اپنی رائے دے۔ کیا کرنا پسند کرو گے۔"

"وہی۔۔۔ جو انہوں نے کہا ہے۔۔۔ ورنہ کنگ تو ہمیں پھانسی  
سزا سنائے گا۔"

"بہت خوب"۔ وہ مسکرا دیا۔

اور پھر وہ انہیں ایک بڑے کمرے میں لے آئے۔۔۔ جانیہ کے  
ایک ماتحت نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

"دروازہ اندر سے بند کیوں کیا؟" شرابو نے چونک کر کہا۔  
"کیا کھول دوں۔۔۔ ان میں سے کوئی فرار ہونے کی کوشش بھی  
کر سکتا ہے۔"

"اوہ اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ بند ہی رہنے دو۔۔۔ اور میری طرف  
دیکھو۔" وہ بولا۔

سب شرابو کی طرف دیکھنے لگے۔  
"تم لوگ جانتے ہو۔۔۔ گانو کس طرح مرے؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔  
"بھلا مارنے والے نہ جانتیں گے۔" وہ بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔ مسٹر شرابو۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"یہی کہ تم لوگوں نے ہی گانو کو ہلاک کیا ہے۔۔۔ اور ان لوگوں

کے سامنے ہی ہلاک کیا ہے۔۔۔ یہ اس راز میں شریک ہیں۔۔۔ بلکہ  
نے ان کے مشورے سے ہی ایسا کیا ہے۔۔۔

"پتا نہیں۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں ساری بات گنگ کے سامنے سناؤں گا۔۔۔ ابھی اور  
وقت ہمیں گنگ تک چاہتا ہے۔۔۔"

"تب پھر آپ ہمیں یہاں کیوں لائے ہیں۔۔۔ جانتا ہے برا صاحب  
بیٹا۔۔۔"

"میں اپنے شک کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔۔۔"

"آپ نے تصدیق کیسے کر لی؟"

"وہ میں اب کہوں گا۔۔۔ اس کے بعد تم لوگوں کو گنگ کے  
سامنے لے جاؤں گا۔۔۔ کیا سمجھے۔۔۔"

"چلے سمجھ گئے۔۔۔ لیکن پہلے اپنی بات کی تصدیق تو کر لیں۔۔۔  
سکتا ہے۔۔۔ آپ کا خیال غلط ہو۔۔۔ جانتا ہوں۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ میں غلط نہیں ہو سکتا۔۔۔ ہمیں معلوم ہے۔۔۔ سردار  
گھنوں کو کہیں سے چھپائی کیا گیا تھا۔۔۔ اس کے جسم سے نکلنے والی گولیاں

تم لوگوں کی راکٹوں کی ہی ہیں۔۔۔ اسلئے کے ماہر نے اس بات کی  
تصدیق کر دی ہے۔۔۔ اب میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔۔۔"

کہتے ہوئے وہ مسکرایا۔۔۔

"مسٹر شرابی۔۔۔ آپ کیا سننا چاہتے ہیں۔۔۔ ہمارے منہ سے؟"

ان میں سے ایک نے جمل کر کہا۔۔۔

"یہ کہ سردار گھنوں کو تم لوگوں نے ہلاک کیا ہے۔۔۔ وہ انیسویں  
مہینے کے ہاتھوں نہیں مرا۔۔۔"

"اور اس بات کا ثبوت آپ کے پاس یہ ہے کہ اس کے جسم  
میں گولیاں ہماری راکٹوں کی ہیں۔۔۔ جانتا ہے اس کی طرف غور سے

دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔

"ہاں! یہی بات ہے۔۔۔"

"تب پھر۔۔۔ ہمیں اب ایک اور فیصلہ کرنا ہو گا۔۔۔ جانتا مسکرایا۔۔۔"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکا۔۔۔

○ ☆ ○

”انسپکٹر جمشید کے ہاتھ لگ گیا۔“

”بالکل۔۔۔ ٹھیک۔۔۔ لہذا تم نے سردار کو مار ڈالا۔“

”ہم اور کر بھی کیا سکتے تھے۔۔۔ بالکل اسی طرح مسٹر شرابو۔۔۔“

”جس طرح ہم اب مجبور ہیں۔“ جانیٹا سرد آواز میں بولا۔

”کس۔۔۔ کیا مطلب؟“

”اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہمیں بھی گانوں کی طرح مار

ڈالا جائے۔۔۔ ظاہر ہے۔۔۔ تم تو سردار کی موت کا سراغ لگانے کے لیے نکلے

تھے۔۔۔ لہذا تمہارے بارے میں ہم سے تو پوچھا جائے گا ہی

۔۔۔“

”لیکن تم میری لاش کا کیا کرو گے؟“ شرابو ہنسا۔

”پتھر پاندھنے میں ہمارے ساتھی سے سستی ہوئی۔۔۔ اس نے

میری طرح نہیں پاندھا تھا اور پانی میں چا کر وہ اس کے جسم سے الگ

ہو گیا۔۔۔ ورنہ گانوں کی لاش نہ ملتی۔۔۔ اب جناب کی لاش کا مسئلہ ہے۔۔۔“

”یہ مسئلہ یہ لوگ حل کریں گے۔۔۔ یعنی کہ میرے ساتھی۔۔۔ کیوں

تم کیا تجویز کرتے ہو؟“

”اس میں شک نہیں کہ شرابو کی موت میں ہی ہماری بچت

ہے۔۔۔ لہذا اسے مار کر کسی بہت گہری کھائی میں پھینک دیتے ہیں۔۔۔“

”تو کھا جائیں گے اسے۔۔۔ یہاں ایسی کھائیاں موجود ہیں۔۔۔ جن میں

آؤٹ ریک کوئی نہیں اتر سکا۔“

## لاواجا

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے۔۔۔ آخر شرابو نے ہی ہار

”کیا کتنا چاہتے ہو؟“

”اگر تم نے کنگ کو جا کر یہ بات بتا دی۔۔۔ تو کنگ اسی

ہمیں موت کی سزا سنائے گا۔۔۔ یہی ہو گا۔“ جانیٹا نے جلدی

کہا۔

”ہاں! یہی ہو گا۔۔۔ بالکل یہی ہو گا۔“ شرابو پر زور انداز میں

بولتا۔

”او کے۔۔۔ سردار گانوں کو بھی اسی بنیاد پر ہلاک کیا گیا تھا۔۔۔“

لوگ انسپکٹر جمشید کو گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔۔۔ اس حالت میں کنگ

سامنے پیش ہوتے تو وہ انسپکٹر جمشید کو غیر حاضر پا کر چراغ پا ہو جاتا

اور ہمارے بارے میں نہ جانے کیا سزا تجویز کرتا۔۔۔ اس سزا سے

کے لیے ہم نہ سوچا۔۔۔ اگر ہم سردار گانوں کو مار ڈالیں اور کنگ

دیں کہ وہ انسپکٹر جمشید کے تعاقب میں نکل گیا ہے تو ہم سزا

جائیں گے اور سردار گانوں واپس آئے گا نہیں تو یہی خیال کیا جائے



"بہت خوب! تو پھر سوچے کیا ہو.... عمل کر گزرو۔" جانیو نے  
 "ارے ارے.... خبردار.... کنگ کو آخر کار اس بات کا پتا

چلے گا۔"

"وہ بعد کی بات ہے.... اگر پتا چل گیا تو ہم کوئی اور تکیہ  
 لیں گے.... لیکن اس وقت تو تمہاری موت ضروری ہے۔"

"لیکن افسوس.... تم مجھے نہیں مار سکتے۔" ان الفاظ کے ساتھ  
 ہی اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔ لیکن عین اس وقت ایک دھماکا  
 اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ سب نے دیکھا۔ جانیو نے  
 ساتھی نے اس کے ہاتھ پر فائر کیا تھا۔

"بہت خوب بھئی.... اب پکڑ لو اسے۔"

وہ سب اس پر ٹوٹ پڑے.... جلد ہی وہ ادھ موٹا ہو گیا۔  
 "اب کیا کریں۔ گولی اس کے دماغ میں اتار دیں۔" بولا۔

"نہیں.... اس طرح یہاں سے خون بھی صاف کرنا پڑے گا۔  
 رسی سے گلا گھونٹ دو اور کھائی میں ڈال دو۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور جانیو انہیں اس کمرے میں لے آیا  
 میں مسٹر شرابو نے انہیں دکھا تھا۔

"کیا یہ ہمارے ساتھی ہیں سردار۔" جانیو کے ایک ساتھی  
 محمود وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

"نہیں.... یہ ہمارے ساتھی کیوں ہونے لگے؟"

"تب پھر.... انہیں الگ کمرے میں بند کر دیں.... ہم الگ  
 کمرے میں آرام کر لیں گے۔"

"اب تو جب تک کنگ کو شرابو کی موت کا پتا نہیں چل جاتا....  
 ہمارا بازار انہیں آئے گا۔"

"ہوں ٹھیک ہے.... ایسا ہی کرتے ہیں۔"

انہیں ایک الگ کمرے میں بند کر دیا گیا۔

"اب تک ہم صرف قماشائی بنے رہے ہیں.... اب ہمیں بھی  
 کچھ کرنا چاہیے۔" محمود نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"لیکن کیا.... سوال تو یہ ہے۔" خان رحمان بولے۔

"سوال یہ ہے کہ انسپکٹر جمشید کہاں ہیں؟"

"ہمیں کیا معلوم.... وہ کہاں ہیں؟" محمود نے کہا۔

"جب تک ہمیں ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو جاتا....  
 اس وقت تک ہم کیا کر سکتے ہیں.... پتا نہیں ان کا کیا پروگرام ہے؟"

فرزادہ بولی۔

"لیکن.... اتنا کچھ ہو گیا.... آخر ہم کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے  
 بیٹھے رہیں گے۔"

"تب پھر فرزندہ بتائے گی.... کہ ہم کیا کریں۔"

"آخر ہم کنگ کے لیے آسانی کیوں پیدا کریں.... دیکھیں نا....

”ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ کچھ بھی ہو۔۔۔ ہم کنگ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔۔۔ آؤ چلیں۔“ خان رحمان نے کہا۔

وہ اس سمت میں روانہ ہو گئے۔۔۔ جہاں کنگ کا دربار لگا انہیں نظر آیا تھا۔۔۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔ عمارت کے دروازے پر اب کوئی نہیں تھا۔۔۔ دروازہ بھی بند نہیں تھا۔۔۔ وہ اندر داخل ہو گئے۔۔۔ صحن میں لاش ابھی تک لگی ہوئی تھی۔۔۔ اس کی کھلی آنکھوں سے اب تک خوف جھانک رہا تھا۔۔۔ یا پھر یہ احساس ان کا اپنا تھا۔۔۔ بہر حال اس سے ٹھہرنے پر اکر وہ آگے بڑھ گئے۔۔۔ برآمدہ عبور کر کے دوسرے صحن میں داخل ہوئے۔۔۔ وہاں اب دربار نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔۔۔ البتہ کرسیاں ضرور اسی طرح بچھی تھیں۔۔۔ نہ کنگ تھا نہ کنگ کے درباری۔

”شاید خاص خاص موقعوں پر یا اوقات میں دربار لگتا ہے۔۔۔ اس وقت تک کنگ کہیں اور ہو گا۔“ فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

”لیکن اس میں منہ بنانے کی ضرورت نہیں۔۔۔ ہمارے لیے یہ زیادہ مفید ہے۔“ فرزانہ بولی۔

”وہ کیسے؟“ خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”ہم اس جگہ کا آزادانہ جائزہ لے سکتے ہیں۔۔۔ اوھر اوھر گھوم کر یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کنگ اس وقت کہاں ہے۔“  
 ”کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ ہم یہاں سے نکل چلیں۔“ پروفیسر

اباجان بھی تو اس کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔۔۔ ان کے ہونے کی وجہ سے کنگ پریشان ہو گیا ہے۔۔۔ نہ جانے کیوں۔۔۔ ہم اب تک تو خیر جان نہیں سکے۔ لیکن اتنا کہ ہی سکتے ہیں کہ وہ اس کے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔۔۔ لہذا ہم بھی کیوں نہ اسے پریشان کریں۔۔۔“ پائلٹ ٹھیک! اب ہم یہاں نہیں رہیں گے۔۔۔ اس کے بیٹے موہک دیں گے۔“ محمود نے خوش ہو کر کہا۔  
 ”اوکے۔۔۔ آؤ چلیں۔“

کمرے کا دروازہ باہر سے بند کیا گیا تھا۔ لیکن محمود کے پاپو نے ہوتے اس کو کھول لینا کیا مشکل تھا۔ وہ باہر نکل آئے۔ چلتا اور اس کے ساتھیوں کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ نہ جانے وہ کہاں تھے۔

”کیون نہ ہم کنگ تک پہنچنے کی کوشش کریں؟“ ایسے میں محمود نے کہا۔

”اگر کنگ تک پہنچنا اس قدر آسان ہوتا تو اباجان کیوں اس قدر گھماؤ پھراؤ والا طریقہ اختیار کرتے۔ کیا ضرورت تھی؟“  
 ”اس کیس میں سب سے زیادہ عجیب رویہ اباجان کا ہے۔ کنگ سے بھی زیادہ۔۔۔ وہ ہمیں پر اسرار نظر آ رہے ہیں۔“

”اور جب تک ہماری ان سے ملاقات نہیں ہو جاتے۔۔۔ اس وقت تک اس راز سے پردہ نہیں اٹھے گا۔“

داؤد نے تجویز پیش کی۔

”لیکن کہاں؟“

”واپس شادون آباد۔“

”بہت خوب پروفیسر صاحب۔ یہ بات مجھے تو پسند آتی ہے۔“

خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

”اس کا مطلب ہے۔۔۔ آپ یہاں گھبرا رہے ہیں۔ لیکن ابا بابر

کیا خیال کریں گے۔۔۔ محمود بولا۔

”وہ۔۔۔ وہ کچھ نہیں خیال کریں گے۔۔۔ بلکہ خوش ہوں گے کہ

ہم لنگ کی قید سے نکل آئے۔“

”چلے پھر۔۔۔ پہلے تو یہی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔۔۔ ہم یہاں سے

نکل سکتے ہیں یا نہیں۔“

اور انہوں نے وہاں سے نکلنے کا راستا اختیار کیا۔۔۔ پہلے وہ اس

جگہ آئے۔۔۔ جہاں ان لوگوں نے اپنی گاڑیاں کھڑی کی تھیں۔۔۔ لیکن

اس وقت یہاں کوئی گاڑی نہیں تھی۔

”اوہ۔۔۔ پیدل تو اتنا لمبا سفر ہم نہیں کر سکیں گے۔ کئی گھنٹے

تھے یہاں آنے میں۔“

”کسی سے لفٹ لے لیں گے۔ کوئی ٹرک والا دو گنا کرائے کی

پیش کش پر ضرور ہمیں بٹھالے گا۔“

”بالکل ٹھیک۔“ وہ ایک ساتھ بولے۔

اب انہوں نے سڑک کا رخ کیا۔۔۔ سڑک سننا پڑی تھی۔ نہ

دائیں طرف سے کوئی گاڑی آتی نظر آ رہی تھی نہ بائیں طرف سے۔۔۔

ہاتھیں یہ کون سا علاقہ تھا۔ اوہ کھڑے رہے انتظار کرتے رہے۔۔۔

آخر خدا خدا کر کے ایک سفید رنگ کی کار آتی نظر آئی۔

”کیس یہ بات سنے بغیر گذر نہ جائے۔ ایسے ہم دو تین پتھر

سڑک پر رکھ دیتے ہیں۔“ فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

”یہ ٹھیک رہے گا۔“

انہوں نے جلدی جلدی پتھر رکھ دیے۔۔۔ کار نزدیک آنے پر

رک گئی۔۔۔ اس میں تین آدمی موجود تھے۔ لیکن تینوں غیر ملکی تھے۔

ایسی شکل و صورت اور لباس کے آدمی کم از کم ان کے ملک میں تو

ہوتے نہیں تھے۔

”کیا بات ہے۔۔۔ آپ نے راستا کیوں روکا ہے؟“ ڈرائیور نے

ناؤٹھوٹھو انداز میں کہا۔

”آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ پروفیسر داؤد نے آگے بڑھ کر کہا۔

”آپ سے مطلب۔۔۔ میں کون یہ پوچھنے والے۔۔۔ ارے آپ تو

غیر ملکی لگتے ہیں۔“

”کیا۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ آپ ہمیں غیر ملکی کہہ رہے ہیں۔۔۔ ہمارے ملک میں۔۔۔

میں غیر ملکی کہا جا رہا ہے۔۔۔ کمال ہے۔“

”کیا کہا۔۔۔ آپ کا ملک۔۔۔ یہ۔۔۔ کون سا ملک ہے؟“

اچانک فرزانہ کے دماغ میں بجلی سی کوند گئی۔۔۔ اس نے فرما  
کہ۔

”کیا یہ ریاست شون نہیں ہے۔“

”ریاست شون۔۔۔ وہ یہاں کہاں؟“ ڈرائیور حیران ہو کر بولا۔

”یہ لوگ بلاوجہ ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں۔۔۔ غیر ملکی ہیں۔۔۔  
پتا نہیں یہاں کیسے آ گئے ہیں۔۔۔ ان سے کہو ہمارے پاس اتنا وقت نہیں  
کہ ان کی بے کار کی باتیں سنیں اور جواب دیں۔۔۔ پتھر پھینکا دیں۔۔۔  
لوگ۔“ پیچھے بیٹھے ایک شخص نے کہا۔

”پہلے آپ یہ بتائیں۔۔۔ یہ کون سا ملک ہے؟“ خان رحمان نے  
سرد آواز میں کہا۔

”یہ۔۔۔ یہ آدمی کس لمحے میں بات کر رہا ہے۔۔۔ شوٹ کر دو  
اسے۔“ پیچھے والا دوسرا غرایا۔

اچانک ڈرائیور نے پستول نکال لیا اور اگر وہ لوٹ نہ لگا گئے  
ہوتے تو گولی ان کے جسم میں داخل ہو گئی تھی۔۔۔ ساتھ ہی ڈرائیور نے  
دوسرا فائر کیا۔۔۔ خان رحمان سڑک کے سے نیچے کود گئے۔۔۔ دوسروں  
نے بھی یہی کیا۔۔۔ دوسرے لمحے وہ درختوں کی اوٹ لے چکے تھے۔  
جائیا اور اس کے ساتھیوں نے ان کے پستول تو شروع میں ہی لے لیے  
تھے۔۔۔ لہذا اس وقت ان کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔۔۔ لیکن اس جگہ پتھر  
بے شمار پڑے ہوئے تھے۔۔۔ انوں نے جھک کر ایک ایک پتھر اٹھا لیا۔

دوسرے سڑک پر پڑے پتھر مٹانے کے لیے ڈرائیور کو تو کار سے اتارنا ہی  
پڑا۔۔۔ بس وہ اسی کی ٹاک میں تھے۔

”دیکھو ان لوگوں کو۔۔۔ اور چند فائر ان کی طرف اور کر دو۔۔۔  
انکو دوڑنا چاہیے۔۔۔ اس کے بعد تم نیچے اتر کر پتھر مٹانا۔“  
”اوکے سر۔“ ڈرائیور بولا۔

پھر اس نے چند ہوائی فائر کیے اور کار سے نیچے اتر کر پتھروں کی  
طرف آیا مین اس وقت اس کے سر پر ایک پتھر لگا۔۔۔ اس کے منہ سے  
دودھ جھج نکل گئی اور وہ گرتا نظر آیا۔  
”کیا ہوا مارن؟“ اندر سے ایک چلا اٹھا۔

لیکن مارن بے چارہ اب جواب دینے کے قابل کہاں رہا تھا۔۔۔  
وہ تو بے ہوش ہو چکا تھا۔۔۔ انہوں نے کار کا دروازہ کھلنے کی آواز  
سنی۔۔۔ پھر ایک مارن کی طرف آیا۔۔۔ ساتھ ہی اس کے سر پر بھی پتھر  
لگا۔۔۔ اس کے منہ سے جھج نکل گئی۔۔۔ اب تو تیسرا بوکھلا گیا۔۔۔ وہ کار  
کے اندر ہی سے اگلی سیٹ پر آ گیا۔

”ارے باپ رہے۔۔۔ کہیں یہ کار کو واپس نہ لے جائے۔۔۔ اس  
طرح کار ہاتھ سے نکل جائے گی۔۔۔ آؤ جلدی کرو۔“

محمود نے یہ کہہ کر دوڑ لگا دی۔۔۔ اور آن کی آن میں کار تک پہنچ  
گیا۔۔۔ دوسرے ہی لمحے محمود نے کار کا دروازہ کھول ڈالا اور اس کی  
کلاں پر ہاتھ ڈال کر ایک زبردست جھٹکا مارا۔۔۔ وہ سر کے بل سڑک پر آ

رہا۔ اتنے میں فاروق اس کا پستول قبضے میں لے چکا تھا اور فرزانہ ڈرائیور کا اور دوسرے آدمی کا پستول قبضے میں لے چکی تھی۔  
 ”واہ! یہ مال خوب ہاتھ آیا۔“ خان رحمان نے چمک کر کہا اور باقی لوگ مسکرا دے۔

اب وہ انہیں کھینچ کے درختوں کی اوٹ میں لے آئے۔ اور بھی انہوں نے سڑک سے نیچے اتار لی۔۔۔ جلد ہی تینوں ہوش میں آ گئے۔

”ہاں! دوستو! اب کیا خیال ہے؟“  
 ان کے تو رنگ اڑ گئے۔۔۔ تین پستول ان کی طرف اٹے ہوئے تھے۔ اور زخمی وہ الگ ہو چکے تھے۔  
 ”تت۔۔۔ تت۔۔۔ تم کون ہو۔۔۔ کیا ڈاکو ہو؟“  
 ”ڈاکو ہی سمجھ لیں۔۔۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔“ محمود نے مسکرا کر کہا۔

”تو پھر آخر تم کون ہو۔۔۔ اور کیا چاہتے ہو؟“  
 ”اگر آپ لوگ پہلے ہی ہمارے سوالات کے سیدھی ملے جوابات دے دیجئے۔ تو یہ نوبت نہ آتی۔ خود کو زخمی آپ کی ضد نے کرایا ہے۔۔۔ اب بتائیں۔۔۔ یہ کون سا ملک ہے؟“  
 ”لاواجا۔“ ایک نے کہا۔  
 ”کیا کہا۔۔۔ لاواجا۔“

وہ دھک سے رہ گئے۔

شیاں گم ہوتی محسوس ہوئیں۔



”اس کا والی کون ہے؟“

”گنگ نامی ایک آدمی۔“

وہی ہو گا

”ریاست شون کا ریاست لاواجا سے کیا تعلق ہے؟“

”دوستانہ تعلق ہے۔ بلکہ گنگ ہماری اس ریاست پر کافی اثر کرتا ہے۔ اور ہماری ریاست اس سے ہر طرح تعاون کرتی ہے۔ ریاستوں کا آپس میں لین دین بھی ہے۔“

”ملک ہے۔ اب بات سمجھ میں آئی۔“ خان رحمان نے کہا۔  
”کیا بات سمجھ میں آئی؟“ ایک نے حیران ہو کر کہا۔

”میں یہاں گنگ اغوا کر کے لایا تھا۔ اور ایک جگہ قید کر رکھا تھا۔ میں نے ہمیں۔۔۔ ہم وہاں سے نکل بھاگے ہیں۔ آپ لوگ یاد کر سکتے ہیں؟“

”پہلے یہ بتائیں۔ آپ کا تعلق کس ملک سے ہے؟“

”پاک لینڈ سے۔“

”کیا؟“ وہ چلا اٹھا۔

”کیا؟ کیا ہوا۔۔۔ کیا یہ نام پہلی بار سنا ہے؟“

”نہیں۔ پہلی بار کیوں۔۔۔ پاک لینڈ کو تو ہم اور ریاست شون اور وہ تینوں ملک۔۔۔ جو ہمیں امداد دیتے ہیں۔ پکا دشمن خیال

لاواجا ان کے ملک کی سرحد سے ملتی ایک آزاد ریاست تھی۔ اس کے لوگ غیر مسلم تھے اور ان کے ملک کے بچے دشمن تھے۔ نزدیکی غیر مسلم ملک اس کی بھرپور مدد کرتے تھے اور اس طرح آسانی سے یہ ریاست ان کے خلاف کوئی نہ کوئی شرارت کرتی رہتی تھی۔ یہ شرارتیں ان تین غیر مسلم ملکوں کی مدد پر کی جاتی تھیں۔ تاکہ ان کے ملک میں بھی امن چین نہ قائم ہو سکے۔ ماہرین کا خیال تھا کہ اس ریاست سے دہشت گرد بھی ان کے ملک میں داخل کیے جاتے تھے۔ جو ملک میں قتل و غارت گری اور بموں کے حملے کرتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ ریاست ان کی بدترین دشمن تھی اور اس ریاست کے لوگ ان کے ملک کے ہر شخص کے جانی دشمن تھے۔ لیکن سوال تو یہ تھا کہ وہاں کیسے آگئے۔ انہیں تو یہاں گنگ لے آیا تھا۔ اور گنگ کی اپنی ریاست تھی۔ جس کا نام شون تھا۔“

”ریاست شون یہاں سے کتنی دور اور کس طرف ہے؟“

”شمال میں واقع ہے۔ یہاں سے پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر۔“

"کیا مطلب... کیا کام کریں گے۔"

"ہمارے بارے میں اطلاع دیں گے۔"

"تم اطلاع نہ دیں۔ تب بھی آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"پہلے جانیں گے۔ ہمیں تو حیرت ہے۔ آپ لوگ کنگ کی قید"

"کے لیے کیسے آئے؟"

"اس نے ہماری نگرانی پر کسی کو مقرر نہیں کیا تھا۔ لہذا ہم"

"مکمل طور پر اس کے قبضے میں تھا۔ اس لیے انہوں نے شہر سے"

"کی کوشش کی تھی۔"

"ہم سمجھ گئے۔ ہم یہاں سے کس طرح نکل سکتے ہیں؟"

"کنگ تم لوگوں کو جس راستے سے لایا تھا۔ تم لوگ اس"

"سے ہرگز نہیں نکل سکتے۔ کیونکہ کنگ کو تو کسی نے راستے میں"

"نہیں ہو گا۔ جب آپ جائیں گے تو آپ کو ہر چیک پوسٹ پر"

"جائے گا۔ آپ کون کون سی چیک پوسٹ کراس کریں گے؟"

"تب پھر آپ کوئی راستا بتائیں۔"

"ہم ایسے کاموں کے ماہر نہیں ہیں۔ نہ یہ ہمارا ایم ہے۔"

"لوگ ایسے کام کرتے ہیں، وہ تم لوگوں کو راستا بتا سکتے ہیں۔"

"ہمیں جانے دو۔ ہم تمہارے بارے میں کسی کو کچھ نہیں"

"گے۔"

"نزدیک ترین چیک پوسٹ پر پہنچتے ہی آپ لوگ یہی کہہ"

"وہ تین ملک کون کون سے ہیں؟"

"وٹاس، یازن، طین۔ اور شلو جستان۔"

"اوہ! ان کے منہ سے نکلا۔"

"اب وہ سمجھے کہ ان کے والد اچانک کیوں خوف زدہ"

"تھے۔ وہ کنگ کے بارے میں جانتے تھے۔ اور شاید شاد"

"مکمل طور پر اس کے قبضے میں تھا۔ اس لیے انہوں نے شہر سے"

"کی کوشش کی تھی۔"

"ہم سمجھ گئے۔ ہم یہاں سے کس طرح نکل سکتے ہیں؟"

"کنگ تم لوگوں کو جس راستے سے لایا تھا۔ تم لوگ اس"

"سے ہرگز نہیں نکل سکتے۔ کیونکہ کنگ کو تو کسی نے راستے میں"

"نہیں ہو گا۔ جب آپ جائیں گے تو آپ کو ہر چیک پوسٹ پر"

"جائے گا۔ آپ کون کون سی چیک پوسٹ کراس کریں گے؟"

"تب پھر آپ کوئی راستا بتائیں۔"

"ہم ایسے کاموں کے ماہر نہیں ہیں۔ نہ یہ ہمارا ایم ہے۔"

"لوگ ایسے کام کرتے ہیں، وہ تم لوگوں کو راستا بتا سکتے ہیں۔"

"ہمیں جانے دو۔ ہم تمہارے بارے میں کسی کو کچھ نہیں"

"گے۔"

"نزدیک ترین چیک پوسٹ پر پہنچتے ہی آپ لوگ یہی کہہ"

"گے۔" فرزانہ مسکرائی۔

نے پہلے ہی ہٹا دیے تھے۔

"دیکھو ہمارے دشمنوں۔ ہمیں تم تینوں سے کوئی ذاتی رشتہ ہے۔ تم لوگ ہمارے ملک کے دشمن ہو۔ ہمارے دین کے لیے۔ لہذا ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔"

"نہن نہیں۔۔۔ نہیں۔ ایسا نہ کرو۔"

"او کے! تب پھر ہم ایک اور کام کرتے ہیں؟"

"اور دو کیا؟"

تم لوگوں کو ہم اپنے ساتھ اپنے ملک لے جاسکتے ہیں۔ تم لوگ ہماری یہاں سے نکلنے میں مدد کرو۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

"کیسے ٹھیک رہے گا۔۔۔ تم تو کہہ رہے تھے۔۔۔ جانے۔"

"ہاں! لیکن اپنے ملک سے باہر نکلنے کے راستے تو جانے۔"

"اور جب چیک پوسٹیں آئیں گی۔ وہاں تم ٹھیک۔"

لے جاؤ گے؟"

"یہ ہمارا کام ہے۔"

"نہن جناب۔۔۔ فرزانہ مسکرائی۔"

"کیا مطلب۔۔۔ نہیں جناب۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"یہ بات اس طرح ہوئی کہ یہ آپ کا کام نہیں ہے۔"

پلی سی چیک پوسٹ پر کہ دیں گے کہ ہمیں گرفتار کر لیا جائے۔"

"اوہ۔۔۔ تو پھر تم بتاؤ۔۔۔ ہم تمہیں کیسے نکال لے جائیں؟"

"کوئی خفیہ راستا بتاؤ۔۔۔ جہاں کوئی چیک پوسٹ راستے میں نہ ہو۔"

"ایسا خفیہ راستہ ہم کہاں سے لائیں؟"

"تب پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔۔۔ شوٹ کر دو انہیں۔"

فلان رحمان پوئے۔

"نہن نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ نمبر۔۔۔ ہم بتاتے ہیں۔"

"کیا بتاتے ہیں۔۔۔ پہلے یہ بتاؤ۔"

"ایسا کرتے ہیں۔۔۔ ہم سمندر کے راستے نکل چلتے ہیں۔۔۔ سمندر

میں تو کوئی چیک پوسٹ نہیں ہوتی نا۔"

"بالکل ٹھیک۔۔۔ لیکن ہم سمندر میں لالچ کا بندوبست کیسے کریں

"یہ ہمارا کام ہے۔"

"پلو ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن اگر تم تینوں نے دھوکا دینے کی کوشش

کی تو انہم بہت بھیانک ہو گا۔۔۔ تمہارے دھوکے کی وجہ سے ہو سکتا

ہے۔ ہم بکڑے جائیں۔ یا مارے جائیں، لیکن اس سے پہلے ہم تم

کو ہر حال میں موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

"نہن نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہم تو لوگوں کا انداز دیکھ چکے ہیں۔ تم



"یہ لالچ پر ہمیں واپس بھیج دینے والی شرط؟" ڈی کوم نے  
سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں بالکل"۔ فاروق نے کہا۔

دوسروں نے فاروق کو مسکرا کر دیکھا۔

"آخر کیوں۔ اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟"

"ہے۔ ہم اتنے سیدھے نہیں جتنے کہ آپ خیال کر بیٹھے

"اوہ۔۔۔ آخر اس میں کیا خرابی ہے۔۔۔ اس کی توضاحت

کریں"۔ ڈی کوم نے جمل کر کہا۔

"خرابی اس میں یہ ہے کہ ہم آپ کو واپس آ جانے دیں گے۔۔۔

آپ اپنی ریاست کے ساحل پر آتے ہی ہمارے بارے میں ساحلی

پائیس کو خبردار کر دیں گے۔۔۔ وہ تیز رفتار ترین لالچ لے کر ہمارے

توقاب میں نکل جائے گی۔ اور جہاز تک پہنچ جائے گی"۔ فاروق نے

فائدہ انداز میں کہا۔

ڈی کوم اور جی کوم کے رنگ اڑ گئے۔ ڈرائیور نے بھی پلکیں

بھپکا گئیں۔

"واقعی آپ اتنے سیدھے نہیں جتنے کہ ہم خیال کر بیٹھے ہیں۔۔۔

براب آپ ہی بتائیں۔۔۔ اگر ہم کیا کریں آپ لوگوں کے لیے"۔

"کرنا تو اتنا ہی۔۔۔ لیکن جہاز پر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں

لوگوں کو دھوکا دینا آسان کام نہیں۔۔۔ لہذا ہم سمندر کے راتے

چلیں گے۔ ایک تفریحی جگہ ہے۔ وہاں کرائے پر لالچیں ملتی ہیں۔

اگر آپ میں سے کسی کو ڈرائیو کرنا آتا ہے۔۔۔ تو پھر لالچ ڈرائیو

بغیر بھی مل جائے گی۔۔۔ اس لالچ کے ذریعے آپ لوگ کسی جہاز

پہنچ جائیں گے۔۔۔ لیکن ہماری ایک شرط ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ آپ ہمیں ساتھ نہیں لے جائیں گے۔۔۔ جوئی

آپ ہمیں اسی لالچ میں واپس لوٹ جانے کی اجازت دے دیں گے۔

"اور آپ لالچ کیسے چلائیں گے؟"

"میرا ڈرائیور یہ کام جانتا ہے۔۔۔ پہلے یہ لالچ بھی چلا

ہے۔"

"ہمیں افسوس ہے"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"افسوس۔۔۔ کیسا افسوس؟" وہ چونک کر بولا۔

"پہلے تو یہ بتائیں۔۔۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

"میں۔۔۔ میں ڈی کوم ہوں۔۔۔ یہ جی کوم۔۔۔ ہم دونوں

ہیں۔ اور ڈرائیور کا نام مارٹن ہے۔" اس نے جلدی جلدی

کرایا۔

"تو مسٹر ڈی کوم، جی کوم۔۔۔ ہمیں آپ کی یہ شرط

ہے۔"

انتظام کر دیں گے۔ لیکن آپ اگر وہاں جا کر اپنے وعدے سے پھر  
مکرائے۔

”نہیں پھر میں گے۔ آخر ہمیں ضرورت کیا ہے پھرنے کی۔“

”اگر آپ کو ضرورت پیش آگئی پھرنے کی۔“ ڈی کوم مسکرایا۔

”کیوں ضرورت پیش آئے گی۔۔۔ سوال تو یہ ہے؟“

”فرض کر لیا۔۔۔ ضرورت پیش آ جاتی ہے۔“

”تب بھی ہم یہ وعدہ کرتے ہیں۔۔۔ اس ضرورت کی طرف توجہ

نہیں دیں گے اور آپ کو واپس ہی بھیج دیں گے۔“

”اوکے۔ آئیں چلیں۔۔۔ اور یاد رہے۔۔۔ یہ ہم صرف اس

لئے کر رہے ہیں کہ ہماری جائیں بچ جائیں۔۔۔ اگر ہمیں اپنی جائیں جاتی

نظر نہیں۔۔۔ تو پھر ہم بھی آزاد ہوں گے۔“ اس بار ڈی کوم کا لہجہ

دھمکی آمیز تھا۔

”کیا مطلب۔۔۔ اس دھمکی کا یہاں کون سا موقع ہے؟“ فاروق

نے چونک کر کہا۔

”آپ صرف یہ خیال رکھیں کہ ہماری زندگیوں کو کوئی خطرہ نہ

پیش آجائے۔۔۔ ورنہ ہم بھی پھر آپ کے لیے خطرناک ثابت ہوں

گے۔“

”آخر کیسے۔۔۔ آپ لوگ کیسے خطرناک ہو سکتے ہیں۔۔۔ اور اگر

ہو سکتے ہیں اس وقت کیوں نہیں ہو رہے؟“ فاروق نے جمل کر کہا۔

گے۔ ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اپنے ملک پہنچ کر آپ کی واپسی

انتظام کر دیا جائے گا۔ اس لیے کہ آپ سے ہماری کوئی دشمنی نہیں

ہے۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”ہمیں سوچنے دیں۔“

”ضرور سوچیں۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔“ خان رانا

مسکرائے۔

کئی منٹ تک وہ سوچ میں ڈوبے رہے۔ آخر ڈی کوم نے ہم

انہمایا۔

”سوال یہ ہے کہ آپ اپنے ملک پہنچ کر ہماری واپسی کا انتظام

کیسے کر دیں گے۔۔۔ وہاں کی پولیس تو ہمیں غیر قانونی داخلے کی بنیاد

پر گرفتار کر لے گی۔ آپ ہمیں ان سے کیسے چھڑائیں گے اور کب

واپس کے انتظامات کریں گے۔“

”ہم اپنے ملک کے عام آدمی نہیں ہیں۔۔۔ یہ ہمارے کارڈ

لیں۔“

کارڈ دیکھتے ہی ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”اف۔۔۔ تو آپ میں انسپکٹر جمشید کون ہیں؟“

”وہ اس وقت ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔۔۔ ہم سے چھڑنے

ہیں۔“

”اب ہمارا اطمینان ہو گیا ہے۔۔۔ آپ لوگ ضرور ہماری واپسی

"اس وقت صورت حال مختلف ہے۔ ہم تم لوگوں کے سنبھال رہے ہیں۔ لیکن اگر تم ہماری زندگیوں کی حفاظت نہ کر سکتے۔ تو تمہارے بعد ہم تمہارے لیے بہت خطرناک ثابت ہوں گے۔"

"آخر کیسے۔ آپ نے اس بات کی وضاحت اب تک نہیں کی۔"

"میں اس بات کی وضاحت نہیں کروں گا۔ آپ کو چلنا چاہیے۔ نہیں چلنا تو بے شک ہمیں گولی مار دیں۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم چلنا پسند کریں گے۔ اگر ہم غیر عافیت سے اپنے ملک پہنچ گئے تو پھر آپ کو بھی پوری حفاظت سے اہم سمجھا دیں گے۔"

"اوکے۔ وہ بولے۔"

اور پھر وہ ساحل پر پہنچ گئے۔ گاڑی ان کے ذریعہ پورے چلائی تھی۔ اور وہ ان کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی بڑی تھی۔ سب کے سب اس میں آسانی سے سما گئے تھے۔ ساحل پر کئی لاکھ موجود تھیں۔

"مارٹن! ان میں سے جس کی لالچ بڑی ہے۔ اسے اشارے سے بلاؤ۔" ڈی کوم بولا۔

"اوکے سر۔" ڈی کوم نے کہا اور منہ سے آواز نکالنے لگا۔

"مہم۔ میں کچھ ابھن محسوس کر رہی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ اللہ مالک ہے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"اس کے باوجود میں ابھن محسوس کر رہی ہوں۔" فرزانہ نے مدد طلبا۔

"تو کرتی رہو۔ ابھن محسوس کرنا اتنا برا بھی نہیں ہے۔ کسی مدد تک اچھا ہی ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

اسی وقت ایک لمبے قد کر آدمی وہاں آ گیا۔ جو نبی اس کی نظروں اندر بیٹھے ڈی کوم اور نبی کو ہم پر پس۔ وہ دھک سے رو گیا۔

"نگ۔ کیا حکم ہے جناب عالی۔"

"آپ کی لالچ چاہیے۔ ہم لوگ سیر کے لیے جائیں گے۔"

"آہ۔ آپ۔ آپ سیر کے لیے جائیں گے۔ میری لالچ میں۔"

"ہاں! ان لوگوں کے ساتھ۔" ڈی کوم نے کہا۔

"بہت بہتر۔ جو حکم۔" اس نے عجیب سے لمبے میں کہا اور چلا

"میں ابھن۔" فرزانہ نے پھر کہا۔

"اوہو۔ کرتی رہو محسوس۔ روکا ہے کسی نے۔" فاروق تھلا

فرزانہ چپ ہو گئی۔ وہ کار وہیں چھوڑ کر لالچ کی طرف آ گئے۔

"تشریف رکھئے جناب۔" اس نے نہایت ادب سے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ آپ کی ضرورت نہیں۔ ہم لالچ چلا لیں

گے۔ آپ فی الحال یہ رقم رکھ لیں واپسی پر اور رقم آپ کو دی ہو گی۔ ہماری کاروباری موجود ہے۔“

”جی ہاں! میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے لیے کوئی اور ہدایت اس کے لیے میں ابھن تھی۔“

”نہیں بس۔ شکریہ۔“

اور وہ لالچ میں روئے ہو گئے۔ اب لالچ خان رحمان چلا تھے۔ انہیں اس کا کام بہت تجربہ تھا۔

”انکل! میں اپنی ابھن کا کیا کروں؟“

”ہاں! اب وقت آیا ہے۔ تمہاری ابھن پر بات کرنے کی سچی بات یہ ہے کہ ہم خود بھی ابھن محسوس کرتے رہے ہیں لیکن اس وقت اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اب جب کہ ہم مکمل سمندر میں گئے ہیں۔ ہم اس مسئلے پر بات کر سکتے ہیں۔“ محمود نے پرسکون انداز میں کہا۔

”یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم بھی ابھن محسوس کرتے رہے ہو۔ لیکن اپنی حیرت کو چھپائے رہے۔ جب کہ میں نہیں چھپا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ اب کرنا کیا ہے؟“

”ایک منٹ۔۔۔ مسٹر ڈی کوم۔ لالچ والا آپ کو دیکھ کر قتل زدہ کیوں ہو گیا تھا؟“

”اوہ وہ۔۔۔ میں خود نہیں سمجھ سکا۔“ ڈی کوم کرایا۔

”اس نے لالچ دینے کے سلسلے میں بھی کوئی پوچھ سمجھ نہیں کی۔۔۔“

”ہم نے وہاں اپنی گاڑی جو چھوڑی ہے۔“

”گاڑی کی قیمت اس بڑی لالچ کے مقابلے میں بہت کم ہے۔“

خان رحمان بولے۔

”نہیں۔ ہماری گاڑی بہت قیمتی ہے۔“ جی کوم بولا۔

”تب پھر۔ آپ کون ہیں۔ آپ کے پاس اس قدر قیمتی گاڑی کہاں سے آگئی۔“

”ہم کافی دولت مند ہیں۔“

”یہ بات ماننے کو دل نہیں چاہتا۔“

”تو نہ مانیں۔ ہمیں کیا۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

”لیکن ہمیں تو ہے۔ میرا خیال ہے۔ بہت جلد ہم سمندر میں گمرنے والے ہیں۔ یہ بات درست ہے نا۔“

”نہیں نہیں۔ یہ بات درست نہیں۔“ ڈی کوم نے کہا۔

”ایک منٹ انکل۔ وہ وہ دیکھئے۔ ایک عدد جزیرہ۔ ذرا لالچ کو اس تک لے چلئے۔“

انہوں نے دیکھا۔ جزیرہ کسی جہاز کی طرح پانی میں کھڑا نظر آ رہا تھا۔

”کیوں۔ جزیرے پر جانے کی کیا ضرورت؟“

”بس ہے ضرورت۔۔۔ آپ چلیں۔“

خان رحمان نے لانچ جزیرے کے ساحل پر روک دی۔

”آئیے۔۔۔ ذرا اس جزیرے کی سیر ہو جائے۔“

”آخر تم لوگ کیا کر رہے ہو؟“ ڈی کوم نے بھنا کر کہا۔

”اس بات کو جانے دیں۔۔۔ اور ہم جو کہہ رہے ہیں وہ کریں۔“

ورنہ یہاں اس لانچ پر آپ کی لاشیں پڑی ہوں گی۔“ محمود نے

آواز منہ سے نکالی۔

اور پھر وہ جزیرے پر اتر گئے۔

”اکل اس لانچ کا انجن چلا کر اسے آزاد چھوڑ دیں۔“

کریں۔ یہ اس جزیرے سے دور نکل جائے۔“

”کیا مطلب؟“ ڈی کوم نے چیخ کر کہا۔

محمود نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ اور خان رحمان

کے لہجے کی سنجیدگی کو بھانپ چکے تھے۔ لہذا کچھ پوچھنے بغیر انہوں نے

لانچ چھوڑ دی۔ لانچ یہ جاوہ جانا۔ جلد ہی وہ نظروں سے لاپتہ ہو

گئی۔ ڈی کوم، جی کوم اور مارٹن کے چہرے تاریک پڑتے نظر آئے۔

”اب کیوں نہیں پوچھتے۔۔۔ یہ ہم نے کیا کیا؟“

”اب پوچھ کر کیا کریں گے۔“ ڈی کوم نے ڈھیلی ڈھالی آواز پر

کہا، یوں لگتا تھا جیسے اس کے جسم سے جان نکل گئی ہو۔

”خیر۔۔۔ نہ پوچھیں۔۔۔ ہم خود بتا دیتے ہیں۔ آپ اپنی دوا

دوا یا کے بہت خاص آدمی ہیں۔ یا تو بہت بڑے افسر۔ یا پھر کوئی

ادنیٰ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ریاست کے والی ہوں۔ اس لیے

لانچ والا آپ کو دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔ اور اس نے معاملے کی

ہر اہمیت کو بھانپ لیا ہو گا۔ نتیجہ یہ کہ اب وہ پولیس کو خبر کرے

گا۔ پولیس ساحل پر آئے گی۔ حالات کا جائزہ لے گی۔ ریاست

کے حکام سے آپ کا پروگرام پوچھے گی اور اندازہ لگائے گی کہ آپ کو

انوا کیا گیا ہے۔ لہذا سمندر میں تعاقب شروع ہو جائے گا۔ جلد ہی

اس لانچ کو گھیر لیا جائے گا۔ لیکن افسوس مسٹر ڈی کوم۔ تم لوگ اس

لانچ پر انہیں نہیں ملو گے۔ ہا ہا ہا۔“ محمود اتنا کہ کر خاموش ہو گیا۔

”ہاں! یہی بات ہے۔ افسوس تم سمجھ گئے۔“ ڈی کوم نے

برطانوی کے عالم میں کہا۔

”ہم میں بس یہی بری بات ہے کہ سمجھ جاتے ہیں۔ ویسے آپ

کہن ہیں۔ اب تو معاملہ صاف ہو ہی گیا ہے۔ چھپا کر کیا کریں

گے۔“

”میں اس ریاست کا والی ہوں۔ ڈی کوم۔ یہ میرے سگے

بھائی ہیں۔“

”اور آپ کہاں گئے تھے؟“

”وہ۔۔۔ ہم۔۔۔ بس۔۔۔ یونی۔۔۔ گھومنے پھرنے نکل گئے تھے۔“

”جی نہیں۔ آپ لوگ گھومنے نہیں گئے تھے۔ جلدی سے ج

بتادیں۔۔۔ ورنہ آپ کے لیے اب برا وقت آیا چاہتا ہے۔

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"مطلب یہ کہ آپ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔"

اب ہمارا آپ کا معاہدہ ختم۔ ہم آپ کو اس جزیرے پر موت  
حوالے کے کر دیں گے۔۔۔ اور خود کسی جہاز پر سوار ہو جائیں گے۔

"تت۔۔۔ تم پاگل ہو۔" ڈی کوم چلا اٹھا۔

اس کے ساتھیوں کے چہرے بھی خوف سے سفید ہو چکے

تھے۔

"ہاں! ہم پاگل ہیں۔ لیکن اگر آپ نے گزبوند کی ہوتی

بھی پاگل نہ ہوتے۔"

"لیکن اس میں ہمارا کیا قصور۔ ہم نے تو صرف وہ کیا ہے

جو تم لوگوں نے کہا تھا۔"

ڈی کوم نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

"اوہو۔ اگر آپ لانچ والے کو یہ کہتے کہ آپ ایک

مشن پر جا رہے ہیں۔۔۔ کسی کو نہ بتائے۔ تو کیا ہم لانچ میں  
نکل سکتے تھے۔"

قاروق نے جلتے جلتے انداز میں کہا۔

"ہاں! یہ ہو سکتا تھا۔۔۔ لیکن آپ نے ہمیں یہ ہدایات نہیں

تھیں۔"

"اس وقت ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ اس ریاست کے والی

ہیں۔"

"اب۔۔۔ اب کیا ہو گا؟" جی کوم نے کانپ کر کہا۔

"اب وہی ہو گا۔ جو خدا کو منظور ہو گا۔"

بین اس وقت انہوں نے پہلی لاپرواہی سے

وہ چونک اٹھے۔



"میں نہیں معلوم سر۔ اس لیے کہ شرابو کے ذمے سردار  
کا موت کی تحقیقات لگائی گئی تھیں۔ اودہ اسی سلسلے میں مصروف  
ہو گئے۔" جانیہ کے ایک ساتھی نے کہا۔

"او کے۔۔۔ مسٹر شرابو کو تلاش کرو۔ وہ جہاں بھی ملے۔۔۔ اسے  
پکڑ لے آؤ۔"

"جی ہمت بہتر۔" جانیہ نے فوراً کہا۔

پھر وہ اپنے ساتھیوں کو چلے کر چلا گیا۔ ان کے جانے کے بعد  
انہوں نے کہا۔

"ہارڈن۔۔۔ کہاں ہو؟"

"میں یہاں ہوں کنگ۔" ایک بالکل سیاہ قام آدمی نے کرسی  
پر لیٹے ہوئے کہا۔

"اس کا جسم بھی پھاڑ جیسا تھا اور چہرہ حد درجے خوفناک۔ دیکھ  
آدمی آدمی کے اوسان خطا ہوتے تھے۔"

"مجھے ان لوگوں پر شک ہے۔۔۔ گانوی کی موت پر اسرار ہے۔۔۔  
مسٹر شرابو کی غیر حاضری اس کی موت سے بھی زیادہ پر اسرار  
ہے۔ پتا لگائو۔ وہ کہاں ہے۔"

"بہت بہتر کنگ۔۔۔ یہ کام میرے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہو  
گا۔ کیا میں جانیہ اور اس کے ساتھیوں سے پوچھ گچھ کر سکتا ہوں۔"

"ہاں! کیوں نہیں۔"

## دھماکا

کنگ کا دربار سجا ہوا تھا۔۔۔ ہر کوئی بالادب کھڑا تھا۔ کرسیاں  
بیٹھنے والے بھی اس طرح بالادب بیٹھے تھے۔ کہ جیسے کھڑے ہوں۔  
"جانیہ۔۔۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔۔۔ قیدی فرار ہو گئے۔"

"ہاں کنگ۔۔۔ لیکن اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ ہم نے  
کیا ہے۔۔۔ جس کا حکم ہمیں مسٹر شرابو نے دیا تھا۔"

"اور شرابو نے کیا حکم دیا تھا؟" کنگ نے سرد آواز میں کہا۔  
"ان کی ہدایت یہ تھی کہ رات کے وقت ان کی کوفٹیں

دروازہ بند نہ رکھا جائے اور نہ عمارت کا اندرونی دروازہ اندر سے  
رکھا جائے۔۔۔ دوسری بات یہ کہ صرف بیرونی دروازہ بند رکھیں۔

ہدایت انہوں نے دی تھی۔۔۔ اور ہم نے اس پر عمل کیا تھا۔۔۔ یہ  
لوگ اس پر گواہ ہیں۔"

"کیوں۔۔۔ یہی بات ہے؟" کنگ نے کہا۔

"نہیں سر۔۔۔ سو فیصد یہی بات ہے۔"

"او کے۔۔۔ مسٹر شرابو کہاں ہیں؟"

"جانیو۔ یہ تم نے مجھ سے کس لمحے میں بات کی۔ کیا تم

"اب دربار کل اسی وقت لگے گا۔ اس وقت تک میں اس کے مقام سے واقف نہیں۔ کنگ کو بتانا اچھا مجھ پر ہے۔ اور کسی موجود ہو۔ اور گانو کی موت کے بارے میں تحقیقات بھی مکمل ہو گئی ہیں۔"

"جانتا ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ہمیں

"آپ فکر نہ کریں کنگ۔ یہ خادم کل اسی وقت دروازہ کھولے گا اور آپ کو اندر لے جائے گا۔ آپ کی ڈیوٹی اگر تفتیش کرنے کی لگی ہے تو تفتیش کریں۔ ڈرائمن نہ۔"

"بہت خوب!" یہ کہ کنگ اٹھ کھڑا ہوا۔ باقی سب لوگ "اوکے۔ میں پہلے تم سے پوچھتا ہوں۔ شرابو کہاں ہے۔" "وہ مجھے بتا کر نہیں گیا۔ نہ ہی اس کا افسر ہوں کہ اس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔"

ادھر ہارڈن فوراً جانیو اور اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ "اوہ مشربارڈن آپ؟" جانیو کا ایک ساتھی چونک کر بولا۔ "اب کنگ نے مجھے سرانفرسانی پر مقرر کیا ہے۔ میں شرابو کے فطرتاً ہو سکتی ہے۔"

"تم سیدھی طرح جواب نہیں دے رہے۔ یہ بات تمہارے "میں نے بالکل درست جواب دیا ہے۔" "تم نے آخری بار اسے کب دیکھا تھا؟"

"کل۔ جب ہم کنگ کے دربار سے لوٹے تھے۔ وہ قیدیوں کی کھڑکیوں کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جو شخص جواب نہیں دے گا۔ میں اسے گردن توڑ دوں گا۔ اور اگر ادھر ادھر کے جوابات دیے تو پھر کنگ لوگوں کو کنگ کے پاس پیش کر دوں گا۔"

"آپ بلاوجہ ہمیں ڈرا رہے ہیں۔ آخر اس میں ہمارا کیا فائدہ ہے۔ اگر آج شرابو کنگ کے دربار میں حاضر نہیں ہوا۔ یہ کیا فائدہ ہے۔"

داری اس کی تھی۔ ہماری نہیں کہ اسے پیش کرتے۔ جانیو نے "تم گانو کی موت کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"جی کہ وہ مر گیا۔ اس کی لاش جمیل سے ملی ہے۔ یہ باتیں منہ بتایا۔"

"بہت خوب۔۔۔ شکر یہ کنگ۔"

"اب دربار کل اسی وقت لگے گا۔ اس وقت تک میں اس کے مقام سے واقف نہیں۔ کنگ کو بتانا اچھا مجھ پر ہے۔ اور کسی موجود ہو۔ اور گانو کی موت کے بارے میں تحقیقات بھی مکمل ہو گئی ہیں۔"

"جانتا ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ہمیں

"آپ فکر نہ کریں کنگ۔ یہ خادم کل اسی وقت دروازہ کھولے گا اور آپ کو اندر لے جائے گا۔ آپ کی ڈیوٹی اگر تفتیش کرنے کی لگی ہے تو تفتیش کریں۔ ڈرائمن نہ۔"

"بہت خوب!" یہ کہ کنگ اٹھ کھڑا ہوا۔ باقی سب لوگ "اوکے۔ میں پہلے تم سے پوچھتا ہوں۔ شرابو کہاں ہے۔" "وہ مجھے بتا کر نہیں گیا۔ نہ ہی اس کا افسر ہوں کہ اس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔"

ادھر ہارڈن فوراً جانیو اور اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ "اوہ مشربارڈن آپ؟" جانیو کا ایک ساتھی چونک کر بولا۔ "اب کنگ نے مجھے سرانفرسانی پر مقرر کیا ہے۔ میں شرابو کے فطرتاً ہو سکتی ہے۔"

"تم سیدھی طرح جواب نہیں دے رہے۔ یہ بات تمہارے "میں نے بالکل درست جواب دیا ہے۔" "تم نے آخری بار اسے کب دیکھا تھا؟"

"کل۔ جب ہم کنگ کے دربار سے لوٹے تھے۔ وہ قیدیوں کی کھڑکیوں کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جو شخص جواب نہیں دے گا۔ میں اسے گردن توڑ دوں گا۔ اور اگر ادھر ادھر کے جوابات دیے تو پھر کنگ لوگوں کو کنگ کے پاس پیش کر دوں گا۔"

"آپ بلاوجہ ہمیں ڈرا رہے ہیں۔ آخر اس میں ہمارا کیا فائدہ ہے۔ اگر آج شرابو کنگ کے دربار میں حاضر نہیں ہوا۔ یہ کیا فائدہ ہے۔"

داری اس کی تھی۔ ہماری نہیں کہ اسے پیش کرتے۔ جانیو نے "تم گانو کی موت کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"جی کہ وہ مر گیا۔ اس کی لاش جمیل سے ملی ہے۔ یہ باتیں منہ بتایا۔"



حاش میں نکل گیا ہو۔

”اس کی ڈیوٹی گانو کی موت کا سراغ لگانے کی گئی تھی۔۔۔ نہ کہ انسپکٹر جشیہ کو حاش کرنے کی۔۔۔ یہ ڈیوٹی تم لوگوں کی لگائی گئی تھی۔“  
 ”اور ہم انسپکٹر جشیہ کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر لائے تھے۔“  
 ”جانیہ سکرایا۔“

”لیکن انسپکٹر جشیہ کو گرفتار نہیں کر سکے تھے۔“  
 ”یہ کام گانو نے اپنے ذمے لیا تھا۔“ ایک ساتھی نے کہا۔  
 ”میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ تم بس اس وقت تک میرے ہاتھوں سے بچے ہوئے ہو۔۔۔ جب تک میں شرابو کی لاش تلاش نہیں کر لیتا۔۔۔ جو خفی مجھے لاش ملی۔۔۔ تم گئے کام سے۔“  
 ”تب پھر پہلے اس کی لاش تلاش کر لیں۔“ جانیہ نے منہ ہٹایا۔  
 ”میں تم لوگوں کو وارننگ دے رہا ہوں۔ ادھر ادھر جانے کی کوشش نہ کرنا۔۔۔ میرے ماتحت مجھے پل پل کی خبریں گے۔“ یہ کہ کر وہ پیچھے کی طرف ہڑا اور اس طرف منہ کر کے بلند آواز میں بولا۔  
 ”تم لوگ سن رہے ہو۔“

”پائلٹ سمجھو۔ آپ غلط نہ کریں۔۔۔ ہم ان لوگوں کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیں گے۔“

”تو کیا ہم خود کو قیدی سمجھیں۔“ جانیہ نے جل کر کہا۔  
 ”نہیں۔ لیکن اب تم جہاں بھی جاؤ گے۔۔۔ میرے ماتحت تمہارا

ہمیں شرابو کے بیان سے معلوم ہوئی تھیں۔“

”تم بہت خطرناک کھیل کھیل رہے ہو۔“ ہارڈن نے سخت لہجے میں کہا۔  
 ”تم سمجھتے نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔۔۔ آپ کا اشارہ ہمارے کھیل کی طرف ہے۔“

”ہم بہت اچھی طرح سمجھ رہے ہو۔ کہ میں کیا کہ رہا ہوں۔ کس کھیل کی بات کر رہا ہوں۔ پہلے تم نے گانو کو موت کے گھاٹ اتارا۔ کیونکہ تم لوگ انسپکٹر جشیہ کو تلاش نہیں کر سکتے تھے پھر تم نے میری وار شرابو پر کیا۔ کیونکہ وہ جان گیا تھا کہ گانو کو کس نے مارا ہے۔ شرابو اگر آج کنگ کے دربار میں یہ بیان دے دیتا کہ پاس مارٹن کی رپورٹ یہ کہتی ہے کہ اس کے جسم کو گولیوں سے چھلنی لگا تھا پھر جیل میں ڈلوایا گیا۔ تو تم کہاں ہوتے؟“

”آپ بلاوجہ ادھر ادھر کی ہانک رہے ہیں۔۔۔ اگر ہم نے شرابو ہلاک کیا ہے تو پھر اس کی لاش کہاں ہے؟“

”میں بہت جلد اس کی لاش کو تلاش کر لوں گا۔ یہ پتاں اور کھائیاں مجھ سے پیچھی ہوئی نہیں ہیں۔ میں یہاں کے چپے چپے واقف ہوں۔“

”تب پھر آپ پہلے اس کی لاش تلاش کر لیں۔ اس کے بارے سے بات کریں۔ کیا اس بات کا امکان نہیں کہ وہ انسپکٹر جشیہ

تقاب کریں گے۔“

”ہمیں اس کی پروا نہیں۔“ جانیانے کہا۔  
”تو بپ رے۔۔۔ آپ تو مجھے کرویں گے بدنام۔“ جانیانے

”تمیں پروا اس وقت ہوگی۔ جب شرابو کی لاش مجھے ملے گی۔“

جانیانے گی۔“

”اور وہ آپ کو ملے گی نہیں۔ اس لیے کہ شرابو تو انسپکٹر جشیہ کی تلاش میں گیا ہوا ہے۔“

”نہیں۔۔۔ وہ صرف اور صرف گانوں کی موت کی تحقیقات کر رہا ہے۔“

تھانے کہ تم لوگوں نے اسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔۔۔ ورنہ تمہارا راز فاش ہو جاتا۔۔۔ اس بار ایسا نہیں ہو گا۔۔۔ تم مجھے ٹھکانے نہیں لگا سکو گے۔“

اس لیے کہ دس خفیہ ماتحت ہر وقت مجھے نظروں میں رکھتے ہیں۔۔۔ ہم بہتر سر۔۔۔ کئی آوازیں ابھریں۔۔۔ مطلب یہ کہ تم مجھے تو دیکھ سکتے ہو۔ انہیں نہیں۔۔۔ ابھی تم ان میں سے ایک کی آواز سن چکے ہو۔“

”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ ہم نے آواز سنی ہے۔ لیکن ہمیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا آخر آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ کام انسپکٹر جشیہ کر رہے ہیں۔“

”لیکن۔۔۔ وہ ہیں کہا؟“

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔۔۔ حیرت ہے! کمال ہے۔“

جانیانے جل بھن کر کہا۔  
”اور میں کس سے پوچھوں۔۔۔ مسٹر جانیانے۔۔۔ سچ یہ ہے کہ مجھے ہر وقت اپنی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔“

"میں نہیں جانتے.... آخر ہم بھی کنگ کے لیے کام کرنے  
"اس صورت میں کنگ کا ہاتھ سمجھ لو ہماری گردنوں پر ہاتھ لگائیں۔" جانیا نے منہ ہنایا۔

گیا.... کیونکہ انسان ان کھائیوں میں بے شک نہیں اتر سکتا۔ "تجھے کھو۔۔۔ اب نہیں" اب تم اس کے خلاف سازش کرنے  
ضرور اتر جائیں گے.... اور لاش کا کھوج لگا لیں گے۔" جانیا نے ہنس کر کہا۔

"اف مالک! ہم تو مگے پھر کام سے۔" دوسرے نے کہا۔  
"میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔" جانیا کی آواز ابھی۔۔۔ اس الزم کا کاشیوت کیا ہے  
"اور وہ کیا؟"

"وہ مسٹر ہارڈن حاصل کرنے والے ہیں۔" وہ ہنسا۔  
"ایسے نہیں.... کان میں بتا سکتا ہوں۔"

"تب پھر پہلے میرے کان میں بتاؤ۔" ایک نے آگے آکر کہا۔  
جانیا نے ترکیب اس کے کان میں بتا دی.... وہ بہت

اچھا.... پھر اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔  
"تن نہیں.... نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔"

"آخر کیوں نہیں ہو سکتا۔"

"تم جانتے ہو جانیا.... ہم میں سے کسی میں یہ ہمت نہیں ہونے کا قاعدہ کیا۔" جانیا مسکرایا۔

اور پھر۔۔۔ وہ کہتے کہتے رک گیا.... کیونکہ اسی وقت اس کی  
دروازے کی طرف اٹھ مٹی تھیں.... وہاں ہارڈن کا ایک ہاتھ وہ خاموشی سے کھڑا اسے ٹکرا رہا.... پھر نرم آواز میں بولا۔

"ہی! تم نے ٹھیک کہا۔ ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔ لیکن اسے  
"اے۔۔۔ تم کیا کھسک پھر کر رہے ہو.... اب تمہاری کونجی۔۔۔ کہ ہارڈن تمہارے جرم کا ثبوت آخر کار حاصل کر لے گا۔"

کامیاب نہیں ہو گی.... تم ہارڈن کو نہیں جانتے۔"

"کچھ تم لو۔۔۔ جب ضرورت پڑے پڑھ کر سنا دیتا۔" جانیا نے برا

"اور اگر نہیں ملتے تب؟" ایک نے کہا۔

"اس صورت میں کنگ کا ہاتھ سمجھ لو ہماری گردنوں پر ہاتھ لگائیں۔" جانیا نے منہ ہنایا۔

گیا.... کیونکہ انسان ان کھائیوں میں بے شک نہیں اتر سکتا۔ "تجھے کھو۔۔۔ اب نہیں" اب تم اس کے خلاف سازش کرنے  
ضرور اتر جائیں گے.... اور لاش کا کھوج لگا لیں گے۔" جانیا نے ہنس کر کہا۔

"اف مالک! ہم تو مگے پھر کام سے۔" دوسرے نے کہا۔  
"میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔" جانیا کی آواز ابھی۔۔۔ اس الزم کا کاشیوت کیا ہے  
"اور وہ کیا؟"

"وہ مسٹر ہارڈن حاصل کرنے والے ہیں۔" وہ ہنسا۔  
"ایسے نہیں.... کان میں بتا سکتا ہوں۔"

"تب پھر پہلے میرے کان میں بتاؤ۔" ایک نے آگے آکر کہا۔  
جانیا نے ترکیب اس کے کان میں بتا دی.... وہ بہت

اچھا.... پھر اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔  
"تن نہیں.... نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔"

"آخر کیوں نہیں ہو سکتا۔"

"تم جانتے ہو جانیا.... ہم میں سے کسی میں یہ ہمت نہیں ہونے کا قاعدہ کیا۔" جانیا مسکرایا۔

اور پھر۔۔۔ وہ کہتے کہتے رک گیا.... کیونکہ اسی وقت اس کی  
دروازے کی طرف اٹھ مٹی تھیں.... وہاں ہارڈن کا ایک ہاتھ وہ خاموشی سے کھڑا اسے ٹکرا رہا.... پھر نرم آواز میں بولا۔

"ہی! تم نے ٹھیک کہا۔ ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔ لیکن اسے  
"اے۔۔۔ تم کیا کھسک پھر کر رہے ہو.... اب تمہاری کونجی۔۔۔ کہ ہارڈن تمہارے جرم کا ثبوت آخر کار حاصل کر لے گا۔"

کامیاب نہیں ہو گی.... تم ہارڈن کو نہیں جانتے۔"

"کچھ تم لو۔۔۔ جب ضرورت پڑے پڑھ کر سنا دیتا۔" جانیا نے برا

سامنے بنایا۔

"ابھی بات ہے۔۔۔ مجھے نظر آ رہا ہے۔ کہ تمہارے پاس آگئے ہیں۔"

"جہاں نہیں۔۔۔ کس کے برے دن آگئے ہیں۔۔۔ مجھے یہ ہے کہ تمہارے برے دن آگئے ہیں۔"

"کیا کہا۔۔۔ ہمارے برے دن۔۔۔ بارون کے ساتھیوں کے دن۔۔۔ اس نے چمک کر کہا۔

"نہ صرف تمہارے برے دن۔۔۔ بلکہ بارون کے بھی دن۔"

"گھاس کھا گئے ہو کیا؟" وہ بولا۔

یعنی اس لمحے باہر ایک دھماکا ہوا۔

○ ☆ ○

بھاگ۔

"تھیں۔۔۔ تم لوگ حیرت انگیز ہو۔۔۔ تم نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ہماری تلاش اس پیلے پر شروع ہونے والی ہے۔" ڈی کوم نے ہلکا کر کہا۔

"کیا کریں۔۔۔ مجبوری ہے جناب۔" فاروق مسکرایا۔

"مجبوری۔۔۔ کیسی مجبوری؟"

"اندازے لگانے کی۔۔۔ ہم اندازے لگانے پر مجبور ہیں۔۔۔ کیونکہ

جزیرہ

"لہجے۔۔۔ آگئے تلاش کرنے والے۔۔۔ لیکن یہ ہمیں نہیں۔۔۔ لانچ کو تلاش کریں گے۔۔۔ پھر لانچ کو روکنے کی دھمکی دیں گے۔ لیکن ان کی دھمکی کارگر نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ لانچ میں کوئی ہو گا تو لانچ کو روکے گا نا۔۔۔ نتیجہ یہ کہ وہ چراغ پا ہو جائیں گے۔ لیکن آپ کو کیا پتا۔۔۔ چراغ پا کیا ہوتا ہے۔۔۔ یا کیسے ہوا جاتا ہے۔" فاروق نے جلدی بلدی کہا۔

"تھہ ہو گئی۔۔۔ ایسی چوڑی تقریر کرنے کی یہاں کیا ضرورت تھی

اگر ہم اندازے نہ لگائیں تو اندازے ہمیں لگانے لگتے ہیں۔"

"میں.... میں کچھ سمجھا نہیں۔" ڈی کوم نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"مسٹر ڈی کوم۔ ان کی باتیں سمجھنے کے لیے انسان کے پاس باقی کا دماغ ہونا چاہیے۔ آپ کے پاس باقی کا دماغ ہے؟"

"نہیں.... نہیں تو۔" جی کوم نے بوکھلا کر کہا۔

"لیکن اس جزیرے پر ہم آپ کے لیے باقی کے دماغ کا انتظام نہیں کر سکتے.... ہمیں افسوس ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلے۔ ان شاء اللہ ایک عدد بڑے باقی کا دماغ آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔"

"آپ چپ نہیں رہ سکتے۔" مارٹن نے بھنا کر کہا۔

"یہ کہی آپ نے کام کی بات۔" محمود مسکرایا۔

"گویا آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ آپ کے یہ ساتھی چپ جائیں۔"

"ہماری تو یہ دیرینہ خواہش ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"حیرت ہے.... یہ آپ کی خواہش کا بھی احترام نہیں کرتے۔" ڈی کوم نے طنز لے لے کر کہا۔

"احترام کرتے ہیں.... لیکن...."

یعنی اس وقت ہیلی کاپٹر جزیرے کے اوپر سے گزرا لیکن وہ

ہیلی کاپٹر کی آواز سنتے ہی درختوں کی اوٹ میں ہو گئے تھے۔ اور اس

محل کے لیے محمود نے ان پر پھنسل بھی تان لیا تھا۔ تاکہ وہ اوٹ سے نکال کر ہیلی کاپٹر میں بیٹھے لوگوں کو کوئی اشارہ نہ دے دیں۔"

اب ہیلی کاپٹر اس سمت میں جا رہا تھا.... جس طرف لالچ مٹی لگا۔ جلد ہی وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"اب تو ہم ساحل کی طرف جا سکتے ہیں۔" ڈی کوم نے کہا۔

"ابھی نہیں۔ اگر آپ نے ساحل کی طرف جانے کی کوشش کی۔ تو ہم آپ کو گولی مار دیں گے.... آپ اب ہمارے لیے کوئی حیرت نہیں رکھتے.... یہاں سے ہم کسی نہ کسی جہاز پر سوار ہو ہی جائیں گے۔ اس طرف سے تو ہمارے ملک کے جہاز بھی گزرتے ہیں۔"

گوشت نے سرد آواز میں کہا۔

انہیں تو جیسے سانپ سوگھ گیا.... کافی دیر خاموش رہنے کے بعد ڈی کوم بولا۔

"کاش تم لوگ میری ریاست کے باشندے ہوتے۔"

"تو پھر.... اس صورت میں کیا ہو جاتا۔"

"میں تم لوگوں سے ریاست کے لیے بہت کام لے سکتا تھا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ وہی بہت کام ہم اپنے ملک کے لیے لے رہے ہیں۔"

"وہ تو میں اندازہ لگا سکتا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

”چلے آپ سکرائے تو۔“

اسی وقت کئی لالچیں آتی نظر آئیں۔

”اے باپ رہے۔ اب بڑے پلانے پر آپ کی تلاش شروع ہو گئی ہے۔“

خان رحمن بولا۔

”اور اس جزیرے کو بھی گھیرا جا گا۔“ ڈی کوم مسکرایا۔

”لیکن اس وقت آپ ہماری ذر پر ہوں گے۔ پلے ہم سب

ختم کریں گے۔۔۔ پھر ان سے لڑیں گے۔۔۔ لڑتے لڑتے جان دے دیں گے۔ کیا سمجھے؟“

”مطلب یہ کہ آپ کے لیے ہتھیار رہے گا کہ یہ لوگ جزیرے

کی طرف نہ آئیں۔“ فاروق بولا۔

”ہاں۔ آپ دعا کریں۔ کہ وہ اس طرف نہ آئیں۔“ فرار

سکرائی۔

”آپ لوگ عجیب ہیں۔“

”ہاں! عجیب تو خیر ہم ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ

غریب بھی ہیں۔“

”آپ لوگ شاید اوٹ پناہگ باتیں کرنے کے بہت عادی ہیں۔“

”ایک حد تک۔ لیکن وہ بھی ضرورت کے تحت۔“

ضرورت نہیں ہوتی تو ہم بالکل بات نہیں کرتے۔“ فاروق بولا۔

”اوہ۔۔۔ پورا ایک بحری جہاز۔۔۔ ہم۔۔۔ میرا مطلب ہے

جہاز آرہے ہے۔“ پروفیسر داؤد کی آواز نے انہیں چوکا دیا۔

اب وہ خوف زدہ انداز میں اس سمت میں دیکھنے لگے۔۔۔ جنگلی

جہاز کافی رفتار سے جزیرے کی طرف آ رہا تھا۔

”تو انہوں نے اندازہ لگا لیا۔ کہ ہم یہاں ہیں۔“ فاروق

بیٹایا۔

”ہاں! پہلی کلپٹر پر دو جہین نصب ہو گئی۔ اس کے ذریعے انہوں

نے دیکھا ہو گا۔“

”اللہ مالک ہے۔“

”اب تم کیا کرو گے۔ کیا ایک جنگی جہاز کا مقابلہ کر سکو گے۔“

ای کوم ہنسا۔

”ہاں نہیں۔ لیکن ایک بات طے ہے۔“

”اور وہ کیا؟“

”آپ لوگ تو مجھے کام سے۔“

”ہم بھی کام سے نہیں جائیں گے۔ میرے فوجی اس قسم کے

بھروسے کے بہت ماہر ہیں۔“

”خیر خیر۔ ہم ان کی مہارت دیکھیں گے۔“

اور پھر جہاز جزیرے سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گیا۔۔۔ پھر ہینکر

پر آواز ابھری۔

”ہم جانتے ہیں۔ آپ لوگ اس جزیرے پر موجود ہیں۔۔۔ مسٹر

ڈی کوم، مسٹر جی کوم اور مسٹر مارٹن آپ لوگوں کے قبضے میں ہیں۔ ہماری پیش کش ہے کہ آپ ان تینوں کو چھوڑ دیں۔ اس کے بعد ہم آپ لوگوں سے کوئی غرض نہیں رکھیں گے۔ خاموشی سے چلے جائیں گے۔“

”مسٹر مارٹن۔ آپ اس جگہ سے نکل کر کچھ دور کھلے آسمان کے نیچے جائیں اور بلند آواز میں کہیں۔ کہ جب ہم آپ تینوں کو جنگی جہاز پر سورا ہونے دیں گے تو اس کے بعد تو آپ اس جزیرے کو توپوں سے ایک منٹ میں اڑا دیں گے۔ پھر بھلا آپ یہیں دیں گے۔ ذرا اس بات کی وضاحت کر دیں۔“

”مارٹن کی بجائے آپ مجھے جا کر بات کرنے دیں۔ میں آپ کی رہائی کا وعدہ کرتا ہوں۔“ ڈی کوم نے بے چین ہو کر کہا۔

”نہیں۔۔۔ آپ نہیں جاسکتے۔“

اور مارٹن وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اس نے محمود کی بات دہرا دی۔ جہاز پر چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔۔۔ آخر آواز ابھری۔

”تب پھر ہم آپ کا اطمینان کس طرح کرائیں؟“

اس کا جواب معلوم کرنے کے لیے مارٹن پھر ان کی طرف آیا۔

”مسٹر مارٹن۔۔۔ ان سے کہیں۔۔۔ ہمارا مسٹر ڈی کوم۔ اور ڈی کوم کو جان سے مار ڈالنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ ہم تو بس ان کے ذریعے اپنے ملک تک جانا چاہتے ہیں۔“

”تب پھر۔ اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔“

”ہمارے ملک کا ایک جہاز ہمارے ملک سے یہاں منگوا لیا جائے۔ ہم اس پر سوار ہو جائیں گے اور اپنے ساحل پر پہنچ کر ہم ہوائی جہاز کے ذریعے انہیں واپس بھجوا دیں گے۔“

”یہ دونوں صوتیں آسمان نہیں ہیں۔ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں۔ آپ لوگ جہاز پر آ جائیں۔ ہم خود آپ کو آپ کے ملک کی سرحد تک چھوڑ آئیں گے۔“

”ہم آپ کے وعدے پر اعتبار نہیں کر سکتے۔“ خان رحمان نے فوراً کہا۔

”تم لوگ مجھے بات کرنے دو۔“ ڈی کوم نے جھلا کر کہا۔

”آپ ساحل پر نہیں جاسکتے۔ مارٹن کو یہاں بلا کر بات کر لیں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ بلاؤ مارٹن کو۔“

جلد ہی مارٹن وہاں آ گیا۔

”ان لوگوں کو میری طرف سے کہو۔۔۔ یہ جیسے کہتے ہیں، کہ والہ ان کے ملک کا جہاز منگا لو۔ مجھے ان سے ان کی شرائط پر کوئی فکر نہیں ہے۔ ہاں اگر ہم نے ان کی شرط نہ مانی۔ تو پھر ضرور ہم غصے میں ہیں۔“

مارٹن یہ پیغام لے کر چلا گیا، دوسری طرف سے جواب ملا۔

"اس طرح ہماری ریاست کی بہت بدنامی ہوگی۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں۔ اپنے ملک کے اخبارات میں ایسی کڑی بات شائع نہیں ہونے دیں گے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"اچھی بات ہے۔ ہم ان کے ملک سے رابطہ کرتے ہیں۔" اور پھر جہاز وہاں سے نکل گیا۔ دوسرے دن ان کے ملک کا ایک جہاز وہاں پہنچ گیا۔

"کیا اس جزیرے پر انسپکٹر جمشید کے بچے اور ان کے دوست موجود ہیں؟"

"ہاں! بالکل۔ آپ کون ہیں۔۔۔ اپنا تعارف کرائیں۔"

"ہمیں حکومت پاک لینڈ نے بھیجا ہے۔ ریاست لاوا جا کی حکومت نے معاہدہ کیا ہے۔"

"آپ میں سے ایک صاحب اتر کر جزیرے پر آ جائے۔ دوسرے دار ہو۔۔۔ اور جس کے پاس اپنی شناخت کے کاغذات ہوں۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" جہاز پر سے کہا گیا۔

"ہمیں پورا اطمینان کرنا پڑے گا۔"

"کیا آپ کو جہاز پر پاک لینڈ کا جمنڈا نظر نہیں آ رہا؟" بوٹاؤ گھوڑا تھا۔

وہ چونک اٹھے۔ ان کے لیے بھیجے جانے والے کا بوٹاؤ گھوڑا نہیں ہو سکتا تھا۔

"نہیں جناب۔۔۔ جمنڈا کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ کیا ریاست لاوا جا میں ایسا جمنڈا نہیں ہو سکتا۔"

"آپ لوگ عجیب ہیں۔ ہمیں اتنی دور سے بلایا۔ اور اب ہماری شناخت کریں گے۔" بوٹاؤ گھوڑا تھا۔

"یہ تو کرنا ہو گا۔" محمود مسکرایا۔

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ پھر جہاز واپس جاتا نظر آیا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا۔ جہاز تو واپس جا رہا ہے۔" ڈی کوم نے بوکھلا کر کہا۔

"ہم نے ان کی چال ناکام بنا دی ہے۔ یہ آپ کی ریاست کا نقصان ہے۔"

"نہیں۔" وہ چلا اٹھا۔

"کی ہاں! ورنہ ہماری بات سن کر واپس کیوں جا رہے ہیں۔"

"حیرت ہے۔۔۔ تم لوگوں نے یہ بات بھی بھانپ لی۔"

"جی ہاں۔ کیا کریں۔۔۔ یہ بھانپنا وانپتا تو اب ہمارا روز کا معمول ہے۔"

"فاروق نے منہ بنایا۔"

"اب۔۔۔ اب کیا ہو گا؟" ڈی کوم نے پریشان ہو کر کہا۔

"اب آپ کو ایک دن اور انتظار کرنا ہو گا۔"

"اور۔۔۔ اور یہاں۔۔۔ ہمارے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں۔"

"کیا کوم کتب گیا۔"



”تم چپ رہو۔۔۔ داغ چاٹ گئے ہو۔“ ڈی کوم نے جھٹا کر کہا۔  
 ”بہت بہتر۔۔۔ اب میرے بھائی آپ سے بات کریں گے اور اگر  
 آپ کو ان کی آواز بھی پسند نہ آئی تو پھر میری بہن آپ سے بات  
 کرنے کی اور آکر۔۔۔“  
 ”بس بس۔۔۔ میں سمجھ گیا۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“  
 ”خدا کا شکر ہے۔۔۔ آپ سمجھے تو۔۔۔ اب ہم آپ کو اور کیا  
 کہائیں۔“

”بس آپ خاموش ہو جائیں۔۔۔ یہی بہتر ہے۔“  
 ”اوکے۔“ فاروق نے کہا اور ہونٹ ہچکنچ لے۔  
 ایسے میں انہوں نے ایک عجیب سی آواز سنی۔



”درختوں کے پتے کس دن کام آئیں گے۔۔۔ ان میں کدو  
 ہوتا ہے اور پانی بھی۔“ فاروق ہنسا۔  
 ”یہ تم نے ہمیں کس مصیبت میں پھنسا دیا۔“ وہ جل کر بولا۔  
 ”ہم نے نہیں۔۔۔ آپ کی اپنی ریاست کے لوگوں نے۔“  
 ”ہوں۔۔۔ خیر۔۔۔ ان سے تو میں سمجھوں گا۔“  
 ”الہبر! سمجھ لیجئے گا۔۔۔ وہ ہماری بہن کو نہیں تا۔“ فاروق  
 کہا۔

”ہے کوئی تک اس بات کی؟“  
 ”ان حالات میں تک کہاں سے لاؤں۔“  
 ”افسوس! ڈی کوم کے منہ سے نکلا۔

”کس بات پر افسوس ظاہر کر رہے ہیں آپ۔۔۔ اتنا تو  
 تاکہ ہم بھی ظاہر کر سکیں اور کہہ سکیں۔۔۔ ہے ظاہر کرنے کی چیز۔۔۔  
 پار پار ظاہر کر۔“

”افسوس اس پر ہے کہ تم لوگوں نے جہاز والوں سے اتنا کہ  
 کہا کہ وہ کھانے پینے کی کچھ چیزیں جزیروں پر پھینک دیں۔۔۔ ان  
 خیال میں ہمارے پاس خوراک موجود ہو گی۔ ورنہ وہ مجھے بھوک  
 مرنے دیتے۔“

”ہائیں۔۔۔ تو کیا آپ بھوکوں مر رہے ہیں۔“ فاروق نے جواب  
 ظاہر کی۔

"اب تو ہمیں دیکھنا ہو گا۔" ہارڈن کا ساتھی بولا۔

"تو پہلے کون سا ہم نے روکا تھا۔" جانیہ بولا۔

اور پھر ہارڈن کا ساتھی چلا گیا۔

"یہ دھماکے تو واقعی ہماری سمجھ میں بھی نہیں آئے۔" جانیہ کا

ساتھی بولا۔

"شور کوئی گڑبڑ ہے۔۔۔ ہمیں بھی اپنا انتظام کرنا ہو گا۔۔۔ کس

ہارڈن کے رگڑے میں نہ آجائیں۔"

"تب پھر۔۔۔ ہم کیا کریں۔"

"میں باہر نکل کر دیکھتا ہوں۔۔۔ تم لوگ یہیں فہمو۔" جانیہ نے

وہ سب بری طرح اچھلے اور اچھل کر زمین پر گرے۔۔۔ ان کے

چہروں پر ہوائیاں اڑتی نظر آئیں تھیں۔

"یہ۔۔۔ یہ دھماکا کیسا تھا؟" جانیہ کے ایک ساتھی نے کاپ

کہا۔

"پتا نہیں۔۔۔ شاید ہارڈن نے کوئی تجربہ کیا ہے؟" ہارڈن کے

ساتھی نے کہا۔

"بہت بہتر۔۔۔ لیکن نہ جانے کیوں۔۔۔ اب ہمارے دل دھک

دھک کرنے لگے ہیں۔"

"دیکھو۔۔۔ اس میں تو اب کوئی شک نہیں کہ کنگ ہمارا دشمن

نہی ہے۔۔۔ اور جو نئی کوئی ثبوت اس کے ہاتھ لگا۔۔۔ وہ ہمیں نہیں

بھروسے گا۔" جانیہ ان کی طرف مڑا۔

"ہاں سرداری کی بات ہے۔"

"اور ہارڈن کو اس نے اسی لیے ہمارے پیچھے لگایا ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"تب پھر۔۔۔ ہمیں اب نہ تو ہارڈن کی کوئی پروا کرنی چاہیے۔۔۔

کون

"کیا کہا۔۔۔ تجربہ۔۔۔ وہ کوئی سائنس دان ہے۔" جانیہ نے بڑی

ہو کر کہا۔

"نہیں۔۔۔ لیکن اس قسم کے تجربات وہ کرتا رہتا ہے اور اگر

کامیاب رہتا ہے۔"

"تب ہم اس سے ضرور پوچھیں گے۔۔۔ یہ کیسا تجربہ تھا؟"

یعنی اس وقت ایک اور دھماکا ہوا۔

"ارے باپ رے۔۔۔ اتنے دھماکے کہاں سے آ گئے۔" جانیہ گرا

گیا۔

نہ کنگ کی۔ اپنی جانیں بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔ کیا خیال ہے۔  
تم لوگوں کا؟

”یہ بات تو ہم بہت دیر سے کہنا چاہ رہے تھے۔ لیکن کہ نہیں  
رہے تھے۔ کہ کہیں آپ ہمیں کنگ سے غداری کا طعنہ نہ دے  
دیں۔“

”بہت خوب! میں تو تم سے پہلے اس غداری پر قیام کیا ہوں۔  
اگر تم لوگ ساتھ دو تو یہ میرے لیے اور آسان ہو جائے گا۔“ وہ پوچھا۔  
”لیکن ہم میں بارڈن یا کنگ سے مقابلہ کرنے کی بالکل طاقت  
نہیں ہے۔“

”اور حمیس ان سے لڑنے کے لیے کون کہ رہا ہے۔ لیکن اپنی  
جانیں بچانے کا تو ہمیں حق پہنچتا ہے۔ یا نہیں۔ یا وہ بھی نہیں  
پہنچتا۔“ جانیانے منہ بنایا۔

”بالکل پہنچتا ہے۔“  
”اگر پہنچتا ہے۔ تو میں حمیس اجازت دیتا ہوں۔ اپنی جانیں  
بچا جاؤ۔“

”اس کا آسان ترین طریقہ تو یہ ہے کہ آپ ہمیں فوری طور پر  
یہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دیں۔“

”اس طرح تم گرفتار ہو جاؤ گے۔ بارڈن کے ماتحت حمیس  
نہیں چھوڑیں گے۔“

”تب پھر۔۔۔ ہم کیا کریں۔“

”میرا ساتھ دو۔۔۔ ہمیں میرا انتظار کرو۔۔۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ  
دلائے کیسے ہیں۔۔۔ اور بارڈن کہاں ہے۔“ اس نے جلدی جلدی کہا۔

”اچھا! اب جو آپ کہیں گے۔۔۔ ہم کریں گے۔“ ایک نے کہا۔

”اور پھر جانیانے چاہا گیا۔۔۔ باقی لوگ اس کا انتظار کرنے لگے۔

”یہ جانیانے۔۔۔ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔۔۔ گانو کے سامنے تو بھیگی ملی بیٹھا  
رہتا تھا۔“

”اب گانو کی جگہ جو لے لی۔۔۔ کچھ بھی ہو۔۔۔ ہمارے حق میں تو  
اچھا ہے۔۔۔ ورنہ ہم تو اب تک چھانسی پا چکے ہوتے۔“

”اس سے پہلے کہ شرابو کی لاش بارڈن کو ملے۔۔۔ ہمیں کچھ نہ  
کہو پہلاؤ کرنا ہو گا۔“

”اب ہم اپنے معاملات جانیانے کے حوالے کر چکے ہیں۔۔۔ وہ جو  
کہے گا۔۔۔ ہم تو بس وہ کریں گے۔۔۔ آریا پار۔“

تھوڑی دیر بعد جانیانے اندر داخل ہوا اور انہیں خاموش رہنے کے  
اشارہ کرنے کے بعد اٹھنے کا اشارہ کیا۔۔۔ وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔

کل میں تھے۔ ایکسواں جانیانے تھا۔۔۔ وہ باہر نکلے۔۔۔ یہ دیکھ کر انہیں  
یرت ہوئی کہ وہاں بارڈن کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔

”ارے! یہ کیا۔۔۔ یہاں تو۔۔۔“

”شش۔۔۔ شش۔“ اس نے انہیں پھر خاموش رہنے کا اشارہ

کیا۔ موت اور زندگی کا ہے۔ اگر اس کا مقابلہ نہیں کریں گے تو سب

اور انہیں ایک سمت میں لے چلا۔ وہ بہت دیر تک کے سب بے موت مارے جائیں گے۔  
رہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک پہاڑ کی کھوکھڑی پہنچ گئے۔  
"فی الحال یہ جگہ ہمارے لیے محفوظ ہے۔۔۔ وہ دھماکے ہارڈن کے۔"

اپنے آدمیوں کے ذریعے کرا رہا تھا۔ تاکہ انہیں جلد خوف نہ  
ادھر ادھر بھاگنے لگے اور پکڑا جائے۔  
"تو پھر کیا ایسا ہو گیا؟"

"میں نے تو بس موقع سے فائدہ اٹھایا اور تم لوگوں کو  
کل آیا۔ اب ہم ہارڈن کی پہنچ سے دور ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہارڈن یہاں نہ آ سکے۔"  
"تم غلط سمجھے۔ وہ یہاں آئے گا۔ لیکن۔۔۔ جانتا ہے کہ  
کتنے رک گیا۔"

"لیکن کیا۔۔۔ یہ تمہیں کیا ہوا۔ بولتے بولتے رک کہیں گے  
اس کے ایک ساتھی نے منہ بنایا۔  
"وہ آئے گا۔ ہم پر حملہ آور ہو گا۔ اور ہمیں اس کا  
کرنا پڑے گا۔"

"ہم اور ہارڈن کا مقابلہ کریں گے۔ گھاس کھا گئے ہو گیلے  
ہو سکتا ہے بھلا۔" اسی ساتھی نے کہا۔  
"وہ نشانہ باز بھی ہے۔"

"میں جانتا تھا۔۔۔ تم یہی جواب دو گے۔ لیکن ذرا سوچو۔  
لیکن نشانہ بازی میں میں اس سے زیادہ بڑھ کر ہوں۔۔۔ یہ تم

"اچھا تم ایک طرف ہو جاؤ۔۔۔ میں تنہا ان کا مقابلہ کروں گا۔"

"یہ ایک اور رہی۔۔۔ ہم سب مل کر تو اس کا مقابلہ نہیں کر  
سکتے تم اکیلے کیا کرو گے۔ بھول گئے ہارڈن کیا چیز ہے۔"

"کیا چیز؟" اس نے منہ بنایا۔

"ہائیں۔۔۔ یہ تم کہ رہے ہو۔ کنگ نے جب اپنے خاص ٹائی

کئی پلوں روڈان کا مقابلہ اس سے کرایا تھا۔۔۔ روڈان اس زمانے میں

کنگ کا اہم ترین آدمی تھا۔ اور ہارڈن ملازمت کے لیے کنگ کے پاس

گیا تھا۔ تو کس طرح اس نے خوفناک ترین انداز میں روڈان کو شکست

دی تھی اور اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی تھی۔ پھر جب روڈان کے

ہاتھ منہ پر قابو نہ پاسکے اور اس پر مل کر ٹوٹ پڑے۔ تو اس نے

اس کی ہڈی کے ٹکڑے بونی کر دی تھی۔"

"وہ اور بات تھی۔۔۔ وہ لڑائی ہاتھوں پیروں کی تھی۔ میں اس کا

مقابلہ گولیں سے کروں گا۔"

بھی جانتے ہو۔ نشانہ کا مقابلہ اس سے میں جیت گیا تھا۔

"ہاں! یہ تو خیر ہے۔ لیکن کنگ نے اس سے کہا تھا۔

کہ اندر وہ نشانہ بازی کا مقابلہ بھی جیت کر دکھائے۔"

"لیکن ایسا نہیں ہوا۔"

"اور ہو۔۔۔ مقابلے کی نوبت ہی نہیں آئی۔۔۔ کنگ کچھ بھر

اور ہارڈن نے بھی اسے یاد نہیں دلایا۔۔۔ شاید اس لیے کہ اس

خیال میں ابھی وہ مقابلہ جیتنے کے قابل نہیں ہوا۔"

"ہوں۔۔۔ خیر۔۔۔ یہ سب باتیں ہیں۔۔۔ اس وقت مسئلہ دکنی

موت کا ہے۔ کیا ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم اس دنیا کو اپنا

جائیں۔۔۔ یعنی کنگ کی دنیا کو۔۔۔ اور یہاں سے نکل جائیں۔"

"ایسا ہو سکتا ہے۔۔۔ لیکن اس وقت نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ پھر تم لو اس سے۔۔۔ ہم نہیں لڑیں گے۔"

"افسوس! تم نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔۔۔ تم اس وعدہ

سے بھی پھر گئے ہو۔"

"اور ہو! ہم ہارڈن کے نام سے ہی خوف کھاتے ہیں۔۔۔ ان کے

مقابلہ کیسے کریں گے۔"

"تم براہ راست اس سے مقابلہ نہیں کرو گے۔۔۔ اس کے

تمہارے مقابلہ میں آئیں گے۔" جانیانے جل کر کہا۔

"وہ ساتھ تو خیر ہو گا۔۔۔ اس کی بھی جان پر ہنی ہے۔"

میں ہلاک نہ کر سکا۔۔۔ یا پکڑ کر کنگ کے سامنے پیش نہ کر سکا۔ تو خود

وہ بھی تو نہیں بچ سکے گا۔" اس کے ساتھی نے کہا۔

"ہاں! یہ بات ہے۔۔۔ اس وقت وہ بوکلاہٹ کا شکار ہے۔۔۔ اور

ہم اس کی بوکلاہٹ سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

"اب تم نے بوکلاہٹ کی بات کر ڈالی۔۔۔ ہے کوئی تک۔۔۔

نہیں کس طرح پتا چلا کہ وہ بوکلاہٹ میں مبتلا ہو چکا ہے۔"

"جب وہ سامنے آئے گا۔۔۔ تو میں تم لوگوں کو اس کی بوکلاہٹ

کھاؤں گا۔"

"کچھ بھی ہو۔۔۔ ہم تمہارے ساتھ فرار ہو سکتے ہیں۔۔۔ اس سے

مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ اب تم ایک طرف ہو جاؤ۔۔۔ یا پھر یہاں

اس کی طرف چلے جاؤ۔۔۔ اس کے ساتھ مل جاؤ اور اسے بتا دو۔۔۔

کہ تم اب میرے نہیں۔۔۔ اس کے ساتھی ہو۔"

"نہیں۔۔۔ ہمارا ہتھیارا اس طرح بھی نہیں ہو گا۔۔۔ اس طرح تو

اسے اور آسانی ہو جائے گی۔۔۔ اور وہ ہمیں کنگ کے سامنے پیش کر

دے گا۔ پھر ہمارے ساتھ جو گا وہ تم جانتے ہی ہو۔"

"تم پھر آخر۔۔۔ چاہتے کیا ہو؟"

"ہم! کنگنا چاہتے ہیں۔۔۔ تم یہاں رک کر اگر اس کے مقابلہ

کا ہتھیار چاہتے ہو تو کرو۔۔۔ لیکن ہمیں اجازت دے دو۔"

”اوہ! تو تمہارا یہ پروگرام ہے۔۔۔ اچھی بات ہے۔۔۔ تم جانے میں چاہتا ہوں۔۔۔ کہ تم سب کو کنگ کے سامنے پیش کر ہو۔۔۔ لیکن کوشش کرنا کہ ہارڈن کے ہاتھ نہ آوے۔ ورنہ وہ میرا ہی ہے۔“

اڑائے گا۔۔۔ مجھ پر ہنسے گا۔۔۔  
”تم فکر نہ کرو جانیو۔۔۔ ہارڈن ان پہاڑوں سے اتنا واقف ہے۔۔۔ ہارڈن کس جگہ موجود ہے۔۔۔ نہ اس کا کوئی ساتھی نظر آیا تھا۔۔۔ لہذا خاموش رہنے میں ہی عافیت تھی۔“

”ہاں! یہ تو خیر ہے۔۔۔ وہ مدت بعد میں کنگ کا ساتھی بنا ہے۔“  
”اچھا تو ہم چلے۔۔۔ پھر ملیں گے۔۔۔ اگر زندگی رہی تو۔“  
”شکر ہے۔“ جانیو نے برا سامنہ بنایا۔  
اور پھر وہ سب وہاں سے رخصت ہو گئے۔۔۔ جانیو انہیں ہلایا۔

ہارڈن کے الفاظ درمیان میں وہ گئے۔۔۔ وہ تیرا کر گرا۔۔۔ اور پھر ہوئے دیکھتا رہا۔۔۔ ایسے میں اس نے ہارڈن کی آواز سنی۔  
”بزدل جانیو۔۔۔ تم اپنے ساتھیوں کو لے کر کہاں چلے گئے۔۔۔ اس کے ساتھیوں میں بھڈور جھج گئی۔۔۔ وہ اس طرح خوف زدہ ہو کر جہاں چھپے ہو۔۔۔ سامنے آؤ۔۔۔ میں نے شرابو کی موت کا سراں لگایا۔۔۔ اسے لگایا۔۔۔ کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔۔۔ ہارڈن زندہ ہے یا مر گیا۔۔۔ جب ہے۔۔۔ اسے بھی گالوں کی طرح موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔۔۔ ہارڈن کو یقین ہو گیا کہ وہ جا چکے ہیں تو وہ کھوہ سے نکلا اور ہارڈن کی کھائی میں پھینک دیا گیا ہے۔۔۔ ہمارے جاسوس کہتے اس کھائی تک پہنچ چلا۔۔۔ اسے یقین تھا۔۔۔ کہ وہ مارا جا چکا ہے۔۔۔ پھر بھی وہ چکے ہیں۔۔۔ اور میں نے دور بین کے ذریعے اس کی لاش کو پہچان لیا۔۔۔ ہارڈن سے دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ آخر وہ اس کی لاش کے قریب پہنچ گیا۔  
ہے۔۔۔ وہ شرابو کی ہی ہے۔۔۔ اور یہ تم لوگوں کا ہی کام ہے۔۔۔ ہارڈن ساکت پڑا تھا۔۔۔ اور اس کے ساتھی دور دور تک نظر کنگ کے ہاتھوں سے جہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔۔۔ تم سامنے آؤ۔۔۔ اس پر جھک گیا۔۔۔ عین اس وقت ہارڈن کے ورنہ یہ پہاڑیاں تمہارے خون سے رنگین ہو جائیں گے اور تم کنگ کے ہاتھوں میں آؤ۔۔۔ اس کی ایک فیصد بھی امید سامنے جانے سے پہلے ہی ہلاک کر دیے جاؤ گے۔۔۔ جب کہ تم اس کی قیدی۔۔۔ وہ اچھل کر دور جا گرا۔۔۔ اور پھر نہ جانے کس طرف سے

تک کہ اگر تم ہارڈن کو اس میں قید کر دو۔۔۔ تو ہارڈن بھی نہ نکل سکے گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا۔

ساتھ ہی جانیہ کو اٹھایا گیا۔ پھر اسے ایک تاریک کونٹری میں چھوڑ دیا گیا۔ اس کے گرنے کی آواز کے جواب میں ایک آواز آئی۔  
”نگ۔۔۔ کون؟“



”اے سر ہارڈن کے تمام ساتھی اس پر ٹوٹ پڑے۔۔۔ وہوں نے اسے اس کی آن میں رسیوں سے باندھ دیا۔“

”بے وقوف جانیہ۔۔۔ تو ہارڈن سے ٹکر لینے نکلا تھا۔۔۔ اب اسے تھے تپائے گا کہ ہارڈن کیا ہے۔“ اس نے اس کی پر غور آواز کی۔  
اسے بری طرح جکڑ دیا گیا۔۔۔ تب اس نے پھر ہارڈن کی طرف سنی۔

”کل اے نگ کے دربار میں پیش یا جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھیوں کو بھی‘ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ جانے پائے۔۔۔“  
طرف سے نکلے ہیں۔۔۔ ابھی زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔۔۔ ہل چکے خوف زدہ ہیں۔۔۔ اور خوف کھائے ہوئے ٹھوچر نہیں بھاگ سکتے جاؤ۔۔۔ سب کو پکڑ لاؤ۔۔۔ انہیں خوش خبری سنا دیتا۔۔۔ ان کا بندر گیا۔۔۔ جس پر انہیں بہت مان تھا۔۔۔ اور جس کی شہ پر وہ سب کرتے رہے ہیں۔۔۔ اب ایک ایک جرم کا حساب ان سے لیا جائے گا۔ جاؤ۔۔۔ ہارڈن نے چلا کر کہا اور اس کے ساتھی بری طرح پڑے۔۔۔ صرف جانیہ کی نگرانی کے لیے دس آدمی وہاں رک گئے۔  
”اے اٹھالو۔۔۔ اور تین نمبر کونٹری میں ڈال دو۔“

”لل۔۔۔ لیکن۔۔۔ مسٹر ہارڈن۔۔۔ تین نمبر میں تو۔۔۔“  
”اوہو۔۔۔ میں جانتا ہوں۔۔۔ تم اسے اس میں ڈالو۔۔۔ صرف کونٹری ایسی ہے۔۔۔ جس میں سے کوئی بھی بھاگ نہیں سکتا۔“

ہے۔ ان اطراف میں پہلے بھی ایک دو بار وہیل کا ذکر سننے میں آیا ہے۔ اگرچہ اسے آج تک دیکھا کسی نے نہیں... ہاں آواز ضرور سنی ہے۔

”وہیل کے یہاں ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ خان  
رعنان بولے۔

”کیونکہ کیوں نہیں پیدا ہوتا۔“

”وہیل بہت کمرے پانیوں میں ہوتی ہے۔“

”تب پھر یہ آواز؟“

”آواز ضرور وہیل کی تھی... اور کیسے سنائی دے گئی... ہم کچھ  
سوسکتے۔“

”اچھا خاموش رہو... جو کچھ ہے... سامنے آ جائے گا۔“ ڈی  
نے الجھن کے عالم میں کہا۔

وہ خاموش ہو گئے... خود بھی آواز کے بارے میں سوچنا چاہتے  
تھے ایسے میں آواز ایک بار پھر سنائی دی... اس بار آواز حد درجے  
تک تھی اور بہت نزدیک سے آتی محسوس ہوئی تھی... ان کے  
گتے کھڑے ہو گئے... ڈی کوم اور اس کے دونوں ساتھی تو قہر قہر کانپنے  
لگے... جب کہ خوف نے انہیں بھی اپنی پلیٹ میں لے لیا تھا... وہ  
اس طرف دیکھنے لگے... لیکن کچھ نظر نہ آیا۔

”لیکن کیوں... آپ کس لیے پریشان ہیں؟“

”اس لیے کہ میں اس آواز کو پہچانتا ہوں... یہ وہیل... ہاں... انہیں ایک جہاز بہت دور سے آتا نظر آیا... وہ خوش ہو

## سمندر کی آواز

”ہائیں... یہ... یہ آواز کیسی تھی؟“ محمود نے چمک کر کہا۔

”شش... شاید یہ سمندر کی آواز ہے۔“ فرزانہ بولی۔

”تک... کیا کہا... سمندر کی آواز۔“ فاروق چونکا۔

”تک... کیوں... تمہیں کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں میرا مطلب ہے... یہ تو کسی ٹاول کا نام ہے۔“

”ٹاول کا نام... کیا مطلب؟“ ڈی کوم نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اب آپ خود مجھ سے مطلب پوچھ رہے ہیں... میں...“

مطلب بیان کیا تو... پھر آپ کہیں گے... خاموش ہو جائو۔“

جل بھن کر کہا۔

”میں... میں اس آواز کے بارے میں پریشان ہوں۔“

”میں... میں اس آواز کے بارے میں پریشان ہوں۔“

”لیکن کیوں... آپ کس لیے پریشان ہیں؟“

”اس لیے کہ میں اس آواز کو پہچانتا ہوں... یہ وہیل... ہاں... انہیں ایک جہاز بہت دور سے آتا نظر آیا... وہ خوش ہو



گئے۔ اور ساحل کی طرف دوڑ پڑے۔ ساحل پر پہنچ کر انہوں نے ہاتھ پیر ہلانے شروع کیے۔ کپڑے ہلائے۔ تب کہیں جا کر جہاز کا منہ ان کی طرف ہوا۔ ورنہ وہ جزیرے سے دور رہ کر دوسری طرف جا رہا تھا۔ اب ان کی جان میں جان آئی۔ آہستہ آہستہ جہاز نزدیک آتا ہوا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ اور بھی خوش ہو گئے۔ وہ مسافر جہاز تھا۔ اور وہ بھی ان کے ملک کا۔ پانی میں جس حد تک وہ آ سکتا تھا، آ کر رو گیا۔ کپتان نے پیکیٹر پر بلند آواز میں کہا۔

”تم لوگ کون ہو۔ کیا چاہتے ہو۔ ہم تمہارے لیے کیا کر سکتے ہیں؟“

”ہم پاک لینڈ کے رہنے والے ہیں۔“

”کیا کہا۔ پاک لینڈ کے باشندے۔“ کپتان چونکا۔

”ہاں جناب! اگر آپ ہم میں سے ایک کو جہاز پر آنے کی اجازت دے دیں تو وہ ساری کہانی آپ کو سنا سکتا ہے۔ ورنہ وہ نہ کر تو گا پھاڑنا پڑے گا۔“ محمود نے کہا۔

”ہوں ٹھیک ہے۔ تم ہی آ جاؤ۔ کیا تم تیر سکو گے۔“

”بھیبوں۔ لیکن لالچ اتارنے میں وقت لگے گا۔“

”آپ فکر نہ کریں۔ ہم تیر سکتے ہیں۔“

یہ کہہ کر محمود نے چھلانگ لگا دی اور تیزی سے جہاز کی طرف تیرے لگا۔ جلد ہی وہ جہاز کی میڑھی تک پہنچ گیا۔ دو منٹ بعد

بچوں کو اپنی کہانی سنا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر کپتان نے

”ٹھیک ہے۔ ہم آپ لوگوں کو تو لے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان بچوں کو نہیں لے جائیں گے۔ اس صورت میں حکام پریشان کریں گے۔ اور ہم پر اغوا کا مقدمہ بھی بن سکتا ہے۔“

”پٹے۔ یہی سہی۔ آپ صرف ہمیں لے چلیں۔ ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کے ملک کے لوگ آ کر انہیں لے جائیں گے۔ لیکن ایک بات ہے۔ یہ لوگ ہیں بہت اہم۔ اور ان بات کا امکان ہے کہ یہ ہمارے کام آجائیں۔“

”اچھی بات ہے۔ میں آپ کی بات مان لیتا ہوں۔ لیکن ایک شرط ہے۔ حکومت کے آدمی ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔“

”یہ ہماری ذمہ داری ہے۔“

”چلیں پھر آجائیں۔ کیا باقی لوگ بھی تیر سکتے ہیں؟“

”ان تین کا پتا نہیں۔ ورنہ ہم تیر سکتے ہیں۔“

محمود واپس جزیرے پر آ گیا۔

”یہ لوگ ہمیں لے جانے پر تیار ہیں۔ آپ تینوں تیر سکتے ہیں۔“

”نہیں۔ ہمیں تیرنا نہیں آتا۔“

”کپتان صاحب۔ ان تینوں کو تیرنا نہیں آتا۔ لہذا آپ کو

لاچ اتارنا ہوگی۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"او کے۔ تم لوگوں کے لیے یہ بھی سہی۔" اس نے غور کر کہا۔

"شکریہ بہت بہت۔" محمود بولا۔

آخر لاچ کنارے آ گئی۔ وہ اس پر سوار ہو کر جہاز پر گئے۔ پھر ان کا جہاز پر سفر شروع ہوا۔ اب انہیں یاد آیا کہ

بہت بھوکے ہیں۔ ان کی یہ بات کپتان تک پہنچائی گی۔ جہاز پر کھانے کا وقت نہیں ہوا تھا، لیکن اس نے انہیں وقت سے پہلے

دینے کا حکم دیا۔ اس طرح انہیں کھانا نصیب ہوا۔ کھانے کے بعد گہری نیند سو گئے۔ آگے کھلی تو وہ جہاز میں نہیں تھے۔ بلکہ

شان دار کمرے میں بستروں پر تھے۔ "ہائیں۔ جہاز میں اتنا شاندار کمرہ۔ اور یہ سارا سامان

قاروق چوٹکا۔" "پاگل ہوئے ہو کیا۔ یہ جہاز نہیں ہے۔" محمود نے متنبہ

"ہائیں۔ جہاز نہیں ہے۔ تو پھر یہ کیا ہے؟" "کوئی عمارت۔ جس کے ایک کمرے میں ہم قید ہیں۔"

"حد ہو گئی۔ بھلا ہم جہاز سے اس عمارت میں تک پہنچے گئے۔"

"بالکل اسی طرح۔۔۔ جیسے جزیرے سے جہاز پر آ گئے تھے۔"

کہا۔

"یہ کیا جواب ہوا۔"

"چ نہیں انکل۔۔۔ یہ کیا جواب ہوا۔۔۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں ہمارے ساتھ ڈی کوم اور اس کے دونوں ساتھی نہیں ہیں۔"

"ارے۔۔۔ یہ کیا؟" وہ دھک سے رہ گئے۔

"مطلب یہ کہ وہ جہاز ہمارے ملک کا نہیں تھا۔"

"ہائیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" پروفیسر بولے۔

"ڈی کوم کی انتظامیہ جب پہلی کاپڑ اور اپنے جہاز کے ذریعے ہم

کا پڑ پناہ پا سکتی تو انہوں نے یہ چال چلی۔ ایک جہاز پاک لینڈ کے لوگوں کا دھوکہ دیا۔ لیکن وہ لوگ پاک لینڈ کے لباس اور میک اپ

میں تھے۔ اصل میں پاک لینڈ کے نہیں تھے۔ بس ہم دھوکا کھا گئے۔"

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ ہم لوگ اب ڈی کوم کی قید میں ہیں۔"

"ہاں! جلد ہی یہ بات۔۔۔" عین اس وقت انہوں نے قدموں کی آواز سنی اور پھر کمرے کا

دروازہ کھولا گیا۔ انہوں نے ڈی کوم اور جی کوم کو اندر آتے دیکھا۔ ان کے ساتھ دس مسلح آدمی تھے۔ جن کے ہاتھوں میں جدید طرز کی

دھکیں بالکل تیار تھیں۔ ڈی کوم اور اس کے بھائی کے چہرے پر

نے۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"بلکہ اس سے بھی آگے پہنچ جائیں گے۔ میری ابھی ابھی تنگ سے بات ہوئی ہے فون پر۔۔۔ میں نے اسے تم لوگوں کی گرفتاری کی خبر ملی ہے۔۔۔ اسے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔۔۔ اس فون کے سلسلے میں مجھے چند بہت قیمتی تحائف دینے کا بھی اعلان کیا ہے۔"

"چلے پھر آپ کی تو ہو گئی عیش۔۔۔ مارے گئے ہم بے چارے۔"

"تو پھر تنگ کی دشمنی مول لینے کیا ضرورت تھی۔" ڈی کو م

"یہ دشمنی ہم نے مول نہیں لی۔۔۔ بلکہ اس نے ہمیں بالکل ملت وی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟"

"ہم تو شارون آباد سیر کرنے گئے تھے۔ وہاں اس کا نام نہ تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اگر دشمنی مول لینے کا سے کہیں ہوتا تو بھاگتے کیوں۔"

"یہ بات اس نے مجھے بتائی ہے۔۔۔ جانتے ہو۔۔۔"

"ہے۔"

"کہا کرتا ہے۔۔۔ یہ کہ اگر تم لوگ بھاگتے نہ تو معاملہ اسی وضع کی واپسی ہوتا۔ انیسویں جیشید کے بھاگ کھڑے ہونے سے دشمنی شروع ہو

طریقہ مسترا نہیں تھیں۔

"کیا حال ہے دوستو؟"

"یہ ہوا کیسے۔۔۔ بس آپ اتنا بتادیں؟"

"یہ کارنامہ میری انتظامیہ کا ہے۔۔۔ اپنے ایک جہاز پر آپ کے ملک کے لوگوں جیسے چلنے والے اور لباس والے سوار کیے۔۔۔ آپ کے ملک کا جھنڈا لگایا۔۔۔ اردو بولنے والا پاکستان اس پر بھیجا گیا۔۔۔ اس طرح تم جال میں پھنس گئے۔"

"دست تیرے کی۔۔۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ کی ریاست میں اتنی عقل کے مالک لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔"

"تو اب سوچ لیں نا۔" ڈی کو م ہنسا۔

"ہاں! اب تو سوچنا ہی پڑے گا۔۔۔ دراصل میں بھول ہمارے بے خطر ناک ثابت ہوئی۔۔۔ ہم نے آپ لوگوں کو عقل سے پیدل کیوں بنایا۔"

"چلو۔۔۔ آئندہ کسی کو عقل سے پیدل نہ بنانا۔" ڈی کو م ہنسا۔

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"آپ کو تنگ کے حوالے کروں گا۔۔۔ تنگ کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔۔۔ تنگ ہمارا دوست ہے۔۔۔ گمراہ دوست۔۔۔ ہماری اور اس کی پالیسی ایک ہے۔"

"چلو یہ اچھا ہے۔۔۔ جہان سے چلے تھے۔۔۔ پھر وہیں پہنچ جائیں

"تو آپ ان سے درخواست کریں تاکہ وہ ہمیں بھی چھوڑ دے۔ ہم بھی تو آپ کے کام آسکتے ہیں۔"

"تحت۔ تم کیا کام آسکتے ہو۔۔۔ پروفیسر تو سائنس دان ہیں۔"

"ہم ان کے معاون بن کر کام کریں گے۔"

"نہیں۔۔۔ میں کنگ سے بس ایک آدمی مانگتا پسند کروں گا۔"

"کیس کنگ ناراض نہ ہو جائے۔"

"آخر یہ کنگ کیا بلا ہے؟" محمود نے جمل کر کہا۔

"ہائین۔۔۔ تم نے اسے بلا کہا۔ وہ تو بہت اچھا انسان ہے۔"

"ہاں! لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔۔۔ یہ اس کی

"اچھا ہی تو ہے۔" فرزانہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"پہلے میں قون پر اس سے بات کروں گا۔۔۔ پھر آکر تم لوگوں کو رخصت کروں گا۔۔۔ ویسے تم بچنے بہت برے۔"

"آپ ہمارے بارے میں پریشان نہ ہوں۔۔۔ ہم اس سے کہیں زیادہ برے بنتے رہتے ہیں۔" خان رحمان نے جمل کر کہا۔

"یہ تم اس لیے کہ مرے ہو کہ کنگ کو جانتے نہیں۔"

"کسی حد تک جان گئے ہیں۔ باقی بھی اب جان لیں گے۔"

اور پھر وہ چلے گئے۔ پندرہ بیس منٹ بعد پھر ان کی واپسی ہوئی۔ ڈی کوم کا چہرہ چمک رہا تھا۔

"حیرت ہے۔۔۔ کمال ہے۔۔۔ اب دشمنیاں اس طرح بھی ٹھہرا ہونے لگیں۔ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے ان کو۔" فاروق نے برا سا ہنسیا۔

"کن کو؟" پروفیسر داؤد نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔

"جی۔۔۔ دشمنیوں کو۔۔۔ اور کن کو۔"

"مال جاؤ۔۔۔ اب تم سے کون مغز مارے۔" پروفیسر داؤد نے اٹھتے۔

"آپ کو مغز مارنا بھی نہیں چاہیے۔۔۔ اس لیے کہ مغز کی بہت ضرورت پیش آنے والی ہے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"ارے ہاں۔۔۔ یہ بات تو تم نے بہت زبردست کی۔ ان خیال تو مجھے بھی نہیں آیا تھا۔۔۔ خیر میں کنگ سے مانگ لیتا ہوں۔"

"ہاں کوم نے پرجوش انداز میں کہا۔

"خطرناک۔ کیا کہا۔ کیا مانگ لیتے ہیں کنگ سے؟"

"پروفیسر کو۔۔۔ یہ اب میری ریاست کے لیے کام کریں گے۔"

"نہ تو خیر نہیں ہو گا۔" پروفیسر مسکرائے۔

"اسہم بھی دیکھیں گے کہ یہ کیسے نہیں ہو گا۔"

"آجب دیکھ چکیں۔۔۔ تو ہمیں بھی دکھا دیجئے گا۔" فاروق نے ضرورت سے لڑکھا۔

کی پالیسی، ضرور کیوں نہیں۔۔۔ اگر کنگ نے جنہیں زندہ چھوڑ دیا تو نہ

"کنگ نے خوشی سے اجازت دے دی۔۔۔ کہ میں پروفیسر کو روک سکتا ہوں۔۔۔

بلکہ اس نے تو کہا ہے کہ۔۔۔ کہ میں چاہوں تو ہر لوگوں کو بھی روک سکتا ہوں۔۔۔ لیکن میں تم لوگوں کا کیا کروں گا۔۔۔ میرے لیے تم بے کار ہو۔۔۔

"لیکن میں یہاں نہیں رہوں گا۔۔۔ میں ان لوگوں کے ساتھ جاؤں گا۔۔۔ پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔۔۔

"پاکل تو نہیں ہو گئے پروفیسر۔۔۔ یہ لوگ تو موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔۔۔ اور آپ یہاں رہ کر زندہ رہیں گے۔۔۔ آپ کو تو خوشی ہونا چاہیے۔۔۔"

"جی نہیں۔۔۔ میں ان کے ساتھ مرجانا پسند کروں گا۔۔۔

"لیکن افسوس! میں آپ کی یہ خوشی پوری نہیں کروں گا۔۔۔ اس لیے کہ میں آپ سے اپنی ریاست کے لیے کام لوں گا۔۔۔

"نہیں کروں گا۔۔۔ تم چلے کچھ کر لو۔۔۔ پروفیسر بولے۔۔۔

"ہم کام لے لیں گے۔۔۔ آپ دیکھیں گے۔۔۔

"نہیں! میں ان لوگوں کے ساتھ جاؤں گا۔۔۔ یا پھر ان سب کو یہاں میرے ساتھ رکھوں۔۔۔

"نہیں۔۔۔ میں بے کار لوگوں کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔۔۔

"خان رحمان۔۔۔ تم سن رہے ہو۔۔۔ محمود، فاروق اور فرزاد۔۔۔

تم سن رہے ہو۔۔۔ میں یہاں نہیں رک سکتا۔۔۔ سنا تم نے۔۔۔ میں یہاں

نہیں رک سکتا۔۔۔

انہوں نے بے بسی کے عالم میں ڈی کوم اور پروفیسر داؤد کی طرف دیکھا۔۔۔ صورت حال بہت عجیب ہو گئی تھی۔۔۔ آخر خان رحمان کی آواز ابھری۔۔۔

"مسٹر ڈی کوم۔۔۔ آپ انہیں ہمارے ساتھ جانے دیں۔۔۔ یہ میری آپ سے درخواست ہے۔۔۔"

"میں تم لوگوں کی درخواست کیوں مانوں۔۔۔ کس قدر تنگ کیا ہے تم نے مجھے۔۔۔ وہ نہا۔۔۔

"چنانچہ ان کی جگہ مجھے روک لو۔۔۔ خان رحمان بولے۔۔۔

"کنگ۔۔۔ کیا کہ رہے ہو خان رحمان۔۔۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔۔۔

"پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔۔۔

"تو پھر کیا کریں۔۔۔ آپ بتائیں۔۔۔

"یا ہم سب جائیں گے۔۔۔ یا سب بیس رہیں گے۔۔۔ پروفیسر بولے۔۔۔

"لیکن ہم کر ہی کیا کر سکتے ہیں۔۔۔

"کیوں نہیں کر سکتے۔۔۔ اللہ نے چاہا تو ہم بت کچھ کر سکتے ہیں۔۔۔ پروفیسر داؤد عجیب سے انداز میں بولے۔۔۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔۔۔

"میرے ہاتھ میں اس وقت ایک قلم ہے۔۔۔ یہ دیکھ رہے ہو

"اب... اب کیا کروں۔" اس نے محمود کی طرف دیکھا۔

"اچھا! دیں... ہم آپ کو بازار سے اور لا دیں گے... آج کل بازار میں نئے نئے قلم آئے ہوئے ہیں۔" محمود نے منہ ہناتے ہوئے

"نہیں... اس نے مجھے کیا کہا تھا۔" پروفیسر داؤد چوہے۔

"بڑھا۔" فاروق بولا۔

"نہیں اچھا! دیں گے۔ اب تو نہیں اچھا! دیں گے۔ ہاں اگر یہ اپنے

"یہ کیا بات ہوئی۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

میں اس لمحے قلم میں سے ایک شعلہ نکلا... اور سیدھا ان کی

دل گیا۔



خان رحمان۔

"قلم... ہاں! قلم ہے آپ کے ہاتھ میں تو پھر؟"

"اس قلم سے میں ایک کام لینے لگا ہوں۔"

"خبردار... یہ قلم ہماری طرف اچھا! دو۔" ڈی کوہ نے کہا۔

کہا۔

"نہیں... نہیں... یہ میں ہمیں ہرگز نہیں دے سکتا۔"

گہرا کر بولے۔

"پھینک دو یہ ہماری طرف... ورنہ ہم گولی چلا دیں گے۔"

"ارے باپ دے... یار خان رحمان... یہ تو کوئی چلا

گئے۔ اب کیا کریں۔"

"آپ اس قلم سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔" خان رحمان

اٹھے۔

"عجیب! حق ہو... قلم سے کیا کام لیا جاتا ہے۔" پروفیسر

نے آنکھیں نکالیں۔

"لکھنے کا۔"

"بس تو پھر... میں تو اس سے لکھنے کا کام لینا چاہتا تھا۔"

جائے کیا خیال کر بیٹھے۔"

"ہم ہمیں اچھی طرح جانتے ہیں بڑھے۔ یہ وہی قلم

اچھا! دو... ورنہ ہم گولی چلا دیں گے۔"

”سپاہی... کیا مطلب؟“

”بابا سپاہی... محاذ پر لڑ رہا تھا... آج کل مسلمان پھر سے بیدار  
کئے ہیں... وہ اسلام کے لیے لڑ رہے ہیں... اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے  
لئے... اسلام دشمن طاقتیں ان کے خلاف ڈٹ گئی ہیں... پوری دنیا  
اسلام دشمن مسلمانوں کی اس جماعت سے خوف زدہ ہیں۔“

”اوغھ... حق... تو کیا آپ خاٹستان کے طالب علموں کی جماعت  
بات کر رہے ہیں... جنہوں نے قریب قریب پورے خاٹستان پر قبضہ  
کر لیا ہے... بس تھوڑا سا حصہ رہتا ہے... لیکن اس تھوڑے سے  
ہوں... اس لیے کہ میں اس تاریکی میں دیکھنے کا عادی ہو چکا ہوں... اپنی طاقت لگائے ہوئے ہیں۔“ جانیانے حیران ہو  
تم بھی ہو جاؤ گے آہستہ آہستہ... ہر حال میں پہلے تمہارا نام جان لو۔

”ہاں! میں انہی کی بات کر رہا ہوں... میں اس حصے میں لڑ رہا تھا  
جو اب ہو گیا اور اس طرح گرفتار کر لیا گیا۔“

”آپ کا نام کیا ہے؟“

”کیا پوچھتے ہو؟“

”جیسے ایسے ہی۔“

”کیا تم مسلمان ہو؟“

”مہربانی فرما کر آپ میرے بارے میں کچھ نہ پوچھیں... صرف  
میرے بارے میں بتائیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی... میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتاؤں۔“

ساتھی

جانیانے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کوٹھڑی کا جائزہ لیا... پھر اس  
یو بھلا کر کہا۔

”ہپ... پہلے آپ بتائیں... آپ کون ہیں؟“  
”تم مجھے دیکھ نہیں رہے... جب کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔“  
ہوں... اس لیے کہ میں اس تاریکی میں دیکھنے کا عادی ہو چکا ہوں... اپنی طاقت لگائے ہوئے ہیں۔“ جانیانے حیران ہو  
تم بھی ہو جاؤ گے آہستہ آہستہ... ہر حال میں پہلے تمہارا نام جان لو۔

”میں... میں جانیانہ ہوں۔“

”جانیانہ... کیا مطلب... میں نے تو سنا تھا... یہ کوٹھڑی میں  
خاص لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے۔“

”شاید ان کے نزدیک میں بھی خاص ہوں گا... لیکن آپ کون  
ہیں؟“

”میں... میں اپنے بارے میں کیا بتاؤں... کچھ سمجھ میں نہیں  
رہا... ہر حال اتنا سن لیں... میں ایک سپاہی ہوں۔“

دلہ۔ اس سے پہلے بھی دن میں صرف ایک روٹی دیتے رہے ہیں۔ وہ بھی کسی سالن کے بغیر۔۔۔ روکھی روٹی اور پانی کا ایک پیالہ اور میں یہاں تین ماہ سے قید ہوں۔“

”اوہ نہیں۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”مسٹر جانیو۔۔۔ موت کے خوف سے کوٹھڑی سے نہیں نکل رہا۔۔۔ ہمارے پکڑ کے لئے آؤ۔“

”میں آ رہا ہوں۔۔۔ اس دوسرے قیدی کو اٹھانے گیا تھا ذرا۔“  
”جیس اس سے کیا۔۔۔ یہ خود اٹھ کر آئے گا۔“ ہارون کی آواز ابھی۔

”اس سے نہیں اٹھا جا رہا۔“ ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے سپاہی کے دونوں بازوؤں میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا دیا۔  
”ہاں۔۔۔ اب میں چل سکتا ہوں۔“ سپاہی بولا۔  
”کیا کیا۔۔۔ تم چل سکتے ہو۔۔۔ تین دن بھوکے پیاسے رہنے کے بعد بھی چل سکتے ہو۔“  
”ہاں! کیوں نہیں۔“ سپاہی بولا۔

”جب کہ تین ماہ سے صرف ایک روٹی دی جا رہی ہے۔“  
”ہاں! اس کے باوجود میں چل سکتا ہوں۔۔۔ اٹھا اس لیے نہیں رہا تھا کہ میری زخمی ٹانگ کا ان لوگوں سے علاج نہیں کرایا تھا۔“  
”کیا!۔۔۔“ وہ چلا اٹھا۔

سپاہی نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

”خیر خیر۔۔۔ نہ بتائیں۔۔۔ میں بھی آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتاؤں۔“ جانیو نے بھی منہ بنا کر کہا۔

اور پھر کوٹھڑی میں خاموشی چھا گئی۔۔۔ دوسرے دن کوٹھڑی دروازہ کھولا گیا۔

”مسٹر جانیو۔۔۔ باہر نکل آؤ۔ اور دوسرا قیدی بھی باہر جائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ آج ہی کنگ نے حمیر، بھی سزا سنائی فیصلہ کیا ہے۔“

”اللہ اکبر۔“ سپاہی کی آواز سنائی دی۔  
جانیو اٹھ کر باہر کی طرف چلا۔۔۔ لیکن پھر اس نے محسوس کیا سپاہی سے اٹھا نہیں جا رہا۔۔۔ شاید اسے بھوکا پیاسا رکھا جا رہا تھا۔ بہت کم کھانا دیا جا رہا تھا۔۔۔ خود اسے بھی کوٹھڑی میں کوئی خوراک دی گئی تھی۔۔۔ اور وہ بھی بہت کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ تاہم وہ اور اندازے سے اس جگہ پہنچا۔۔۔ جہاں سپاہی تھا۔۔۔ اس نے خیر اسے سہارا دیا۔۔۔ تب وہ اٹھ سکا۔

”شکریہ۔“ اس کے منہ سے نکلا۔  
”کیا موت کے خوف سے جان نکل گئی آپ کی۔“ جانیو پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ مجھے ان لوگوں نے تین دن سے کھانے کو کہا۔“



لیکن وہ پہلے تمہیں سزا سنانا چاہتا ہے۔"

"اس کا شکریہ.... کہ اس نے میرے ساتھیوں کو ابھی تک کچھ نہیں کہا۔" جانیہ مسکرایا۔

"تمہیں سزا سنانے کے فوراً بعد انہیں بھی سنائے گا.... سزا تم ایک ساتھ پاؤ گے.... اور اب تو یہ قیدی بھی۔" بارڈن بولا۔

"یہ جان کر اور خوشی ہوئی۔"

"اور تمہارے لیے پھانسی کے پھندے لٹکائے جا چکے ہیں۔"

"کہاں ہیں.... محل کے صحن میں؟" جانیہ نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں.... وہاں اتنی جگہ کہاں.... وہاں صرف جانیہ تمہیں پھانسی دلا جائے گی اور اس قیدی کو.... تمہارے ساتھیوں کے لیے اس محل کے سامنے درختوں کے ساتھ پھندے لٹکائے گئے ہیں.... ابھی تم وہیں سے گزر دو گے.... اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔"

"اوہ اچھا شکریہ۔" جانیہ بولا۔

"کیا بات ہے.... بہت خوش ہو.... جب کہ موت کو سامنے پا کر

آپنی اپنی کاپا پانی ہو جاتا ہے۔"

"مجھے تو پتا ہی نہیں.... پتا یہی پانی ہوتا ہے۔" جانیہ نے کہا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" بارڈن ہنسا۔

"تم نے سنا میرے ساتھی قیدی۔" جانیہ اس کی طرف مڑے۔

"ہاں سننا.... مجاہد موت سے نہیں ڈرتا.... وہ تو شہادت کی موت

"جانیہ.... تم اپنی فکر کرو.... گنگ تم سے ملاقات کرنے کے لیے بہت بے چین ہے۔"

"میں اپنی فکر کیوں کروں.... اور اس غریب کی کیوں نہ کروں۔"

جس کے زخم پر کوئی پٹی تک نہیں کی گئی۔" جانیہ کی آواز میں درد تھا۔

"تم جانتے ہو جانیہ.... یہ کون ہے.... یہ ایک مسلمان سپاہی

ہے.... خاندان کے محاذ پر لڑ رہا تھا۔"

"میں جانتا ہوں.... اس نے اپنے بارے میں یہ بات بتائی

ہے.... لیکن زخم کے بارے میں نہیں بتایا تھا.... یہ بات ابھی ابھی

معلوم ہوئی ہے۔ کیا یہ انسان نہیں کہ اس کے زخم کا علاج کرا

جائے۔"

"تم جانتے ہو.... گنگ میں اور ہم میں رحم نام کی کوئی چیز

نہیں۔" بارڈن ہنسا۔

"اوکے.... ہم آ رہے ہیں۔" جانیہ کی آواز ابھری۔

پھر دونوں کو ٹھہری سے نکل آئے.... اب انہیں راکٹوں کے

گھیرے میں لے لیا گیا۔

"فرار ہونے کی کوشش کرو گے تو گنگ کے سامنے پھینچے

پہلے ہی مارے جاؤ گے۔"

"اس اطلاع کے لیے شکریہ.... میرے باقی ساتھیوں کا کیا ہوا؟"

"وہ بھی بڑے لیے گئے ہیں.... گنگ کے سامنے پیش کر دیے گئے

پسند کرتے ہیں اور شہیدوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔  
 شہیدوں کو مردہ مت کہو۔۔۔ وہ زندہ ہیں، لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔  
 سپاہی کمزور آواز میں بولا۔

"کاش"۔ جانیا بولا۔

"کاش کیا؟" اس نے پھر کہا۔

"کاش"۔ اس نے پھر کہا۔

"آئے۔ تو پتہ کون سا؟"

"نہ۔۔۔ کہا چاہتا ہوں۔۔۔ کہ نہیں سکتا۔" وہ بولا۔

"کہوں۔۔۔ ڈرتے ہو ان سے؟" سپاہی نے طنز آمیز انداز میں کہا۔

"یہ بات نہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"بس تو پھر چپ رہو۔" سپاہی نے بھی ہنسا کر کہا۔

اور پھر وہ نارت میں داخل ہوئے۔ محسن میں ابھی تک ان کی

لنگ رہی تھی۔ اس پر ایک نظر ڈال کر وہ آگے بڑھ گئے۔ اب

محسن ان کے سامنے تھا۔۔۔ اس میں فوارہ چل رہا تھا اور دوسری طرف

لنگ کا دربار لگا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے دربار میں ایک آدمی کھڑا

تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے تھے۔ اور سر آگے کی طرف

جھکا تھا۔ دو آدمیوں نے اسے دائیں بائیں سے پکڑا ہوا تھا۔ اور

تیسرے نے اس کا سر جھکایا ہوا تھا۔

"جرم ثابت ہو گیا۔۔۔ اسے لے جا کر نکال دو۔۔۔ پانی لاش اندر

رکھائی میں پھینک دو اور اسے اس کی جگہ نکال دو۔"

"تین نہیں۔۔۔ لنگ نہیں۔۔۔ میں آپ کا ساری زندگی خادم  
 رہا۔ میری یہ غلطی معاف کر دیں۔"

"معافی کا لفظ تو ہرے ہاں ہے ہی نہیں۔"

"لیکن لنگ میں نے بچپن سے لے کر آج تک۔۔۔ یعنی آپ

کے والد صاحب کے زمانے سے لے کر آج تک آپ کے خاندان کی

خدمت کی ہے۔ کیا مجھے اس کا صلہ بھی نہیں دیں گے آپ؟" اس

نے ہل کر کہا۔

"وہ ہاں ٹوٹکل۔۔۔ اس بات کا مجھے خیال نہیں رہا۔۔۔ میں

مردے گمراہوں کو تا زندگی عقیدہ بھگواتا رہوں گا۔"

"اور میرے لیے لنگ۔۔۔ آپ مجھے عمر قید کی سزا دے دیں۔"

"اس سے تمہیں کیا فائدہ ہو گا ٹوٹکل۔۔۔ تمام زندگی کو بھڑی میں

بستے رہو گے۔ اس سے بہتر نہیں ایک آدمہ موت کی تکلیف اٹھا کر

زندگی کے لیے نجات حاصل کر لو۔"

"تین نہیں۔۔۔ لنگ نہیں۔۔۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔۔۔ مجھے مرنے

سے امت ڈر لگتا ہے۔"

"بھئی مرنے سے کون نہیں ڈرتا۔۔۔ لیکن آخر کو مرنا پڑتا ہے۔۔۔

تو میں سوچ رہا ہوں کہ جب موت آئے گی تو کیا اس وقت ڈر نہیں

لے گا؟"

”نہیں۔۔۔ اس وقت کیوں لگے گا ڈر۔۔۔ اس وقت کا تو مجھے ہی نہیں ہو گا۔“

”اگر میں کہتا ہوں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں نے ہلاک نہیں کیا۔۔۔ تو بھی تم کن سامیری بات کو تسلیم کرو گے۔“ جانیہ نے جل کر کہا۔  
”تم لوگ کیا کہتے ہو۔“ اس نے جانیہ کے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

”وہی۔۔۔ جو جانیہ نے کہا ہے۔“

ایسے میں اس کی نظریں سپاہی پر پڑیں۔

”ارے ہاں! اس سپاہی کو تو میں بھول ہی گیا۔ پہلے اس سے دو

دو باتیں ہو جائیں۔۔۔ ہاں تو تمہارا دماغ درست ہوا یا نہیں۔“

”میرا دماغ تو الحمد للہ کبھی خراب تھا ہی نہیں۔“

”لیکن تمہارے جوابات سے تو یہ بات ثابت ہوئی تھی کہ تمہارا

دماغ خراب ہے۔۔۔ کیونکہ میں نے پیش کش کی تھی کہ تم اپنے خائن

کا تمام تر معلومات دے دو۔ ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ لیکن تم نے

یہ بات مانی نہیں تھی۔۔۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ تمہارا دماغ

خراب ہے۔“

”جی نہیں۔۔۔ میرا دماغ بالکل درست ہے۔۔۔ جب میں سب

باتیں آپ کو بتا دوں گا تو آپ پھر مجھے کیوں چھوڑنے لگے۔۔۔ دوسری

بشہ میں اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ملک کے راز ظاہر نہیں کر

سکتا۔“

”یہ ایک سپاہی ہے۔۔۔ عام سپاہی بھلا کیا راز بتا سکتا ہے۔“ جانیہ

”چلو دے دینا۔۔۔ تمہاری مرضی۔۔۔ اسے لے جاؤ اور کوٹھڑی میں ڈال دو۔“

ٹوکھل کو وہاں سے ہٹا دیا گیا۔۔۔ اب گنگ کی نظریں ان پر پڑیں۔

”آہ۔۔۔ جانیہ۔۔۔ اور اس کے ساتھی آگئے۔۔۔ خدار جانیہ۔۔۔ خدار

ساتھی۔۔۔ انہوں نے میرے وفادار ترین ساتھی گانو کو اور پھر شریو کو

ہلاک کیا ہے۔۔۔ کیوں ہارڈن یہی بات ہے نا۔“

”ہاں گنگ۔۔۔ ثبوت مکمل ہو چکا ہے۔“

”ثبوت پیش کرو۔“

ہارڈن نے آگے بڑھ کر کچھ چیزیں اس کے سامنے میز پر رکھ

دیں۔۔۔ اور ان کے بازے میں بتاتے لگا۔۔۔ جب وہ خاموش ہوا تو گنگ

کی آواز ابھری۔

”ثبوت مکمل ہے۔۔۔ شاہپاش ہارڈن۔۔۔ تاہم میں ان کا بیان بھی

سننا چاہتا ہوں۔۔۔ ہاں جانیہ۔۔۔ کیا تم لوگوں نے گانو کو ہلاک کیا تھا۔“

نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ عام سپاہی نہیں ہے۔ ان کا وزیر خارجہ ہے۔"

"کیا... نہیں؟" چائیا چلا اٹھا۔

"کیوں... تمہیں کیا ہوا؟" گنگ نے حیران و لرزہ

"میں اس خیال میں تھا کہ یہ عام سپاہی ہے۔"

"تو بھی تم اس قدر زور سے کیوں ہو گئے؟"

"خاص زور سے بھی نہیں ہے۔"

"تو پھر تم موت قبول کرتے ہو۔"

"ہاں! یہ تمہا نے کہا۔"

۔ لے جاؤ اسے اور پھانسی دے دو۔"

"میں کنگ... اگر یہ وزیر خارجہ ہیں تو ان کے بدلے میں؟"

خانستان سے بہت سے قیدی چمڑا جاسکتے ہیں۔"

"یہ بات بھی ہو چکی ہے۔" گنگ نے منہ بنایا۔

"پھر کیا کوئی بات ملے نہیں ہو سکی۔"

"ان باتوں کا مجھے کوئی علم نہیں... میں تو بس ان لوگوں کا

دوست ہوں۔ جو اس وقت خانستان میں ان سے لڑ رہے ہیں۔"

"اوہ... اچھا۔"

"اور وہ اپنے قیدی حفاظت کے لیے مجھے دے دیتے ہیں۔"

کیونکہ خانستان والے اپنے قیدیوں کا سراغ لگا لیتے ہیں۔ اور چمڑا لے

ہاتھ ہیں... لیکن جب سے خفیہ طور پر ان لوگوں کے قیدی۔

والے کرنا شروع کیے ہیں۔ اس وقت سے وہ ایک قیدی بھی نہیں

ہو سکے۔"

میں اس وقت بہت سے قدموں کی آواز ابھری۔



نہیں۔

"اب کیا ہو گا.... ہم تو یہاں سے پیچھے بھی نہیں جاسکتے۔" خان  
رحمان بڑبڑائے۔

"اتر تو سکتے ہیں۔" فردانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب؟"

"گاڑی سے اتر کر پیدل گھوٹوں میں نکل چلتے ہیں.... وہاں کسی کو  
کوئی نہ کر کے معلومات اور گاڑی حاصل کر لیں گے۔"  
"تکیب ٹھیک ہے.... آؤ۔"

انہوں نے گاڑی کے ایک طرف کے دروازے کھولے اور نیچے  
اتر گئے.... پیچھے کھڑی کار والے نے انہیں حیران ہو کر دیکھا.... پھر سر  
پر ٹکلیاں کر بولا۔

"اے.... آپ لوگ کہاں چل دیے.... گاڑی کون آگے  
بھلے گا۔" یہ جملہ انگریزی میں کہا گیا تھا۔  
"آپ بڑھائیں گے اے۔" محمود نے کہا۔  
"کیا مطلب؟"

مطلب بتانے کی بجائے وہ گلی میں داخل ہو گئے۔ اور وہ ارے  
ارے کرتا رہ گیا۔ ایسے میں محمود نے کہا۔

"لیکن اب پولیس بہت جلد ہمارے پیچھے لگ جائے گی.... بہتر  
ہے گا کہ ہم کسی گھر میں گھسے جائیں۔"

## آخری کھانا

شعلے کا لپکنا تھا کہ.... وہ سب الٹ کر گرے۔

"آؤ.... نکل چلیں.... ایسا موقع پھر نہیں ملے گا۔" پرویز

بولے۔

وہ تیزی سے باہر کی طرف چلے.... باہر ایک بڑی گاڑی تیار کھڑی  
تھی.... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ.... نکل کھڑ ہوئے.... راستا معلوم  
نہیں تھا.... بس چل پڑے۔

"آپ کا قلم واقعی شاندار ہے.... لیکن ہم یہاں کے راستے  
بالکل نہیں جانتے.... ویسے وہ لوگ کب تک ہوش میں آجائیں گے۔"  
"آدھ گھنٹے سے پہلے نہیں آئیں گے۔"

"ہوں اچھا.... ہمیں آدھ گھنٹے کے اندر اندر اس جگہ سے نکل  
نا ہے۔"

وہ چلتے رہے۔ پھر ایک چوراہے پر انہیں رکتا پڑا.... کیونکہ  
آگے پولیس چیک پوسٹ تھی اور راستا روکا گیا تھا.... دوسرے کی  
گاڑیاں جو ان سے آگے تھیں.... وہ بھی باری باری چیک کی جاتی

"او کے"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

پھر جوئی انہیں ایک دروازہ کھلا نظر آیا.... وہ اس میں داخل ہو گئے.... ساتھ ہی کسی نے چیخ کر کہا۔

"ہائیں.... یہ کسی کے گھر میں داخل ہونے کا کون سا طرف ہے۔"

"مجبوری کا طریقہ"۔ فاروق نے منہ ہٹایا۔

"کیا مطلب.... مجبوری کا طریقہ"۔ آواز سنائی دی.... بھراکھ اور جیڑ عمر آدمی سامنے آ گیا۔

"ہاں جناب.... مجبوری کا طریقہ۔"

"بات سمجھ میں نہیں آئی.... تم لوگ کون ہو۔"

"مہمان"۔ فاروق نے کہا۔

"بن بلائے مہمان؟" اس نے سواہی انداز میں کہا۔

"یہی سمجھ لیں۔"

"میں بن بلائے.... ارے.... تم لوگ تو ہو بھی غیر ملکی.... مسلمان ہو؟" اس نے چونک کر کہا۔

"ہاں جناب بالکل۔"

"تب تو میں تم لوگوں کو ایک منٹ بھی برداشت نہیں کر سکتا.... میں مسلمانوں کا بدترین دشمن ہوں۔"

"کوئی بات نہیں.... ہم نے کب کہا ہے کہ آپ مسلمانوں کے

دشمن دوست ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"آپ لوگ چلتے پھرتے نظر آئیں.... درندہ میں پولیس کو فون دلا گا۔"

"آپ کو ہم ایسا کرنے کیوں دیں گے.... اب سیدھی بات یہ ہے کہ ہمیں بھوک بھی لگی ہے.... اور گاڑی کی بھی ضرورت ہے....

آپ ان دونوں چیزوں کا انتظام کر سکتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔

"اگل.... یہ صاحب اس طرح نہیں مانیں گے۔"

"اچھا۔" انہوں نے کہا اور آگے بڑھ کر اس کی گردن پر ہاتھ مارنے لگے۔ اور بازو کو کتے ہوئے بولے۔

"اب بتاؤ.... تم انتظام کر سکتے ہو یا نہیں.... یہ بات تو معلوم ہو چکی ہے کہ تم مسلمانوں کے بدترین دشمن ہو.... لہذا اگر ہم تمہیں

اس سے بھی مار دیں تو ہمیں کوئی افسوس نہیں ہو گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے بازو اور کس دیا.... اب لگا اس کا سانس پھولنے لگا.... آنکھیں باہر کو

نکل گئیں.... ایسے میں ایک عورت کی چیخ سنائی دی۔

"یہ.... یہ کیا کر رہے ہو؟"

خان رحمان نے پرسکون انداز میں اس کی طرف مڑے.... بازو اٹھائے اور بولے۔

"بتاؤ.... اسے ہم کیا کر رہے ہیں۔"

نہ ہئی۔۔۔ وہ چونک اٹھی۔

”اس وقت یہاں کون آ سکتا ہے؟“ فرزانہ نے ان دونوں کی

”میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔۔۔ یہ کہہ کر وہ مڑی دیکھا۔

فوراً ہی محمود نے اس کا بازو پکڑ لیا۔۔۔ اور پرسکون آواز میں بولا۔

”گھر میں اور کون کون ہے؟“

”ہم دونوں ہی ہیں۔۔۔ اور کوئی نہیں۔“

”ہمارا صاف اور سیدھا مطالبہ ہے۔۔۔ ایک گاڑی! اور کھانا۔“

آپ دونوں کو اور کچھ نہیں کہیں گے۔۔۔ گاڑی بھی شہر سے باہر

آپ لوگوں کو کھڑی مل جائے گی۔۔۔ پولیس آپ کو پانچواں دے گی۔

اتنی سی بات کے لیے کیا ہنگامہ کرنا۔“

”میں اس کے ساتھ جاتا ہوں۔“ محمود نے کہا۔

”بات معقول ہے۔۔۔ جان۔۔۔ جو کہتے ہیں۔۔۔ کر ڈالو۔“

میں ہمارا کیا نقصان ہے۔“

”واہ۔۔۔ مرد کی نہت عورت عقل مند ہے“ فرزانہ نے

ہو کر کہا۔

”پہلے پوچھ لیں۔۔۔ باہر کون ہے؟“

”یہ وقت اسی کا ہے۔“ اس نے کہا۔

”پوچھ لینے میں کیا حرج ہے؟“

”باہر کون ہے؟“

”دودھ والا۔“ باہر سے آواز آئی۔

عورت نے اس کی طرف طنزیہ انداز میں دیکھا۔ جیسے کہ وہی

اس نے جلدی جلدی انگریزی میں اسے بتا دیا۔

”میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔۔۔ یہ کہہ کر وہ مڑی دیکھا۔

فوراً ہی محمود نے اس کا بازو پکڑ لیا۔۔۔ اور پرسکون آواز میں بولا۔

”گھر میں اور کون کون ہے؟“

”ہم دونوں ہی ہیں۔۔۔ اور کوئی نہیں۔“

”ہمارا صاف اور سیدھا مطالبہ ہے۔۔۔ ایک گاڑی! اور کھانا۔“

آپ دونوں کو اور کچھ نہیں کہیں گے۔۔۔ گاڑی بھی شہر سے باہر

آپ لوگوں کو کھڑی مل جائے گی۔۔۔ پولیس آپ کو پانچواں دے گی۔

اتنی سی بات کے لیے کیا ہنگامہ کرنا۔“

”میں اس کے ساتھ جاتا ہوں۔“ محمود نے کہا۔

”بات معقول ہے۔۔۔ جان۔۔۔ جو کہتے ہیں۔۔۔ کر ڈالو۔“

میں ہمارا کیا نقصان ہے۔“

”واہ۔۔۔ مرد کی نہت عورت عقل مند ہے“ فرزانہ نے

ہو کر کہا۔

”پہلے پوچھ لیں۔۔۔ باہر کون ہے؟“

”یہ وقت اسی کا ہے۔“ اس نے کہا۔

”پوچھ لینے میں کیا حرج ہے؟“

”باہر کون ہے؟“

”دودھ والا۔“ باہر سے آواز آئی۔

عورت نے اس کی طرف طنزیہ انداز میں دیکھا۔ جیسے کہ وہی

باہرچی خانے میں وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے کہ دروازہ

"بس ہو گیا اطمینان۔"

والہ اس لیے کہ میں گھر میں آنے والے مجرموں کو یہی بتاؤں گی۔۔۔  
کہ یہ وقت دودھ والے کے آنے کا ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ ہو گیا اطمینان۔۔۔ آپ دودھ کا برتن نکال کر دودھ ڈالالیں۔۔۔ دروازہ پورا نہ کھولیں۔"

"اچھی بات ہے۔" عورت بولی اور پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔  
ہوئے کما۔

"اس میں ڈال دیں دودھ۔"

عین اس وقت عورت کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہ باہر چلی گئی۔  
ساتھ ہی چند مسلح پولیس والے اندر داخل ہو گئے۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

محمود دھک سے رو گیا۔۔۔ اسے حیرت ہوئی کہ عورت۔۔۔

سب کیسے کر ڈالا۔۔۔ پھر عورت اندر آئی تو اس کے چہرے پر اور گہرا  
تھا۔

"بہت خوب! آپ کی چالاکی پسند آئی۔۔۔ لیکن یہ آپ نے کیا کیا؟  
کیا؟"

"جب آپ میرے خاوند سے باتیں کر رہے تھے۔۔۔ اس وقت میں پکڑ دے سکتے ہیں۔"

میں نے وہ باتیں سن لیں تھیں۔۔۔ اور تم ہو گور کو چھپ کر دیکھو۔۔۔ اس کی بات سن کر باقی لوگ سامنے آ گئے۔۔۔ لیکن ان کے  
تھا۔۔۔ بس میں نے پولیس کو فون کر دیا۔۔۔ اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ کوئی رنج اور ملال نہیں تھا۔۔۔ اس لیے کہ اس قسم کے حالات  
جب وہ آئیں اور میں پوچھوں کہ باہر کون ہے تو وہ کہہ دیں کہ وہ دروازہ کا معمول تھے۔



"ہاں! اب بات کی ہے عقل مندی کی۔"

"اچھا اگر آپ یہ بتا دیں کہ ہم آپ کو کہاں لے جا رہے ہیں... تو ہم آپ کو لے جانے سے پہلے شاندار کھانا کھلائیں گے۔"

"ابھی آپ کہہ رہے تھے... نہیں بتا سکتے۔ اب خود ہم سے معلوم کر رہے ہیں؟"

"آپ سے معلوم کرنا اور بات ہے۔"

"لیکن اتنی سی بات کے لیے آپ ہمیں شاندار کھانا کیوں مانگیں گے۔"

"کھانا کھانے کا حکم تو مجھے مسٹر ڈی کوم کی طرف سے ویسے بھی ہے۔ اس صورت میں ذرا زیادہ اچھا کھانا کھلا دیں گے۔"

"جی ہاں بات ہے۔ آپ ہمیں کنگ کے پاس لے جا رہے ہیں۔"

"بالکل درست۔ بہت خوب! اب پہلے کھانا ہو گا۔"

"لیکن ہمیں افسوس ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"افسوس... کس بات پر؟" آفیسر نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم اب کھانا نہیں کھائیں گے... ابھی ابھی تو کھایا ہے۔"

"دیکھ لیں... سوچ لیں... پانچ گھنٹے کا سفر ہے۔ اور کنگ ہمیں کھانے کے لیے نہیں پوچھے گا۔ اس طرح یہ کھانا تسماری ہو جائے گا۔"

"آفیسر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"باہر آپ کے لیے گاڑی تیار کھڑ ہے۔ آپ کا شکریہ۔ آپ ہمارے لیے بہت آسان شکار ثابت ہوئے۔ مسٹر ڈی کوم ہمیں شاندار انعام دیں گے۔ ویسے اس وقت پورے شہر میں آپ کی تلاش کی جا رہی ہے۔"

"وہ تو ظاہر ہے۔" فاروق مسکرایا۔

اور پھر انہیں ایک گاڑی میں بٹھا کر پولیس ہیڈ کوارٹر لے گیا۔ ڈی کوم کو اطلاع دی گئی۔ پولیس والوں نے اس کی ہدایت سن کر فوراً پھر انہیں ایک گاڑی میں بٹھایا۔

"اب ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔"

"آپ لوگوں کی منزل تک۔" پولیس آفیسر نے مسکرا کر کہا۔

"گویا آپ کچھ نہیں بتائیں گے۔"

"نہیں... منزل پر پہنچ کر آپ کو معلوم ہو گا۔" اس نے جواب دیا۔

"چلے صاحب۔"

"ہم نے تو تم لوگوں کی بہت تعریفیں سنی ہیں... لیکن اب

بالکل چہ ہوں کی طرح پکڑے گئے۔"

"دوسروں کے بارے میں انسان جب غلط اندازہ لگاتا ہے تو

یہ ہوتا ہے۔ آج کے بعد ہم کسی کو بھی عقل سے پیدل خیال نہیں

کریں گے۔ خود کو سب کو عقل مند سمجھیں گے۔"

"اس وقت بھوک نہیں۔ آپ کھانا ساتھ لے لیں۔ راستے میں کھالیں گے۔"

قاروق نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

"خیر بونٹی سہا۔۔۔ دیسے بہتر تھا۔ آپ بیس سے کھا کر چند اس طرح راستے میں پھر رکنا پڑے گا۔"

آفسر نے ایک بار پھر انہیں راضی کرنے کی کوشش کی۔  
 "مہم زیادہ وقت نہیں لگائیں گے۔۔۔ صرف چند منٹ میں کھانا لیتے ہیں۔"

محمود نے تیز لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔"

اور پھر ان کا سفر شروع ہوا۔

"جب بھوک لگے۔۔۔ بتا دیتا۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ بتا دیں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

سفر جاری رہا۔۔۔ لیکن انہوں نے بھوک کی بات نہ کی۔۔۔ برس تک کہ ساڑھے تین گھنٹے گزر گئے۔ اب پھر آفسر نے کہا۔  
 "کیا خیال ہے۔۔۔ کھانا نہیں کھائیں گے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ اب کھاتی لیتے ہیں۔۔۔ کیا خیاں نے اور پروفیسر۔"

"بالکل۔۔۔ مجھے بھوک لگ چکی ہے۔" انہوں نے کہا۔

گاڑی روک دی گئی۔

درختوں کے درمیان ان کے لیے دسترخوان بچھایا گیا۔۔۔ اس پر ہمارا کھانا۔

نور پھر ان لوگوں کو گاڑی سے اتار گیا۔

ایسے میں چند جنگلی جانور کھانے کی بو پا کر وہاں آ گئے۔ یہ بے ضرر جانور تھے۔

فرزانہ نے کچھ کھانا ان کی طرف پھینکا تھا۔  
 "نہار۔"

ٹیسری سخت آواز گونجی۔



"ہاں! اب یہی کرتا ہو گا۔"

یہ کہہ کر اس نے جیب سے موبائل فون نکالا اور نمبر طے لگا۔  
مہلے ہی بولا۔

"ڈی کوم۔ کنگ بات کر رہا ہوں۔ انپکٹر جشید کے بچے اور  
انہوں نے نظریں اٹھائیں تو کنگ مسکرا دیا۔ اور خوش  
ہوا۔

## سلاخ کا مڑا

انہوں نے نظریں اٹھائیں تو کنگ مسکرا دیا۔ اور خوش  
ہوا۔

"ہمت خوب! یہ ہوئی بات۔"  
کنگ کے ساتھیوں نے دیکھا۔ کنگ کے کئی آدمی انپکٹر جشید  
برای طرح بکڑے لیے چلے آ رہے تھے۔

"کنگ ہم انپکٹر جشید کو بھی پکڑ لائے۔ آخر ہم کامیاب  
ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں! یہ میرے لیے بہت بڑی خوشی کی خبر ہے۔ اور اس  
انعام بھی بہت بڑا ہو گا۔ لیکن بھئی۔۔۔ ابھی تک اس کے ساتھی  
نہیں پھنسے۔ انہیں بھی ڈی کوم نے گھیر تو لیا تھا۔ اور میری طرف  
روانہ کر دیا تھا۔۔۔ میرے حساب کے مطابق۔۔۔ ان لوگوں کو بھی  
تک یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

"اس بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں کنگ۔۔۔ ویسے آپ ڈی کوم  
سے کیوں نہیں معلوم کر لیتے۔"

"یہ لے لاکوئی موقع آئے گا تو بولوں گا نا۔"  
"اس سے بہتر موقع پھر آپ کو نہیں ملے گا۔۔۔ کیونکہ آپ کی  
کا پروگرام ترتیب دیا جا چکا ہے۔" کنگ بولا۔

"میں نے اس سے سودا بنے کر لیا تھا.... میں اسے اس وقت  
 مار سے مار سکتا تھا.... اپنی زندگی بچانے کے لیے اس نے مجھ سے سودا  
 کر لیا تھا.... انہیں تو مجھ سے جدا ہوئے بہت دور..."

"نن نہیں.... نہیں.... یہ غلط ہے۔"

"یہ غلط نہیں ہے.... میں نے نہ صرف یہ کہ اسے چھوڑ دیا  
 بلکہ اپنے لیے کام کرنے کی پیش کش مفت نہیں کی تھی.... اسے  
 آپ کے بارے میں میں بہت کچھ جانتا ہوں.... یہ تک معلوم ہے کہ ایک معقول تنخواہ دینے کا بھی وعدہ کیا تھا اور وہ تنخواہ اس وقت  
 کہ آپ کے کچھ جاسوس اس سلسلے میں میری نگرانی کرنے کے لیے براہ راست اس کے گھر والوں کو پہنچ رہی ہے۔"

"کیا!!!" کنگ چلا اٹھا۔

"کیوں.... یہ خبریں آپ کے لیے نئی اور انوکھی ہیں نا۔"  
 "ہاں! بہت.... میں تسلیم کرتا ہوں، لیکن یہ خبریں سچی نہیں

"میں ثابت کر دوں گا کہ خبریں سچی ہیں۔" انسپکٹر حبشہ بولے۔  
 "تب پھر بتاؤ.... میرا وہ کون سا آدمی ہے.... جس نے غداری کی

"ان حالات میں میں اس کا نام نہیں بتا سکتا.... صورت حال  
 میں اس جاسوس کا نام بتا سکتا ہوں.... جس نے آپ کو بتا دیا تھا کہ میں بالکل بے

"نن میں یہی سمجھتا ہوں.... تم اب بھی غلط بیانی کر رہے ہو۔"  
 "نہیں.... میں اس جاسوس کا نام بتا سکتا ہوں.... جس نے آپ کو بتا دیا تھا کہ میں بالکل بے

"اور صورت حال ہمارے قابو میں آئے گی نہیں.... لیکن ہم

"اور اچھا.... اس اطلاع کے لیے شکریہ۔"

"آپ کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

"کچھ نہیں کہ سکتا.... انہیں تو مجھ سے جدا ہوئے بہت دور..."

"جلی ہے۔"

"ہوٹل آٹار سے خوف زدہ ہو کر کیوں بھاگے تھے؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سے وہاں ملاقات ہو جائے گی۔"

"آپ کے بارے میں میں بہت کچھ جانتا ہوں.... یہ تک معلوم ہے کہ ایک معقول تنخواہ دینے کا بھی وعدہ کیا تھا اور وہ تنخواہ اس وقت

"کہ آپ کے کچھ جاسوس اس سلسلے میں میری نگرانی کرنے کے لیے براہ راست اس کے گھر والوں کو پہنچ رہی ہے۔"

"کیا!!!" کنگ چلا اٹھا۔

"کیوں.... یہ خبریں آپ کے لیے نئی اور انوکھی ہیں نا۔"

"ہاں! بہت.... میں تسلیم کرتا ہوں، لیکن یہ خبریں سچی نہیں

"میں ثابت کر دوں گا کہ خبریں سچی ہیں۔" انسپکٹر حبشہ بولے۔  
 "تب پھر بتاؤ.... میرا وہ کون سا آدمی ہے.... جس نے غداری کی

"ان حالات میں میں اس کا نام نہیں بتا سکتا.... صورت حال  
 میں اس جاسوس کا نام بتا سکتا ہوں.... جس نے آپ کو بتا دیا تھا کہ میں بالکل بے

"نن میں یہی سمجھتا ہوں.... تم اب بھی غلط بیانی کر رہے ہو۔"

"نہیں.... میں اس جاسوس کا نام بتا سکتا ہوں.... جس نے آپ کو بتا دیا تھا کہ میں بالکل بے

"اور صورت حال ہمارے قابو میں آئے گی نہیں.... لیکن ہم

"کیا!!!" کنگ چلا اٹھا۔

"کیوں.... یہ خبریں آپ کے لیے نئی اور انوکھی ہیں نا۔"

"ہاں! بہت.... میں تسلیم کرتا ہوں، لیکن یہ خبریں سچی نہیں

"میں ثابت کر دوں گا کہ خبریں سچی ہیں۔" انسپکٹر حبشہ بولے۔  
 "تب پھر بتاؤ.... میرا وہ کون سا آدمی ہے.... جس نے غداری کی

نہرستی بھی تو تم سے اگلا سکتے ہیں۔“

”نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں اگلا سکتے۔“

”میں ابھی اگلا کر دکھاؤں گا۔“ کنگ غرایا۔۔۔ پھر اس نے بارڈن آواز میں کہا۔

”بارڈن۔۔۔ انپکٹر جشیہ سے اگلا دیا جائے۔۔۔ ہمارے کس کارکن نے مجھ سے غداری کی ہے اور ان سے سودے بازی کی ہے۔“

”میرا خیال ہے کنگ۔۔۔ انپکٹر جشیہ بے پر کی اڑا رہے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”انہیں بے پر کی اڑانے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔۔۔ جب کہ یہ ایک واضح اشارہ بھی دے رہے ہیں۔۔۔ دربار میں موجود ایک کارکن بول اٹھا۔“ شاید وہ بارڈن سے جلتا تھا۔

”کیا مطلب۔۔۔ واضح اشارہ۔۔۔ کون سا واضح اشارہ دے رہے ہیں؟“ بارڈن چونکا۔

”آخر انہیں یہ کیسے پتا چلا کہ کنگ نے ان پر جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ کنگ کیا ان کی یہ بات درست نہیں ہے۔ کیا آپ نے جاسوس مقرر نہیں کیے تھے؟“

”بالکل کیسے تھے۔“ کنگ نے فوراً کہا۔

”تب پھر۔۔۔ اگر انپکٹر جشیہ نے آپ کا کوئی جاسوس نہیں پکڑا تھا۔۔۔ اور اس سے معلومات حاصل نہیں کی تھیں۔ تو انہیں کس طرح

پتا چل گیا کہ آپ نے ان کے لیے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں۔“

”ہاں واقعی۔۔۔ بارڈن۔۔۔ اس بات کا جواب دو۔“

”بارڈن کا رنگ اڑ گیا۔۔۔ وہ چند لمحوں تک سوچتا رہا۔۔۔ پھر بولا۔

”ٹھیک ہے کنگ۔۔۔ انپکٹر جشیہ کی بات ہی درست ہے۔“

”چلو تم نے بات تسلیم تو کی۔۔۔ اب ان سے اگلاؤ۔۔۔ ہمارے کس کارکن نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے۔“

”ہمت بہتر کنگ۔۔۔ یہ اگلیں گے۔۔۔ اور فر فر اگلیں گے۔“

”اب تمہاری یہی کاری گری دیکھنا چاہتا ہوں۔“ کنگ ہنسا۔

”انپکٹر جشیہ کو پابند دیا جائے۔“

انہیں بری طرح جکڑ دیا گیا۔۔۔ اور ایسا ایک کرسی پر بٹھا کر کیا گیا تھا۔

”کوٹے۔۔۔ سلتی ہوئے کوٹے۔“ بارڈن چلایا۔

جلد ہی کوٹے لائے گئے۔۔۔ ان میں دو سلاخیں دھک رہی تھیں۔۔۔ بارڈن نے ایک سلاخ اٹھا لی۔۔۔ اور انپکٹر جشیہ کی طرف بٹھنے لگا۔

”ہاں تو انپکٹر۔۔۔ تائیں۔۔۔ وہ کون ہے جس نے کنگ سے غداری کی تھی۔۔۔ اور آپ کے ساتھ مل گیا تھا؟“

”افسوس۔۔۔ فی الحال نہیں بتا سکتا۔“ وہ بولے۔

”لیکن ہمیں تو اسی صورت میں پوچھنا ہے۔۔۔ اگر نہیں بتاؤ گے

"کیوں... کیا اس کے بعد تم لوگ ہمیں چھوڑ دو گے... آخر پھر  
میں تم ہمیں موت کے گھاٹ اتارنے کا پروگرام رکھتے ہو... تب پھر  
میں کیوں اس کا نام بتاؤں... جو میرے کام آتا رہا ہے۔"  
"نہ بتاؤ... سلاخ کا مڑا چکیو۔"

یہ کہہ کر اس نے سلاخ پنڈی سے لگا دینا چاہی... مین اس وقت  
ایک تیز آواز کو گونجی۔  
"نصرو!"

وہ سب چونک اٹھے... انہوں نے دیکھا... چلانے والا جانی تھا۔  
"کیا ہوا جانی... بہت ہمدردی ہے انپکٹر جیشید سے؟" گنگ نے  
پوچھ کر کہا۔

"ہاں... بہت۔" وہ بولا۔

"کیا مطلب؟" گنگ چلا اٹھا۔

"سلاخ نہ لگائیں... اس کا نام تو میں بھی بتا سکتا ہوں۔" جانی  
نے یہ الفاظ مسکرا کر کہے۔

"ہائیں... کیا واقعی۔" گنگ کے لمبے میں حیرت ہی حیرت تھی۔  
"اور نہیں تو کیا؟"

"تب پھر تم ہی وہ ہو... جس نے تھاری کی ہے۔" گنگ غرایا۔  
"آپ نے بالکل درست اندازہ لگایا۔"

"ہارڈن... اب اس تھار کو سزا دو۔" انپکٹر جیشید کی باری بعد

تو یہ سلاخ... انگارے کی طرح دھکتی ہوئی سلاخ تھاری پنڈی لی ہے  
دی جائے گی اور اس وقت تک نہیں بجھے گی جب تک یہ سزا نہ  
جائے۔ پھر اس سلاخ کو تو کونوں پر رکھ دیا جائے گا... دوسری اٹھائی  
جائے گی اور دوسری پنڈی کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔  
"تو اس کے بعد۔" انپکٹر جیشید مسکرائے۔

"کیا مطلب اس کے بعد کیا؟" ہارڈن نے حیران ہو کر کہا۔  
"اس کے بعد کیا کرنے کا پروگرام ہے؟"

ہارڈن کو ایک جھٹکا لگا... وہ دھک سے رہ گیا... پھر کھوٹے  
کھوٹے انداز میں بولا۔

"نہیں... نہیں... تم اس قدر دیر نہیں ہو سکتے کہ  
سلاخوں کی تکلیف برداشت کر جاؤ۔"

"تب پھر آزمائش شروع کر دو۔" وہ بولے۔  
"ہاں! ضرور۔ کیوں نہیں۔ اس کے بعد بھی یہ کوئٹے بچے

نہیں جائیں گے اور تمہارا جسم بھی باقی ہو گا... لہذا عمل جاری رہے  
گا۔"

"چلو خیمہ دیکھتے ہیں۔"  
پھر ہارڈن ایک ایک قدم اٹھاتا ان کی طرف بڑھنے لگا۔ یہاں

تک کہ بالکل نزدیک پہنچ گیا۔  
"اب بھی وقت ہے اپنی پنڈی کو بچا لو۔" ہارڈن بولا۔

"ایک منٹ"۔ جانیٹا نے چلا کر کہا۔

"اب کیا رہ گیا ہے؟"

"بہتر ہو گا۔۔۔ آپ انسپکٹر جشیہ کو بھی کھول دیں۔۔۔ مزا رہے

"نہیں کنگ۔۔۔ ہم انسپکٹر جشیہ کو کھولنے کا خطرہ مول نہیں لیں  
سگے ہتھ نہیں یہ ہمارے قایم میں کس طرح آ گئے۔۔۔ ہم یہ سنری  
میں قریح تو اتنا پسند نہیں کرتے۔" ہارڈن نے فوراً کہا۔

"اوکے۔۔۔ ہارڈن۔۔۔ میں تمہاری یہ بات ضرور مانوں گا۔۔۔ انسپکٹر  
جشیہ کو نہیں کھولا جائے گا۔"

"تب پھر میرے ساتھیوں کو آ لینے دو۔۔۔ ان کی عدم موجودگی  
میں مجھے مزا نہیں آ رہا۔"

"انہیں بہت پہلے یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔۔۔ پکڑے تو وہ جا چکے  
ہیں۔۔۔ اور انہیں میری طرف روانہ بھی کیا جا چکا ہے۔"

"بس تو پھر۔۔۔ انتظار کر لیں۔"

"جانتا نہیں۔۔۔ وہ کب آتے ہیں۔۔۔ آخر ہم کب تک ان کا انتظار  
کر رہے۔۔۔ پھر ہمیں اس سے کیا غرض کہ تم لوگوں کو مزا آتا ہے یا  
نہیں۔" ہارڈن نے برا سامنے بنا کر کہا۔

"کیوں کنگ۔۔۔ آپ کیا کہتے ہیں؟"

"جو ہارڈن کہتا ہے۔۔۔ یہ میرا دایاں بازو ہے۔"

میں آئے گی۔"

"یہ۔۔۔ یہ کیا کیا تم نے مسٹر جانیٹا؟" انسپکٹر جشیہ بولے۔

"اور میں کیا کرتا۔۔۔ آپ میری خاطر خاموش رہے تو اس سلسلہ  
کا مزا کیوں چکیں۔"

"یہ لوگ کون سا ہمیں معاف کر دیں گے۔" انہوں نے مد  
بتایا۔

"یہی بات میں بھی کہتا ہوں۔۔۔ جب یہ ہمیں چھوڑیں گے نہیں  
تو ہم انہیں بتا کیوں نہ دیں کہ ہم کون ہیں۔۔۔ کیا ہیں۔" جانیٹا مسکرایا۔

"ہارڈن۔۔۔ اب میری برواشت کا مادہ ختم ہونے کو ہے۔ جلدی  
کند۔۔۔ سب سے پہلے جانیٹا کو چھٹی کرو۔" کنگ نے گرج کر کہا۔

"یوں کیا خاک مزا آئے گا۔" جانیٹا ہنسا۔

"کیا مطلب؟" کنگ نے اسے گھورا۔

"میرا مطلب ہے۔۔۔ میں بندھا ہوا ہوں۔ گولیاں کھاتے سے  
پہلے اپنے آپ کو بچانے کی ایک کوشش بھی نہیں کر سکتا۔ تڑپ بھی  
نہیں سکتا۔"

"اوہ! یہ بات ہے۔۔۔ اسے کھول دو۔" کنگ نے کہا۔

اسے فوراً کھول دیا گیا۔ کنگ اسے دیکھ کر ہنسا اور بولا۔

"لو۔۔۔ اب خود کو بچا کر دکھاؤ۔ میرے یہ نشانے باز اپنا کار  
شروع کرتے ہیں۔"

## فاروق

”خبردار.... کیا مطلب.... آپ ہمیں کس بات سے خبردار کر رہے ہیں۔“ فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اپنی بہن کو روکو.... وہ یہ کھانا جانوروں کے آگے نہ ڈالے۔“ اس وقت تک وہ جانوروں کے آگے کھانا ڈال چکی تھی.... اور کھانے بھی لگ گئے تھے۔

”ارے ارے.... بھگادو انہیں۔“ آئیسر نے چیخ کر کہا۔ لیکن اب انہیں بھگانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا.... وہ کھانا شروع کر چکے تھے۔

اپنا تک ان کے منہ سے تکلیف دہ آوازیں نکلتے گئیں.... وہ ہنہ پٹ ہونے لگے۔

”یہ.... یہ انہیں کیا ہوا؟“ فاروق کانپ گیا۔

”وہی.... جو ہمیں ہونے والا تھا۔“ فرزانہ مسکرائی۔

”اوہ نہیں۔“ وہ چلائے۔

”ہاں! ان لوگوں کا پروگرام تھا.... ہمیں کنگ کے سامنے بے

”آپ کی مرضی کنگ۔ ہم تو آپ کو ذرا زیادہ پر لطف کریں گے۔“ کنگا چاہتے تھے.... مگر آپ انہیں مانتے تو نہ سہی.... آپ نے کنگے کھول دیے.... یہی بہت ہے.... میں انکے جیشید کو خود کھول دوں گا۔“ جانیانے بے فکری کے عالم میں کہا۔

”پاگل ہو گئے ہو کیا؟“ کنگ ہنسا۔

”ہوا نہیں.... لیکن شاید ہو جاؤں۔“

”کیا مطلب؟“ کئی آوازیں ابھریں۔

”میرے کانوں میں کچھ آوازیں آرہی ہیں۔“ عجیب و غریب

آوازیں.... یہ آوازیں لمحہ بہ لمحہ نزدیک آرہی ہیں۔“

”کنگ.... کیسی آوازیں۔“

”کچھ لوگوں کے آنے کی آوازیں اور ضرور میرے ساتھیوں کی

آوازیں ہیں۔ آپ کیا چند منٹ کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتے۔“

”تمہیں وہم ہو گیا ہے.... یہاں دور دور تک تمہارے آئیں

کا نام و نشان تک نہیں ہے۔“

”وہ.... وہ دیکھئے.... سنیں.... سنیں۔“

جانیانے پر جوش انداز میں بولا۔





آگ کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو جائے۔

”اس کے آگ بگولا ہونے نہ ہونے سے ہمیں کیا فرق پڑ جائے  
لاپٹے تو صرف یہ بتا دیں۔“

”اس صورت میں وہ زیادہ خوفناک سزا دے سکتا ہے۔“

”اس سے ہمیں کیا فرق پڑ جائے گا۔“ فاروق نے منہ ہٹایا۔

”ہمارا دماغ نہ چالتو۔ کنگ ہی سے پوچھ لیتا۔“

”تو چلو۔ اس کے پاس۔“

ان کا سفر پھر شروع ہو گیا۔

”اس کیس میں ہمیں سب سے زیادہ حیرت المیہاں پر ہے۔“

آخروہ اب تک کہل ہیں۔ کیا اس وقت میدان میں آجائیں گے۔

اب کنگ ہمیں پھانسی دے گا۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”نہیں۔ اس سے تھوڑی دیر پہلے آئیں گے۔“ فاروق

سکڑایا۔

”جہیں کیسے معلوم؟“ خان رحمان نے چونک کر کہا۔

”ان کی عادت کا تو ہمیں پتا ہے نا۔“ فرزانہ نے کہا۔

”ونکسٹر جمشید! اب تم لوگوں کی مدد کے لیے نہیں آئیں گے۔“

انہیں سے ایک نے کہا۔

”دیکھا جائے گا۔“ فرزانہ نے منہ ہٹایا۔

آخروہ اس عمارت کے باہر پہنچ گئے۔ جس میں کنگ کا دربار لگا

ہوشی کی حالت میں یا مردہ حالت میں پہنچاتے۔ تاکہ ہم کسی صورت  
بھی زندہ نہ بچ سکیں۔ لیکن جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے۔ یہاں  
تک کہ کروہ خاموش ہو گئی۔

”اب تم لوگ کیا کہتے ہو۔ کیا ایسا حکم کنگ نے دیا تھا؟“

”نہیں۔ ہم نے سوچا۔ کیسے تم راستے میں پریشان نہ کرو۔“

لہذا کیوں نہ اس حالت میں لے جائیں۔ کہ تم کچھ بھی نہ کر سکو۔“

”یہ طریقہ درست نہیں۔ ہمیں ہوش کی حالت میں لے کر

چلو۔ ذرا ہم بھی تو کنگ کی طاقت کو دیکھیں۔“

”کنگ کی طاقت دیکھنا آسان کام نہیں۔“ آفسیر نے کہا۔

”کنگ اس قدر طاقت ور ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”ہمیں سوچنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔“

”لیکن اس کے باجود وہ طاقت ور ہے۔“

”ہو گا۔ اب ہم یہ کھانا تو کھائیں گے نہیں۔ لہذا اسی طرح

اس تک پہنچا دیں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ چلو۔“

”یا پھر ایک دوسری ترکیب ہے۔ یہ کہ آپ ہمیں دوسرا کھانا

دیں۔ جس میں بے ہوشی کی دوا نہ شامل ہو۔“ پروفیسر بولے۔

”ایسا کھانا لانے میں دیر لگ جائے گا۔ اور کنگ کی باراضی

مول لینا پڑے گی۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔۔۔ جب آپ وہاں پہنچیں تو

ہوا تھا۔۔۔ دروازے پر مسلح پہرے دار موجود تھے۔

"یہاں حالات کیا ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہیں۔" ایک پہرے دار نے کہا۔

"ہم ان لوگوں کو لے آئے ہیں۔۔۔ اس وقت تک انہیں جیٹ پکڑے گئے ہیں یا نہیں۔"

"ہاں! ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی لایا گیا ہے۔" پہرے دار نے

بتایا۔

"کیا۔ نہیں۔" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"تم تو دعویٰ کر رہے تھے کہ وہ قابو میں نہیں آئیں گے۔" ان

میں سے ایک ہنسا۔

اب وہ گنگ ہو چکے تھے۔ جواب دینے کوئی نہ چاہا۔

"اب اندر چلو۔ مزا آئے گا۔" اسی نے کہا۔

اور پھر وہ اندر داخل ہوئے۔۔۔ انہیں نے سیدھا اس صحن کی

طرف لایا گیا۔

"دیکھا گنگ۔۔۔ میں نے ٹھیک کہا تھا نا۔۔۔ کچھ لوگ آ رہے

ہیں۔ میں ان کے آنے کی آوازیں سن رہا ہوں۔ دیکھ لیں۔ آخر

لوگ آ گئے۔"

"لیکن یہ لوگ۔۔۔ تو انہیں جیشید کے ساتھی ہیں۔ جاننا۔

تمہارے ساتھی کب ہیں۔"

"چلے خیر۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ میرے ساتھی بھی آتے ہی ہوں

گنگ۔ اور وہ آکر یہاں سب کچھ الٹ پلٹ کر دیں گے۔" انہوں نے

انہیں جیشید کی آواز سنی۔

"یہ لوگ ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں گنگ۔۔۔ میں نے سنا

ہے۔ جب یہ پھنسے ہوئے ہوتے ہیں تو اپنے دشمنوں کا وقت ضائع کر

کے کچھ نہ کچھ کرنے کی مصلحت کے چکر میں رہتے ہیں۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں۔ اب جب کہ انہیں جیشید کے سب

ساتھی آچکے ہیں۔۔۔ تو پہلے ان لوگوں کو تو ٹھکانے لگا دیا جائے۔" گنگ

نے کہا۔

"بالکل ٹھیک گنگ! یہ آپ نے درست بات کہی۔"

"کیا مطلب۔ کیا اس سے پہلے گنگ ہر بات غلط کہتے رہے

ہیں۔" فاروق نے چونک کر کہا۔

"کیا مطلب؟" گنگ زور سے اچھلا۔ اس کا چہرہ غصے سے تن

کیا۔

"مہ۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔"

"لڑکے۔۔۔ تم کیا کہنا چاہتے تھے؟" گنگ نے جیسے اس کی بات

سنی ہی نہیں۔"

"آپ کے اس غلام نے۔۔۔ غلام ہی ہو گا نا۔۔۔ یا کچھ اور ہے؟"

فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔ باقی مسکرا دیے۔

"بالکل ٹھیک! یہ میرا غلام ہے۔" نگ نگجموں کر بولا اور ہارڈن کا رنگ اڑ گیا لیکن وہ کہ کچھ نہ سکا۔

"اس نے کہا ہے۔ بالکل ٹھیک نگ! اب آپ نے درست بات کہی۔ گویا پہلے آپ درست باتیں نہیں کہتے رہے۔ اب آپ اپنے اس غلام سے پوچھئے۔ آپ نے اب تک کون کون سی غلط باتیں کہی ہیں۔ اور اگر ایک بات بھی غلط نہیں کہی تو پھر پہلے اسے پھانسی پر چڑھائیے نا۔ ہم کوئی بھاگے جا رہے ہیں۔"

"بات معقول ہے۔" نگ نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں نگ۔ بات معقول نہیں ہے۔" ہارڈن نے چلا کر کہا۔  
 "لیجئے۔۔۔ یہ اس نے آپ کی ایک اور بات غلط قرار دے دی۔ ابھی ابھی اس نے کہا ہے۔ نہیں نگ! یہ بات معقول نہیں ہے۔ جب کہ آپ کہ رہے ہیں، بات معقول ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔  
 "اف ہارڈن۔۔۔ اب تم نے پھانسی کو اپنا مقدر بنا لیا۔۔۔ پکڑو ہارڈن کو۔"

"ارے ارے۔۔۔ یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا آپ پاگل ہو گئے ہیں۔۔۔ میں ہارڈن ہوں۔۔۔ آپ کا دایاں بازو۔۔۔ یہ چوبیس۔۔۔ مجھے پکڑیں گے بھلا۔۔۔ یہ تو الٹا مجھ سے مارے خوف کے پانی ہو جائیں گے۔" ہارڈن پوری قوت سے دھاڑا۔  
 "اگر تمہارے کہنے کے مطابق۔۔۔ یہ خوف کے مارے پانی ہو گئے

تو میں تم سے مقابلہ کروں گا۔" فاروق نے بلند آواز میں کہا۔  
 "بہت خوب! مزا آ گیا۔۔۔ میرے ساتھیوں کو ہارڈن کو قابو میں کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ پہلے میں ان دونوں کا مقابلہ کروں گا۔" نگ ہنسا۔

"جہیں تو میں چبا جاؤں گا کچا۔" ہارڈن چلایا۔  
 "بہت مشکل سے گلوں گا تمہارے معدے میں۔" فاروق نے ہنسا۔

"کیا کہا۔۔۔ ہاہا۔" نگ ہنسنے لگا۔

اوسر ہارڈن نے پاگلوں کے سے انداز میں فاروق پر چھلانگ لگائی۔ اور سیدھا قمرش پر اونٹ سے منہ گرا فاروق دور کھڑا نظر آیا۔  
 "آپ نے دیکھا نگ۔۔۔ آپ کے دائیں بازو کا نشانہ کس قدر خراب ہے۔۔۔ یہ تو دشمن پر چھلانگ بھی درست نشانے پر نہیں لگا سکتا۔ اور بتا پھرنا ہے۔ کارڈن۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔  
 "کارڈن نہیں۔ ہارڈن۔" محمود نے جمل کر کہا۔ اسے فاروق پر پیار بھی آ رہا تھا اور غصہ بھی۔ کہ ایک جملہ کہ کر صورت حال کا ہیرو بن گیا۔

"ہارڈن یہ کیا؟" نگ کی آواز ابھری۔  
 "میں غلطی سے مار کھا گیا میں اسے اس قدر پھرتا نہیں سمجھتا تھا۔" ہارڈن نے جھلا کر کہا۔

"تو پھر تم مجھے اس قدر پھرتلا سمجھ لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"تمہاری تو ایسی کی تھی۔" یہ کہ کر ہارڈن پوری قوت سے اس کی طرف دوڑ پڑا۔ اور اپنے ہی زور میں دیوار سے جا کرایا۔ کیونکہ فاروق تو بلا کی تیزی سے ایک طرف ہو گیا تھا۔ اس کے دیوار سے ٹکرائے جانے کی زوردار آواز پیدا ہوئی۔

"یہ لیجئے۔ اور سنئے۔۔۔ اب انہوں نے دیوار کا نشانہ لے ڈالا۔ ہے کوئی تک۔" فاروق چکا۔

"سنئے نہیں۔ دیکھئے۔" فرزانہ نے گویا اس کا جملہ درست کیا۔  
 "نہیں۔۔۔ سنئے ہی ٹھیک ہے۔۔۔ کیا دیوار سے ٹکرانے کی آواز تمہارے کانوں میں نہیں آئی۔" فاروق نے برا سامنہ بنایا۔  
 "اوہ ہاں۔۔۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے۔"

"ہارڈن۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔ اسے ایک وار میں ختم کر دو۔"  
 "تب پھر میں اسے گولی ہی مار دیتا ہوں۔" ہارڈن نے جھٹکا کر کہا اور پستول نکال لیا۔

"نہیں۔۔۔ یہ غلط ہے۔۔۔ ہاتھوں پیروں سے مقابلہ کرو۔ اور اسے ایک وار میں مار ڈالو۔ تم ہارڈن ہو۔ کوئی ایرے فیرے نہیں۔" گنگ نے منہ بنایا۔

"بہت اچھا کنگ۔۔۔ اب یہ میرے ہاتھوں بہت بھیانک موت

ہے۔"

"دیکھا تم نے؟" فاروق نے محمود اور فرزانہ کی طرف گھبرا کر

"دیکھا نہیں۔۔۔ سنلے۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" محمود جل بھن کر

"میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا۔ کہیں اس طرح ہم بھیانک موت

لاؤ گار نہ ہو جاؤ گے۔ لیکن تم نہیں مانے۔" فاروق نے جلدی جلدی

"کیا نہیں مانے۔"

"وہ۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔ کیا نہیں مانے۔" فاروق بولا۔

"دیکھا کنگ۔۔۔ یہ ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں۔۔۔ آپ اجازت

لے۔ گولیوں سے انہیں یہیں بھون ڈالا جائے۔"

"لل۔۔۔ لیکن۔۔۔ لوگ کیا کہیں گے۔"

"کون سے لوگ۔۔۔ پہلے تو یہ بتائیں۔۔۔ یہاں تو سب اپنے

جہاں۔"

"غلط۔۔۔ بالکل غلط۔۔۔ ہم کیوں ہوں گے تمہارے۔۔۔ ہم تو اپنے

جہاں اپنے۔" خان رحمان نے جل کر کہا۔

"عد ہو گئی۔ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔ میں کنگ۔۔۔ کوئی

لڑائی نہیں۔ کہ میرے دربار میں لوگ ہنسی مذاق کر سکیں۔"

"یہ کام ان لوگوں نے شروع کیا۔ ان کی آمد سے پہلے تو یہاں ایک بات بھی ایسی نہیں ہوئی۔ یہ جہاں جاتے ہیں۔ ایسا ہی کہتے ہیں۔"

"لیکن ہارڈن۔ ہمیں اس سے ہاتھ پیر سے ہی مقابلہ کرنا پڑا۔"

"او کے کنگ۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ میں اسے کس طرح اٹھا کر بچھ دیتا ہوں۔ اس کے بعد یہ اٹھ نہیں سکے گا۔"

"بہت خوب۔ یہ ہوئی نا بات۔" کنگ خوش ہو گیا۔  
 "ابھی بات کہاں ہوئی ہے۔ ابھی تو بات صرف کہی گئی ہے۔" فاروق نے حیرت ظاہر کی۔

"مارو ہارڈن۔ اسے مارو۔" کنگ تھلا کر بولا۔  
 ہارڈن نے اس بار چھلانگ نہیں لگائی۔ نہ فاروق کی طرف دوڑ لگائی۔ بلکہ ایک ایک قدم اس کی طرف بڑھنے لگا۔  
 "اب کیسے بچو گے بچو۔"

"بچو کا مطلب ہی نیچے والا ہے شاید۔ لہذا ان شاء اللہ بچو گا۔" فاروق بولا۔

وہ اس کی طرف بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ صرف دو قدم دور رہ گیا۔ اس وقت فاروق نے ہنس کر کہا۔

"آپ بے خطر میری زد میں آگئے۔ یہ سوچے کچھ بغیر کہ۔" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا سوچے کچھ بغیر؟" ہارڈن نے چلا کر کہا۔  
 "یہ سوچے کچھ بغیر کہ کیا میں آپ پر حملہ نہیں کر سکتا۔ یقیناً کر سکتا ہوں۔ یہ لیں۔ اس بات آپ میرا وار سنبھالیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی فاروق اونچا اچھلا اور اس کے دونوں پیر ہارڈن کے سینے پر بھرپور انداز میں لگے۔ وہ فوراً الٹ گیا۔ ادھر فاروق بھی گرا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سیدھا کھڑا نظر آیا۔ جب کہ ہارڈن میں فوری طور پر اٹھنے کے آثار نظر نہ آئے۔

"ہارڈن۔ یہ کیا۔ کیا اب تم نہیں اٹھو گے۔ کیا میں اپنی فوج کو بلاؤں۔ لیکن فوج کے آنے کا مطلب تو تم سمجھتے ہی ہو گے۔" "نہن نہیں کنگ۔ نہیں۔" ہارڈن کی خوف میں ڈوبی آواز سنائی

دی۔  
 "کنگ۔ کیا بات ہے مسٹر ہارڈن۔ آپ یک دم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو گئے۔" فاروق نے کانپ کر کہا۔

"نفس۔ فوج۔ فوج۔" وہ ہکھلایا۔  
 "ہاں ہاں۔ فوج۔ آگے کہتے۔"

"کنگ۔ کچھ نہیں۔" یہ کہتے ہی وہ فاروق پر اچانک ٹوٹ پڑا۔ اس بار اس نے لاتوں اور گھونٹوں سے حملہ کیا تھا۔ فاروق بھی ہاتھ

اور پھر استعمال کرنے پر تل گیا۔۔۔ اس کے ہاتھ پیر بھلی کی طرح چلنے لگے۔  
 آئے۔۔۔ اور اس نے دو تین کے اس کی ٹھوڑی پر اٹھل اٹھل کر چلنے لگے۔  
 دیئے۔۔۔ البتہ ناک وہ بچا گیا۔۔۔ ورنہ اس وقت وہ زمین پر لیٹا نظر آتا۔  
 ”بہت خوب! بہت خوب!“ گنگ نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔  
 ”کیا مطلب گنگ۔۔۔ آپ نے کس کی تعریف کی ہے۔۔۔ کیا  
 ہارڈن کی۔۔۔ جو بری طرح مار کھا رہا ہے۔“ درباریوں میں سے ایک نے  
 حیران ہو کر کہا۔

”نہیں۔“ گنگ زور سے دھاڑا۔

دربار پر موت کا شٹا چھا گیا۔

”کیا ہوا گنگ؟“ ایک درباری نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”میں نے ہارڈن کے لیے بہت خوب تمہیں کہا تھا۔“

”تو پھر؟“ کئی آوازیں ابھریں۔

”انسپکٹر جمشید کے اس بیٹے کی تعریف کی تھی۔۔۔ ایک بچہ ہارڈن

جیسے پہاڑ کا کس دلیری سے اور مروانہ وار مقابلہ کر رہا ہے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔۔۔ ایک اور نے کہا۔

”اور ہارڈن۔۔۔ جسے میں نے مال کھلا کھلا کر پالا ہے۔۔۔ آج کر

قدر ناکارہ ثابت ہو رہا ہے۔۔۔ میرا جی چاہتا ہے۔۔۔ میں خود اسے گولی مار

دوں۔“

”تو مار دیں گنگ۔۔۔ یہ لیجئے۔۔۔ میں ایک طرف ہو جاتا ہوں۔

میں ہیں فاروق نے ایک طرف چھلانگ لگا دی۔  
 اور گنگ نے قاتر کیا۔



"یہ کمال تو آپ کو میں بھی دکھا سکتا ہوں۔ تو کیا آپ مجھے بھی  
لے لیں گے؟"

"کیا۔ کیا کمال۔ تم اور یہ کمال دکھا سکتے ہو۔ لفظ۔ بالکل  
ناممکن۔"

"چاہتے کلین کو آری کیا۔ تجربہ کر لیں۔"

"یہ۔ یہ ہاتھ کلین کو آری۔ کیا ہوتا ہے۔"

"ٹھانورہ ہوتا ہے۔ یا پھر ضرب الملل ہوتی ہے۔ ہم ان دونوں  
مخل سے ہی فرق کر سکتے ہیں۔"

"کن دونوں میں؟" "نگ نے برا سامنہ بتایا۔"

"ٹھانورے اور ضرب الملل میں۔"

"یہ آپ کو باتوں میں الجھا رہے ہیں نگ۔" ایک درباری نے

"نہیں۔ تم نہیں جانتے۔" نگ مسکرایا۔

"کیا نہیں جانتے نگ؟"

"یہ بات کہ مجھے یہ نہیں۔ میں انہیں الجھا رہا ہوں۔ بلکہ  
جانتا ہوں۔"

"بات ہماری سمجھ میں تو آئی نہیں۔" ایک اور درباری نے حیران ہو

"چند منٹ ٹھہر جاؤ۔ ابھی سمجھ میں آ جائے گی۔" نگ

## نن نہیں

ہاڈون بلا کی تیزی سے گرا اور لڑھکنا چلا گیا۔ وہ نگ کی کمر  
دار صاف چا گیا تھا۔ نگ نے دوسرا وار کیا۔ وہ پھر لوٹ نکلا۔  
آخر نگ نے پے در پے فائرنگ کر کے پستول خالی کر دیا۔

"یہی ہے وہ وجہ۔ جس کی بنا پر میں ہارڈون کو پسند کرتا ہوں۔  
اب شاید ہارڈون اپنی اصلی حالت میں آ گیا ہے۔ میری فائرنگ  
اسے جگا دیا ہے۔ کیوں ہارڈون۔"

"آپ نے ٹھیک فرمایا نگ۔"

"جاؤ۔ میں نے تمہارا قصور معاف کیا۔"

"شکریہ نگ۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے۔"

"اس لڑکے کو جان سے مار دو۔"

"ضرور نگ۔ کیوں نہیں۔"

یہ کہ کر ہارڈون پھر فاروق کی طرف بڑھنے لگا۔

"تو آپ اس کمال کی وجہ سے مسٹر ہارڈون کو پسند کرتے ہیں۔"

"ہاں! بالکل۔"

سکرایا۔

"بہت اچھا لگ"۔ کئی آوازیں ابھریں۔

"اس کا مطلب ہے۔ لگ ہم سے کوئی چال چنے کے لئے ہے۔" پروفیسر داؤد نے چونک کر کہا۔

"کوئی بات نہیں انکل۔۔۔ یہ خود اس چال میں گرے گا۔" فرزانہ نے بے فکری سے کہا۔

"کیا کہا۔۔۔ چال میں گرے گا۔ یہ چال بھی گڑھا ہے۔" میں گر جائے گا۔"

"چال بھی ایک گڑھا ہوتی ہے۔ جو بری نیت سے پڑا۔" خود اس چال کے گڑھے میں گرتا ہے۔" محمود نے کہا۔

"چال کا گڑھا۔ ارے باپ رے۔" فادوق پوچھا اٹھا۔

"کیوں۔ تمہیں کیا ہوا؟"

"یہ۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"حد ہو گئی۔ ان حالات میں بھی ان صاحب کو ناول لکھنا۔"

سوچ رہے ہیں۔"

"کیا کہ رہے تھے تم لڑکے۔ یہ کمال تم بھی دکھائیے۔"

لگ نے اسے گھورا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ لیکن میں ذرا تھک گیا ہوں۔" لڑکا

بجائے اس وقت یہ کمال میرا بھائی دکھائے گا۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں

"آپ کو شاید معلوم نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا معلوم نہیں؟" اس نے منہ بنایا۔

"یہ کہ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔"

"حد ہو گئی۔۔۔ چلو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔۔۔ میں فائر کرنے لگا۔" کوئی بچ کر دکھاوے۔"

"میں میدان میں آ رہا ہوں۔" محمود نے اعلان کیا۔"

فادوق فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ اس لیے کہ وہ واقعی تھکن محسوس کر رہا تھا۔ اگرچہ ابھی تک اس نے اس قدر بھاگ دوڑ نہیں کی تھی۔ اور اس کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔

"انکل! میں تھکن کیوں محسوس کر رہا ہوں؟" اس نے پروفیسر

داؤد کے نزدیک جا کر سرگوشی کی۔

"اوہ۔ بالکل یہی بات میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔" پروفیسر

سوجھ رہے ہیں۔"

"تب پھر۔۔۔ محمود گولیاں کس طرح بچا سکے گا۔"

"اوہ۔ اوہ۔" وہ بولے۔

"لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ محمود بھی تھکن محسوس کر رہا ہو۔"

"پوچھ لو۔ بلند آواز میں پوچھ لو۔ کوئی حرج نہیں۔ اس



"اب ہم آپ کو کس طرح کھولیں۔"

اچھا رہنے دو۔۔۔ کوئی موقع آئے گا تو کھول دینا۔ انہوں نے  
کہا۔

"لیکن ہم سب تھکن کیوں محسوس کر رہے ہیں۔ ہم نے تو  
طرح بھی تھکن محسوس نہیں کیا۔"

"اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہوگی۔" انسپکٹر جشیہ بولے۔

"میں تم پر فائز کرنے لگا ہوں۔ ہارڈن کی طرح بیچ کر دکھاؤ۔"  
انہوں نے محسوس سے کہا۔

"اوکے۔۔۔ لیکن ذرا جلدی کریں۔ کہیں یہ تھکن بڑھ نہ  
جائے۔"

کنگ نے فائز کیا۔۔۔ محمود نے فائز خالی دیا۔۔۔ کنگ کی آنکھوں میں  
پانی آ رہا تھا۔ اس نے پھر فائز کیا۔۔۔ محمود ایک طرف کھڑا نظر آیا۔  
اس نے رکے بغیر فائز کیے۔ اور پستول خالی کر دیا۔۔۔ محمود اب بھی  
اس طرف کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"خیرت انگیز۔۔۔ تم نے دیکھا ہارڈن؟"

"ہاں! دیکھا۔۔۔ اور حیرت بھی ہوئی۔"

"ابھی اور ہوگی۔ اب دو آدمی مجھ پر ایک ساتھ فائز کریں۔"  
انہوں نے کہا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔" کنگ نے پوچھا کہ۔

طرح کم از کم ہم خطرے سے باہر تو ہو جائیں گے۔"

"اوہ ہاں۔۔۔ بالکل ٹھیک۔"

"محمود۔ کہیں تم بھی فاروق کی طرح تھکن تو محسوس نہیں کر  
رہے؟"

"نہیں۔۔۔ ارے ہاں۔۔۔ کسی قدر محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ ابھی ابھی  
احساس ہوا ہے۔"

"ارے باپ۔۔۔ تب تو یہ صورت حال خطرناک ہے۔  
اف مالک۔۔۔ اب ہم کیا کریں۔" خان رحمان بولے۔

"مجھے کھول دو۔۔۔ میں دیکھ لوں گا۔" ایسے میں انسپکٹر جشیہ  
بولے آتے۔

ان کی آواز سن کر وہ چونک اٹھے۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے  
وہ ابھی تک ان کی وہاں موجودگی سے بے خبر رہے ہوں۔

اب وہ سب ان کی طرف گھوم گئے۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ ہم آپ کو ضرور کھولیں گے۔"

محمود نے کہا اور ان کی طرف چھلانگ لگا دی۔

"خبردار۔۔۔ تم میں سے کوئی بھی غلط حرکت نہ کرے۔" کنگ نے  
گرج وار آواز میں کہا اور اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پستول نظر آیا۔  
وہ چونک اٹھے۔ اور گئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے۔

محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اگر یہ تحکُن نہ ہوتی تو ہم آپ کو اور کھیل دکھاتے۔"

"میں.... میں کھیل دیکھوں گا۔ تحکُن دور کر دو بھی۔"

نے کسی ایسے آدمی سے کہا جو نظر نہیں آ رہا تھا.... یعنی صرف لٹائی  
طرف دیکھ کر کہا۔

جواب میں کسی کی آواز سنائی نہ دی.... لیکن اچانک انہیں  
لگا جیسے ان کی تحکُن میں کمی ہونے لگی ہے۔

"تحکُن کم ہو رہی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے.... کمرے میں.... کنگ کا کوئی ماتحت کرا  
ایسی گیس چھوڑ رہا تھا.... جس سے ہم تحکُن کا شکار ہوتے جا رہے  
تھے۔" خان رحمان بولے۔

"تب پھر.... کیا کنگ کے ساتھی تحکُن کا شکار نہیں ہو رہے  
ہوں گے۔"

"نہیں.... انہیں پہلے ہی اس گیس کا اثر نہ ہونے کی دوا دینا  
ہو گی۔"

"اوہ ہاں! ضرور ایسا ہی ہے۔"

"ایسا ہے یا نہیں.... اس بات کو چھوڑو.... اور اب دو آدمی  
کی فائرنگ سے بچ کر دکھاؤ.... میں اور ہارڈن فائر کریں گے۔"

"نہیں محمود.... یہ تمہارے لیے خطرناک ہو گا.... یہ کام میرے  
ساتھی جانیہ کر دیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تن نہیں.... جانیہ یہ کام کیسے کر سکے گا.... اور یہ تمہارا ساتھی  
کب سے ہو گیا.... تم تو اس طرح کہ رہے ہو.... جیسے ایک مدت سے  
یہ تمہارا ساتھ چلا آ رہا ہے۔"

"ایسا ہی ہے مسٹر کنگ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟"

"اسے ایک مدت پہلے تمہارے ساتھیوں میں شامل کر دیا گیا  
تھا۔"

"تن نہیں.... نہیں۔" کنگ چیخا۔

○☆☆○

وند نے۔۔۔ مجھ سے ملاقات کی۔

”کیا ج... آپ نے ہمیں یہ بات پہلے نہیں بتائی۔“ محمود چلا

اٹھا۔

## لیکن انسپکٹر حبشید

اب کنگ کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو ایک جا رہا تھا۔  
پھر اس نے ہونک کر کہا۔

”یہ ہو کیسے سکتا ہے۔۔۔ مدت پہلے سے کیا تم میرے خلاف کوئی  
پروگرام بنا رہے تھے۔“

”ہاں! ایسا کرنا میری مجبوری تھی۔“ انسپکٹر حبشید بولے۔

”کیا مطلب۔۔۔ کیسی مجبوری؟“ اس بار خان رحمان چونک کر  
بولے۔

”جیسا کہ پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔۔۔ ہمارے پڑوسی ملک میں آج  
کل اسلامی جہاد شروع ہو چکا ہے۔۔۔ لیکن اس کی ابتدا آج نہیں۔

کافی مدت پہلے ہو گئی تھی۔۔۔ اس وقت سے جب بھی طالب علموں کا  
کوئی جنگی آفیسر گرفتار ہو جاتا۔۔۔ تو ہمارے یہ طالب علم اس کا سراغ

نہیں لگا پاتے تھے۔۔۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر وہ سراغ لگالیں تو انہیں چھڑا  
لانا ان کے لیے مشکل نہیں ہوتا۔۔۔ اصل مشکل یہ ہے کہ وہ قید کماں

کر دیتے ہیں۔۔۔ جب یہ معاملہ ان سے حل نہ ہوا تو ان کے ایک خفیہ

”کچھ باتیں خفیہ بھی رکھنا پڑتی ہیں۔۔۔ یہ بات میں نے پورے  
ملک میں کسی کو نہیں بتائی اور وہ لوگ بھی چندہ مانگنے والوں کے روپ

میں آئے تھے۔۔۔ ظاہر ہے۔۔۔ ان کی طرف کون توجہ دیتا۔۔۔ میں نے ان  
سے وعدہ کیا کہ اس بات کا سراغ میں لگا کر دوں گا۔۔۔ چنانچہ میں نے

اپنے طور پر یہ کوشش شروع کر دی۔۔۔ اور آخر اپنی خفیہ فورس کے  
ذریعے میں نے سراغ لگا لیا کہ ان سب گرفتار شدگان کو کنگ کے

حوالے کر دیا جاتا ہے۔۔۔ جو کہ ریاست شون کا والی ہے۔۔۔ اس کی  
ریاست چونکہ دو دوسری ریاستوں کے درمیان گھری ہے اور پناہوں

کے درمیان ہے۔۔۔ اس لیے طالب علم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔۔۔  
مطلب یہ کہ اس بات کا سراغ لگ جانے کے بعد بھی طالب علم اس

سلسلے میں کچھ نہ کر سکے۔۔۔ تب میں نے پروگرام بنایا۔۔۔ کہ یہ کام میں  
ہی کوں گا۔۔۔ خفیہ فورس کے ذریعے میں نے ان کا ایک آدمی اغوا کر

لیا۔۔۔ اس کا نام چانیا تھا۔۔۔ اس کی جگہ میرے اس آدمی نے لے لی۔۔۔  
اور اس وقت سے لے کر اب تک چانیا کے روپ میں یہاں میرا آدمی

کام کر رہا ہے۔“ انسپکٹر حبشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
”نن نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ مجھے ان باتوں کا یقین نہیں آیا۔“ کنگ

”یقین نہیں آیا تو جاننا سے پوچھ لو۔“

”اب میں اس سے کیا پوچھوں۔ یہ تو پہلے ہی غدار ثابت ہو چکا ہے۔“

”تب پھر میری بات کو درست ماننا ہو گا۔“

”اچھا خیر۔۔۔ پھر کیا ہوا؟“

”پھر کیا ہونا تھا۔۔۔ جانیا کے ذریعے میں تمام معلومات حاصل کرنا رہا۔ اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کنگ کا کانٹا نکالے بغیر کام نہیں چلے گا۔ اس کی جگہ ریاست ہمارے قبضے میں ہوگی تو بات بنے گی۔ چنانچہ طالب علموں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے بھی یہی رائے دی۔ اور یہ کام میرے ہی سپرد کر دیا گیا۔ لہذا مسٹر کنگ۔۔۔ میں تو یہاں اپنے پروگرام کے عین مطابق موجود ہوں۔“

”یہ۔۔۔ یہ کیسے سکتا ہے؟“ فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”کیوں کیا ہوا۔۔۔ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔“ محمود نے اسے گھورا۔

”لیکن۔۔۔ شامون آباد کا پروگرام تو ہم نے بنایا تھا۔“

”وہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔ دراصل ابھی میں کنگ سے مقابلے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس پر یہ وار تو ابھی کرنا تھا۔ کہ

اور پروگرام شامون آباد کا بن گیا۔۔۔ شامون آباد کا نام سن کر میں کنگ گیا۔ کیونکہ مجھے جانیا کی طرف سے یہ اطلاع ملی تھی کہ کنگ شامون آباد اکثر آتا رہتا ہے اور وہاں کے ہوٹل آثار میں ٹھہرتا ہے۔ لہذا جب تم نے شامون آباد کا نام لیا تو میرے ذہن میں فوراً کنگ آ گیا اور ہوٹل کا نام بھی ذہن میں آ گیا۔ اس وقت میں نے سوچا کہ شاید قدرت اب اس راستے سے اس پر وار کرنا چاہتی ہے۔۔۔ چنانچہ میں نے جانیا کو خبردار کر دیا کہ ہم شامون آباد آ رہے ہیں۔ اس نے بتایا کہ ان دنوں کنگ بھی شامون آباد میں ہے۔ اور ان دنوں کیا۔۔۔ اس کا تو دل ہل ہل بچھ لہو۔۔۔ روز کا آتا جاتا ہے۔ اس طرح یہ سب ہوا۔“

”آ؟“

”سوچے سمجھے بغیر خوف زدہ ہو گیا اور بھاگ لکھا۔۔۔ یہ دیکھنے کے لیے اب کنگ کیا کرتا ہے۔۔۔ اور مجھے خوف زدہ دیکھ کر کنگ چوڑا ہو گیا۔ اور یہ خیال کر بیٹھا کہ ہم اس سے بہت خوف زدہ ہیں۔ اس طرح اس میں اور ہوا بھر گئی۔ اور جب انسان میں ہوا بھر جاتی ہے تو پھر کنگ اس کا مقدر بن جاتی ہے۔“

”لیکن انسپکٹر جمشید؟“ کنگ کی آواز گونجی۔

”لیکن کیا؟“ انسپکٹر جمشید بولے۔

”صورت حال تو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ تم چند لوگ

کیا کرو گے۔ یہ پورا دربار میرے ساتھیوں سے بھرا ہوا ہے اور فوج۔ ریاست کی فوج اس وقت تک اس پورے علاقے کو گھیرے کر لے چکی ہے۔"

انپکنز جشید ذرا بھی نہ چو گئے۔ بلکہ پرسکون انداز میں اس کی طرف دیکھتے رہے۔ اس بات سے کنگ اور حیران ہوا۔  
"انپکنز جشید۔ تم یہ بات سن کر حیران نہیں ہوئے۔ پریشان نہیں ہوئے۔"

"جی نہیں۔ میں حیران ہو کر اور پریشان ہو کر کیا کروں گا۔ جب کہ یہ بات مجھے پہلے ہی معلوم ہے۔"

"اچھا کمال ہے۔ لیکن اب تم کیا کرو گے؟"  
"پہلے آپ اپنا پروگرام کر لیں۔ جانیایا پر دو آدمیوں کے ذریعے فائرنگ کرا کے مزے لوٹ لیں۔" انپکنز جشید مسکرائے۔  
"نہیں۔ اب اس کی ضرورت نہیں۔"

"جب آپ کی مرضی۔ پھر اب ضرورت کس کی ہے؟"  
"بس! اب میں فوج کو بلاتا ہوں۔ وہ خود ہمیں قابو کر لے گی۔"

"مجھے افسوس ہے۔ تم ایسا بھی نہیں کر سکو گے۔"

"کیا مطلب۔ میں کیا نہیں کر سکتا۔"

"فوج کو نہیں بلا سکو گے۔"

"آخر کیوں؟"

"اس وقت یہاں اصل جانیایا سرے سے نہیں ہے۔ جو نئی ہم یہاں پہنچے۔ جانیایا کی جگہ کسی اور نے لے لی۔ یعنی میرے ایک ماتحت ہیں۔ خفیہ فورس کے ایک رکن نے۔"

"تب پھر۔ اس سے کیا ہو گیا۔۔۔ فوج تو باہر موجود ہے۔"  
"ہاں! فوج باہر موجود ہے۔۔۔ تمہارے بلانے پر فوراً اندر آ جائے گی اور ہمیں گرفتار کر لے گی۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا؟"  
"لیکن۔۔۔ اصل جانیایا اس وقت ہمارے ملک میں آرام کر رہا ہے۔ اور اس کی جگہ میری خفیہ فورس کے ایک آدمی نے لے لی۔"  
"اوہ۔۔۔۔۔ یہ بات تو تم ابھی ابھی بتا چکے ہو۔۔۔ یہ ایسی کون سی خاص بات ہے۔"

"خاص بات اس میں یہ ہے کہ تم فوج کو اندر نہیں بلا سکو گے۔ بلکہ فوج کو ہدایت ملے گی کہ وہ واپس سرحد پر پہنچ جائے۔۔۔ یہاں ہر طرح خیریت ہے۔"

"یہ کیسے ہو گا۔"  
"کنٹرول روم میں اس وقت میرا ایک آدمی موجود ہے۔ یعنی جانیایا کا ایک اور ساتھی۔۔۔ مطلب یہ کہ میری خفیہ فورس کا ایک آدمی۔"

"کیا کہا؟" کنگ چلا اٹھا۔

"بہنی سیدھی سی بات ہے۔ اگر ایک آدمی آپ کے ساتھیوں میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ تو دو کیوں نہیں کیے جاسکتے۔"

"اف! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔"

"اب یہاں سے آپ کنٹرول روم کو پیغام دیں گے۔ کنٹرول روم میں بیٹھا میرا آدمی فوج کو ہدایت دے گا۔ تب وہ اندر آئیں گے۔ لیکن وہ کیوں دے گا یہ ہدایت۔ جب کہ وہ میرا آدمی ہے۔"

"نہیں۔ نہیں۔" کنگ چلا اٹھا۔ پہلی بار اس کی آنکھوں میں خوف محسوس ہوا۔

"بلکہ۔۔۔ وہ تو فوج کو ہدایات دے بھی چکا ہے۔ اس نے انہیں پیغام دیا ہے کہ کنگ نے ایک غلط فہمی کی بنیاد پر آپ لوگوں کو بلایا تھا۔ لیکن اب معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ آپ لوگ واپس چلے جائیں۔" تب پھر۔۔۔ فوج کو بلانے کی بھی کیا ضرورت تھی؟ "فرزان نے اعتراض کیا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

"اگر آپ کا آدمی پہلے سے کنٹرول روم میں موجود ہے۔ تو اس نے فوج کو بلایا ہی کیوں۔ کنگ کی ہدایت سن کر وہ کچھ بھی کرتا۔" "میں تو ہوا ہے۔ ہم تو ذرا کنگ کو خوش فہمی میں مبتلا کر رہے

"کیا۔۔۔ نہیں۔" کنگ دھاڑا۔

"ارے مگر۔۔۔ آپ کو اس سے کیا فرق پڑ گیا۔۔۔ فوج آکر اگر اس کی ہلی گئی۔۔۔ یا سرے سے آئی ہی نہیں تو اس سے آپ کی صحت پر اثر پڑ جائے گا؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں بالکل۔۔۔ اس طرح کوئی اثر نہیں پڑے گا۔"

"اب۔۔۔ اب تم پر دو آدمیوں کے ذریعے فائرنگ کرانا ہی ہو۔" کنگ نے سرسراہٹ زدہ آواز میں کہا۔

"ایسا ضرور کرو۔"

"ہارڈن تم اور جو زف۔۔۔ ایک ہی وقت میں اسے نشانہ بنا۔" کنگ فرمایا۔

"اور اگر یہ دونوں مل کر مجھے نشانہ نہ بنا سکتے تو؟"

"تو یہ خود میری گولی کا نشانہ بن جائیں گے۔" کنگ نے سرو

"نہیں۔ نہیں۔" ہارڈن نے ہلکلا کر کہا۔

"مستر ہارڈن۔۔۔ اب تمہارے کنگ کا سورج غروب ہونے والا ہے۔ ضروری نہیں کہ تم اس کا ساتھ دو۔۔۔ اگر تم سب میرا ساتھ دو۔۔۔ تم لوگوں سے نرم سلوک کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید

### مینجر

جاتا پر اندھا دھند دو آدمی فائر کر رہے تھے۔ اور وہ بجلی کی  
جھلکوں کو کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ۔۔۔ یوں پستول خالی ہو گئے۔۔۔  
اب کی آنکھیں پٹی کی پٹی رہ گئیں۔

"تو سن۔۔۔ ہم شاید خواب دیکھ رہے ہیں۔" گنگ کی آواز

"ہاں! یہ خواب ہے۔۔۔ اب اس خواب کی تعبیر شروع ہونے  
لگا۔" جانیٹ نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" گنگ نے چونک کر کہا۔

"اب آپ طالب علموں کی قید میں جا رہے ہیں۔۔۔ وہ یہاں کے  
مدرسہ کے۔۔۔ اور اندر ہی اندر ان تینوں ریاستوں پر قبضہ کر لیں  
اس کے بعد ہم دیکھیں گے۔۔۔ آپ طالب علموں کے قیدیوں کو  
دیکھتے ہیں۔ اور مسٹر گنگ اب آپ بہت جلد سنیں گے۔۔۔  
مدرسہ نیشنل سے نکل کر باز نمان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔۔۔ میری  
کہ آپ یہ خبر سننے بغیر نہ کریں۔"

"انہیں جشید۔۔۔ تم بلاوجہ بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہو۔۔۔  
بندھے ہوئے ہو۔۔۔ وہ گیا۔۔۔ یہ تمہارا ساتھی جانیٹ۔۔۔ یہ اکیلا کیا  
گا۔۔۔ اور یہ تمہارے بچے۔"

"یہ تو اب تمہیں معلوم ہو گا کہ ایک جانیٹ اور یہ بچے کیا کر  
گئے۔" جانیٹ مسکرایا۔

"اس پر فائر کرو۔ یہ چند منٹے لوگ یہاں کچھ نہیں بگاڑ سکتے  
ان سے بچنے کے بعد کنٹرول روم میں بیٹھے ان کے ساتھی کا تینا بچہ  
گئے۔ چلو ہارڈن۔"

"تب پھر پہلے صرف مجھے نشانہ بنایا جائے۔۔۔ مزا رہے گا۔" جانیٹ  
بولی۔

"ضرور کیوں نہیں۔۔۔ ہمارے اصل دشمن تو تم ہی ہو۔" جانیٹ  
فریاد اور ساتھ ہی اس نے اور اس کے ساتھی نے ایک ایک فائر کر دیا۔

دو گولیاں ایک ہی وقت میں جانیٹ کی طرف گئیں اور وہ زخمی  
گیا۔ لیکن فوراً اٹھتا نظر آیا۔ ابھی وہ پوری اٹھا نہیں تھا کہ وہ  
نے پھر فائرنگ شروع کر دی۔

اس وقت ان سب نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔



”آواز تو جانی کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جانی کی آواز میں کوئی اور بولا ہو۔“ جانی کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ اٹھتے نظر آیا۔

”ارے۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہ بچ گیا۔۔۔ بھون ڈالو۔۔۔ اسے بھون ڈالو۔“

”لیکن کیسے۔۔۔ سب کے ہسپتال تو خالی ہو چکے ہیں۔“ ہارڈن نے جھٹکا کر کہا۔

”اوہ۔۔۔ تو ہاتھوں پیروں سے کام لو نا۔۔۔ تم ہارڈن ہو ہارڈن۔“

”ارے ہاں! میں تو بھول ہی گیا کہ میں ہارڈن ہوں۔۔۔ اور انہیں ہاتھوں سے بھی چٹنی کی طرح چوس سکتا ہوں۔“

”چٹ۔۔۔ نی۔“ پروفیسر داؤد نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”کنگ۔۔۔ کیوں۔۔۔ آپ کو کیا ہوا؟“

”مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ مجھے بھوک لگی ہے۔۔۔ چٹنی کی بھوک۔“

”بچے۔۔۔ چٹنی وہ ہماری بنا رہے ہیں۔۔۔ اور انکل کو بھول لگ گئی ہے چٹنی کی۔“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”بھئی بھوک کا کیا ہے۔۔۔ بھوک تو کسی بھی چیز کی لگ سکتی ہے۔“ محمود مسکرایا۔

”صد ہو گئی۔۔۔ وہ دیکھیں۔۔۔ ہارڈن آ رہا ہے۔“ فرزانہ چلائی۔

”ارے! یہ۔۔۔ یہ تو سب باتیں کرنے لگے۔۔۔ ہارڈن۔۔۔ یہ تم

نے فائرنگ کی تھی؟“ کنگ غرایا۔

”پتا نہیں کیا اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہیں آپ۔۔۔ دبا۔۔۔

اتنے کم لوگ بھی نہیں ہیں کہ وہ سب مل کر آپ لوگوں پر فائرنگ کریں اور آپ اتنے بہت سے لوگوں کی فائرنگ سے بھی بچ جائیں۔

ایک یا دو آدمیوں کی پے در پے فائرنگ سے بچ جانا تو کوئی بات نہیں۔۔۔ اگر ایک آدمی کی فائرنگ سے ہارڈن بچ سکتا ہے۔ تو تم

تو بہت مشہور ہو۔۔۔ دو یا تین آدمیوں کی فائرنگ سے خود کو بچا لے ہو۔۔۔ لیکن جب اتنے بہت سے لوگ ایک فائر تم پر فائر کریں گے۔

اس وقت کیا ہو گا۔“ اس نے ہم کر کہا۔

”کچھ بھی نہیں ہو گا۔۔۔ بس اتنا ہو گا کہ ہم ہاں ہاں بچ جائیں گے۔“

”دوستو! میں اب ان کی باتیں نہیں سن سکتا۔۔۔ ان سب میں اسی جگہ میرے سامنے بھون ڈالو۔“ کنگ نے اچانک کہا۔

اس کے ساتھ ہی صحن میں زہرہ ست فائرنگ شروع ہو گئی۔ اوہ اوہر گرتے چلے گئے۔۔۔ لڑھکتے چلے گئے۔۔۔ جب ان سب

ہسپتال خالی ہو گئے تو کنگ کا بلند قہقہہ سنائی دیا۔ کیونکہ اب وہ سب

ساکت پڑے نظر آ رہے تھے۔ ”وہ مارا۔۔۔ آخر ہم نے ان کا تمام کر دیا۔۔۔ بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے تھے۔“

”وہ مارا نہیں۔۔۔ وہ مار کھائی۔“ ایسے میں ایک آواز ابھری۔

”کنگ۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ یہ کون بولا؟“ کنگ گرجا۔



"کنگ صرف میں نے نہیں... ان سب نے بھی"۔ وہ جملہ اٹھا۔

"گولیوں کے میدان میں تم ناکام ہو گئے۔ اب ہاتھوں اور پیروں سے ان کا وہ حال کرو جو گولیوں سے بھی نہیں ہو سکتا تھا"۔

"آپ فکر نہ کریں۔ یہ لوگ ہیں کتنے... ان کے لیے تو میں تمنا کافی ہوں"۔

"بہت بڑی بھول میں ہو اب تک... کم از کم جہیں اتنی بڑی بھول میں نہیں رہتا چاہیے... میرا مطلب ہے؟ اتنا کچھ دیکھ کر بھی"۔

"کتنی کچھ دیکھ کر بھی... ابھی تم لوگوں نے دکھایا ہی کیا ہے؟" ہارڈن نے منہ ہنایا۔

"بائیں... کیا کہا... ابھی تک ہم نے کچھ دکھایا ہی نہیں"۔  
"نہیں... بالکل نہیں"۔

"تو پھر آؤ... اور دیکھ لو اپنی آنکھوں سے اپنی مرمت ہوتے... تم سے صرف میں مقابلہ کروں گا"۔ جانیہ کی آواز سنائی دی۔

"ارے ہم نے اب تک ایاجان کو تو کھولا ہی نہیں"۔  
"کوئی ضرورت نہیں... میں کھلا کھلایا ہوں... ہاں... جانیہ کو کھول دو"۔

"جی... کیا فرمایا... جانیہ کو کھول دیں... جانیہ تو پہلے ہی کھلے ہوئے ہیں"۔ فردانہ نے چونک کر کہا اور پھر بہت زور سے اچھلی۔

"ارے باپ رے"۔ اس کے منہ سے نکلا۔

"اب کیا ہوا... کیا جہیں بھی چٹنی کی بھوک لگ گئی"۔ فاروق ہل گیا۔

"نہیں... یہ... یہ جانیہ نہیں... ایاجان ہیں"۔

"کیا!!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"کیا!!!!" کنگ اور اس کے ساتھی بھی چلائے۔

"بہت دیر کی یہ بات جاننے میں... مدد ہو گئی"۔ انسپٹر حبشید نے تھملا کر کہا جو جانیہ کے روپ میں تھے۔

"اف مالک... تو اب تک آپ بالکل آزاد تھے... ذرا دیر کے لیے بھی گرفتار نہیں ہوئے"۔

"نہیں... جانیہ جو میرے روپ میں ہے... میرے ہی اشارے پر گرفتار ہوا تھا... ورنہ یہ لوگ اسے بھی گرفتار نہیں کر سکتے تھے"۔

"یہ... یہ کیسے ہو گیا... ہارڈن"۔ کنگ غرایا۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں... جانیہ آپ کے آدمیوں میں سے پہلے ہی انسپٹر حبشید کا آدمی بن چکا تھا... اصل ننداری اس کی ہے... یہ کام اس سے شروع ہوا تھا"۔

"خیر... اب بھی تم ان کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو... لہذا نوٹ پڑو ان سب پر... اور جیس ڈالو انہیں"۔

اس وقت تک جانیہ کی رسیاں بھی کاٹی جا چکی تھیں... اور پھر

وہاں محسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ کنگ نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔ وہیں جوں کا توں بیٹھا رہا تھا۔ اور بغور لڑائی دیکھ رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ اس کا رنگ اڑتا جا رہا تھا۔ ایسے میں فرزانہ کی آواز نے ان سب کو چوٹا کیا۔

”ارے۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ کہاں گیا؟“

انہوں نے چونک کر کرسی کی طرف دیکھا۔ اور دیکھنے کے پھر میں انہیں کے اور لاتیں وصول کرنا پڑ گئیں۔ ادھر کنگ کرسی پر سے غائب تھا۔

”لو بھئی۔۔۔ تمہارا کنگ تو بھگوا نکلا۔۔۔ کس قدر بڑی بڑی باتیں کر رہا تھا۔۔۔ ادھر تم لوگوں کو مصیبت میں پھوس کر بھاگ گیا۔ افسوس۔“ انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

اس کے ساتھیوں نے جب کرسی خالی دیکھی تو حوصلہ ہار گئے۔ اور لگے ادھر ادھر بھاگنے۔ لیکن اب انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھی انہیں موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اور پھر وہ دن پڑا کہ خدا کی پناہ۔ کنگ کے ساتھی ڈھیر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک بھی اپنے بیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ سب سے آخر میں ہارڈن گرا۔ اس کے۔۔۔ جگہ جگہ سے خون بہ رہا تھا۔

”افسوس! کنگ نکل گیا۔۔۔ ارے۔۔۔ مگر۔۔۔ وہ نکلا کس طرف سے۔۔۔ بیرونی دروازہ تو اب تک اندر سے بند ہے۔“ فرزانہ

پہلی۔

”شاید اس کی کرسی کے نیچے کوئی خفیہ راستا ہو گا۔“ انسپکٹر جمشید مکرانے۔

زخمی دشمنوں کو پانہ دینے کے بعد وہ اس کی کرسی کی طرف بڑھے۔ کرسی ہٹائی گئی۔۔۔ میز کے نیچے انہیں سیڑھیاں جاتی نظر آئیں۔ ان سیڑھیوں پر سے اتر کر وہ عمارت کے پچھلی طرف جنگل میں نکل آئے۔۔۔ یہاں کنگ کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

”ایسے کسی موقع کے لیے اس نے انتظام کر رکھا تھا۔۔۔ وہ دیکھو۔۔۔ گاڑی کے ٹائروں کے نشانات۔۔۔ اب تعاقب کر کے اس تک پہنچنا مشکل ہے۔۔۔ لہذا ہم یہاں کا کنٹرول فی الحال خفیہ فورس کے ہوالے کر کے واپس چلیں گے۔ اور اسی راستے سے واپس چلیں گے۔ جس راستے سے یہاں آئے تھے۔

”جی۔ کیا مطلب۔۔۔ وہ راستا تو پھر شادون آباد کی طرف سے ہو کر جاتا ہے۔“ فاروق چکا۔

”ہاں۔۔۔ تم لوگوں کا تفریح کا پروگرام درمیان میں رہ گیا تھا۔۔۔ ان لیے ہم پہلے شادون آباد میں چند دن گزاریں گے۔ اس کے بعد اپنے شہر چلیں گے۔ اس پروگرام کے بارے میں کیا خیال ہے۔“ انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

”اس سے اچھا پروگرام تو خیر ہو ہی نہیں سکتا۔۔۔ لیکن۔۔۔ آپ

نے کنگ کو اپنے ذہن سے اس قدر آسانی سے کس طرح نکال دیا۔  
 ”نکال نہیں دیا۔۔۔ اسے بہت جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔۔۔ بلکہ  
 سچ تو یہ ہے کہ میں شارون آباد اسی کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔“  
 ”جی۔۔۔ کیا مطلب؟“

”ہاں! وہ ہوٹل آثار میں ملے گا۔“  
 ”کیا!!!!“ وہ ایک ساتھ چلائے۔

ان کے چروں پر حیرت دوڑ گئی۔۔۔ یہ بات تو ان کے وہم و گمان  
 میں بھی نہیں تھی۔

”کیا واقعی اباجان۔۔۔ آپ مذاق کے موڈ میں تو نہیں ہیں۔“  
 ”نہیں بھئی۔۔۔ کیا تم بھول گئے۔۔۔ ہماری پہلی ملاقات اس سے  
 ہوٹل آثار میں ہوئی تھی۔“

”اوہ ہاں! لیکن وہ اب وہاں کیوں جانے لگا۔“

”اس کا خیال ہے۔۔۔ جتنا محفوظ وہ ہوٹل آثار میں ہے۔۔۔ اتنا تو  
 وہ اپنی ریاست میں بھی نہیں ہوتا۔“

”آپ کو اس کا یہ خیال کیسے معلوم ہوا؟“

”جانیا کے ذریعے۔“ وہ مسکرائے۔

”اوہ ہاں! جانیا کو تو ہم بھول ہی گئے۔۔۔ آپ نے یہ میدان  
 دراصل جانیا کے ذریعے مارا ہے۔“ محمود مسکرایا۔

”اس میں کوئی شک نہیں۔“

”چلے پھر۔۔۔ اب تو ہماری بے چینی اور بوجھ گئی ہے۔“  
 ”اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم وہاں جا کر کوئی تفریح نہیں  
 کر سکیں گے۔۔۔ ہم تو کنگ کے چکر میں پڑ جائیں گے۔“ فاروق نے منہ  
 مایا۔

”نہیں۔۔۔ یہ بات غلط ہے۔۔۔ تفریح کے دوران اسے پکڑیں  
 گے۔“

”گویا آپ کو پہلے سے معلوم ہے کہ۔۔۔ وہ وہاں کس روپ میں  
 ہو گا۔ یا کس کے میک اپ میں ہو گا۔“

”اندازہ ضرور ہے۔۔۔ لیکن وہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ تاہم اس  
 سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔ کنگ پھر بھی وہیں ملے گا۔“  
 ”بہت خوب! تب تو مزا آ جائے گا۔“

اور پھر دوسرے دن وہاں خفیہ فورس پہنچ گئی۔ اس نے  
 ریاست کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔۔۔ اس تبدیلی کا عوام کو بالکل  
 ہر نہیں چلا۔۔۔ اس لیے کہ خفیہ فورس کے ایک آدمی کو کنگ کا روپ  
 دے دیا گیا تھا اس کی عادات اور سکنات کی شاید وہ پہلے ہی نقل کرتا رہا  
 تھا۔

”لیکن یہ کیسے ہو گیا اباجان۔۔۔ آخر ایک دم انہوں نے کس  
 طرح کنگ کی اداکاری سیکھ لی؟“

”بھئی یہ پروگرام بہت پہلے سے جاری ہے۔۔۔ جیسا کہ جانیا کے

سلطے میں ثابت ہے۔ اسی طرح ان صاحب کو کنگ کی کارروائیوں کی کئی دہائیوں کیسٹس انہوں نے پار پار دیکھیں ہیں۔۔۔ اس کے انداز میں بات کرتا۔ چلتا۔ پھرتا۔ اٹھتا۔ بیٹھتا۔ کھانا۔ پینا۔۔۔ سب کچھ اس نے مشق کی ہے۔۔۔ لہذا تم فکر نہ کرو۔۔۔

”حیرت انگیز۔۔۔ محمود کے منہ سے نکلا۔

”تمہارا جواب نہیں جشید۔۔۔ خان رحمان بولے۔

”بالکل لٹل۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا جواب نہیں۔۔۔ یہ تعریف اس کے لیے ہے۔۔۔ انسپکٹر جشید نے فوراً کہا۔

”ہوں۔۔۔ بالکل ٹھیک۔۔۔“

پھر ان کا سفر شارون آباد کی طرف شروع ہوا۔۔۔ رات کے دس بجے کے قریب وہ وہاں پہنچے۔۔۔ ہوٹل کی رونق اس وقت دیکھنے کے قابل تھی۔۔۔ کاؤنٹر پر انہیں صاف کہہ دیا گیا کہ ہوٹل میں کوئی کمرہ خالی نہیں ہے۔۔۔

”آپ کو ہمیں دو کمرے دینا پڑیں گے۔۔۔ ورنہ یہ ہوٹل بند کر دیا دیں گے۔۔۔“ خان رحمان نے جل کر کہا۔

”کیا کہا آپ نے۔۔۔ آپ ہوٹل بند کروادیں گے۔۔۔ وہ کیسے؟“

”آپ انکار کر کے دیکھ لیں۔۔۔“

وہ تو میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔۔۔“

”ہم سمجھے تھے۔۔۔ آپ زیادہ کرایہ وصول کرنے کے پھر میں ایسا

کہ رہے ہیں۔۔۔“ خان رحمان مسکرائے۔

”جی نہیں۔۔۔ کمرے واقعی نہیں ہیں۔۔۔“

”ہوٹل کے مینجر یا مالک والا کمرہ ہمیں دے دیں۔۔۔ انسپکٹر جشید بولے۔

”کیا کہا؟“ وہ حیران رہ گیا۔۔۔ شاید ایسا مطالبہ آج تک اس سے کسی نے نہیں کیا تھا۔

”جو کہا ہے۔۔۔ وہ تو آپ سن چکے ہیں۔۔۔ اب میں اس جملے کو کیوں دہرائوں اور اپنا وقت کیوں ضائع کروں۔۔۔“ خان رحمان بولے۔

”اٹکل۔۔۔ آپ نے اتنا لمبا جملہ بول کر کون سا وقت کو آباد کیا ہے۔۔۔“

”آپ اپنے مینجر کو بلائیں۔۔۔ وہ ہمارے کارڈ دیکھ کر ہمیں کمرہ دیں گے۔۔۔“

محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں دیں گے۔۔۔“

مینجر نے جل کر جواب دیا۔

”تجربہ کر لیں۔۔۔ انسپکٹر جشید بولے۔

سب لوگ اب مسکرا رہے تھے۔۔۔ اور ان کی مسکراہٹ مینجر کا جی جلا رہی تھی۔

”جی بہت بہتر۔۔۔ اس نے جملے کئے انداز میں کہا اور ایک مہین

وہ سب انتظار کرنے لگے۔۔۔ اور پھر چند ہی منٹ کے بعد  
دیلا پٹکا مینجر رسوائی ان کی طرف بڑھتا نظر آیا۔۔۔ ان پر نظر  
پڑتے ہی وہ بری طرح چونکا۔



## قدوائی صاحب

”آہ۔۔۔ جناب۔۔۔ یہ آپ ہیں۔“

”ہاں! یہ ہم ہیں۔“

”نفس۔۔۔ فرمائیے۔۔۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”دو کمرے۔۔۔ یا کم از کم ایک بڑا کمرہ۔“

”افسوس! ایک بھی کمرہ خالی نہیں ہے۔“ اس نے کہا۔

”تھوڑی اس بات کو۔۔۔ آپ اپنا کمرہ ہمیں دے دیں۔“ انسپلر

بشدد بولے۔

”کیا فرمایا۔۔۔ آپ نے۔“ اس نے آنکھیں نکالیں۔

”یہ کہ آپ اپنا کمرہ ہمیں دے دیں۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔“

”تو پھر ہوٹل کے مالک کا کمرہ ہمیں دے دیں۔“

”کیا کہ رہے ہیں جناب۔۔۔ وہ تو مجھے کھڑے گھاٹ نوکری سے

ٹال دیں گے۔“

”کیا نام ہے نام کا؟“ وہ فوراً بولے۔

"نن۔۔۔ نام؟" وہ ہٹلایا۔

"ہاں نام۔"

"ان کا نام ہے۔۔۔ شیر علی خان۔" اس نے کہا۔

"ہمیں ان سے ملوانیں۔۔۔ ہم ان سے کمرہ خود لے لیں گے۔"

"اگر آپ اپنا کمرہ نہیں دینا چاہتے۔"

"وہ بھی نہیں دیں گے۔"

"جب کہ میرا خیال ہے۔۔۔ آپ بھی کمرہ دینے کی پیش کش کریں گے اور وہ بھی۔ لیکن اس وقت ہم نہیں لیں گے۔ اب وقت ہے۔"

"ہے۔"

"اپنا کام کریں۔۔۔ آپ ہوٹل میں زبردستی کمرہ نہیں لے سکتے۔"

"زبردستی نہیں۔۔۔ ہوٹل میں کمرے خالی ہیں۔ لیکن یہاں کمرے انہیں دیے جاتے ہیں۔ جو منہ مانگا کرایہ دیں۔ یعنی بے

شدہ کرائے سے کئی گنا زیادہ۔"

"یہ بات درست نہیں۔" اس نے جل کر کہا۔

"اس لیے کہ رہا ہوں۔ کہ آپ مہربانی فرما کر ہوٹل کے مالک کو بلا لیں۔"

"وہ مجھ پر بگڑیں گے کہ بلا وجہ کیوں بلایا ہے۔"

"نہیں بگڑیں گے۔۔۔ میں خود ان سے بات کروں گا۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ میں انہیں اطلاع دیتا ہوں۔"

یہ کہ کر اس نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ ایک نمبر ڈائل کیا اور

"ہیلو سرب۔ انکیٹر جشید۔۔۔ ان کے دوست اور بچے ایک بار پھر

مل موجود ہیں اور ایک بڑے کمرے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ جب

"جی! جی ہاں۔۔۔ وہ سب۔" اس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

پھر وہ دوسری طرف کی بات مٹتا رہا۔ آخر ریسیور رکھ کر اس

"جناب! ان کا کہنا ہے کہ کوئی کمرہ جب خالی ہے ہی نہیں تو ہم

اس سے دیں آپ کو۔"

"اور اگر ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ فلاں خالی کمرہ ہے۔"

"ہم آپ کو ایسا کرنے کی اجازت کیوں دیں گے۔"

"اس لیے کہ اگر کمرے خالی ہیں اور مسافروں کو نہیں دیے جا

تے تو یہ ملکی قانون کے مطابق جرم ہے۔ میرا مطلب ہے کہ آپ

ام کو تنگ کرتے ہیں۔۔۔ زائد پیسے لینے کے لیے کمرے نہیں دیتے۔۔۔

زائد زائد پیسے دے کر کمرے لے لے دیتے ہیں۔ جس طرح لوگ

تنگ بیک کرتے ہیں۔۔۔ اور پولیس والے انہیں پکڑتے ہیں۔ اسی

طرح میں ایسے لوگوں کو پکڑوں گا۔"

"میں ایک بار پھر قدوائی صاحب سے بات کرتا ہوں۔" اس نے

پریشان ہو کر کہا۔

"تو آپ کے ہوٹل کے مالک کا نام قذوائی ہے۔"

"ہاں ہے۔ کیا نام ہوتا بھی جرم ہے۔"

"ان سے کس نے اپنا شناختی کارڈ بھی لے آئیں۔"

"جی ہمت! اس نے منہ بنایا اور ایک پار پھر نمبر ڈائل کیا۔"

وہ مالک کو صورت حال بتاتا رہا۔۔۔ آخر میں اس نے کہا۔

"ان کا کہنا ہے کہ آپ آتے ہوئے اپنا شناختی کارڈ بھی لے آئیں۔"

اور پھر اس نے گھبرا کر ریسور رکھ دیا۔

"لیجئے جناب! آپ کی بات سن کر تو وہ آگ بگولا ہو گئے ہیں اور

آندھی اور طوفان کی طرح آ رہے ہیں۔"

"اوہو اچھا۔۔۔ تب تو ہمیں اپنے بچاؤ کا انتظام کر لینا چاہیے۔"

"ضرور کر لیں۔ روکا کس نے ہے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

وہ برے برے منہ بنانے لگے۔ اور ہوٹل کے مالک کا انتظار

کرتے لگے۔ لیکن پانچ منٹ گزر گئے۔ قذوائی نام کا کوئی آدمی وہاں

نہیں آیا۔

"یہ کیا جناب۔۔۔ آخر آندھی اور طوفان کی رفتار سے چل کر وہ

کب یہاں پہنچیں گے۔"

"ہو سکتا ہے۔۔۔ کپڑے تبدیل کرنے لگ گئے ہوں۔"

"یا کوئی غیر قانونی چیز ادھر ادھر کرنے لگ گئے ہوں۔"

"غیر قانونی چیز۔۔۔ یہ آپ نے ایک اور الزام لگا دیا۔"

"اے تو کیا اس ہوٹل میں غیر قانونی چیز کا کاروبار نہیں ہوتا۔"

اس نے آنکھیں نکالیں۔

"جی نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔" اس نے جھٹا کر کہا۔

"اچھا بار بار نہیں نہیں نہیں نہ کہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اور آپ نے کیا کہا ہے۔" وہ جل گیا۔

"آپ کی نمی نہیں نہیں کا جواب دیا ہے۔"

"میں شاید پاگل ہو جاؤں گا۔" اس نے پال نوچ لیے۔

"ہو جائیں۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"فاروق۔۔۔ اس بے چارے کو تنگ نہ کرو۔ یہ صرف میمنجر

ہوٹل کے مالک سے بات کریں گے۔ جو آندھی اور طوفان کی

رفتار سے آ رہا ہے۔" خان رحمان طنز سے انداز میں بولے۔

اور پھر ایک لمبا چوڑا، بھاری بھر کم آدمی تیز تیز چلتا ان کی

آگاہی نظر آیا۔۔۔ اس شخص کو وہ پہلی بار دیکھ رہے تھے۔

"کیا یہی قذوائی ہیں؟"

"ہاں جناب! اب ان سے بات کریں۔ جو کرنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

اس نے وہ بالکل نزدیک آگیا۔۔۔ اور پھٹکار کر بولا۔

"آپ انسپکٹر جمشید ہیں؟"

"جی ہاں۔ پائلٹ ہوں۔"

"ہمیں تنگ کرنے کا آپ کس طرح حق رکھتے ہیں۔"

"ہمارا مطالبہ ایک بڑے یا دو چھوٹے کمروں کا ہے۔ یہ ضرور ملے گا یا نہیں۔"

لوگوں کا کہنا ہے کہ کوئی کمرہ خالی نہیں ہے۔ یہی بات ہے نا۔"

"پائلٹ... یہی بات ہے۔" وہ بولا۔

"اب میرا کہنا یہ ہے کہ اگر اس ہوٹل میں کچھ کمرے خالی

خالی پڑے ہیں۔ تو ان میں سے ہمیں ملنا چاہیے۔ یہ ہمارا مطالبہ ہے۔"

وہ دروازے کی طرف مڑے۔ انہوں نے ایک ایس پی کو چہرے

"بتایا جا چکا ہے کہ کوئی کمرہ خالی نہیں ہے۔"

"اس صورت میں ہم اپنا اطمینان کریں گے۔ رجسٹر چیک

کرائیں۔"

"آپ کون ہوتے ہیں۔۔۔ چیک کرنے والے۔"

"انسپکٹر جمشید۔" وہ بولا۔

"ہوں گے۔۔۔ یہ کوئی سرکاری ہوٹل نہیں ہے۔ اس نے ان کی طرف اشارہ کیا۔

ہوٹل ہے۔ ہماری مرضی۔۔۔ ہم کمرے کرائے پر دیتے ہیں یا نہیں۔"

"پائلٹ غلط۔۔۔ اس میں آپ کی مرضی نہیں چل سکتی۔"

موجود ہے۔۔۔ لہذا آپ کو کمرہ دینا ہو گا۔۔۔ یا پھر تلاش دینا ہو گا۔"

دونوں میں سے جو پسند کریں۔۔۔ اور ہاں اپنا شناختی کارڈ دکھائیں۔"

"کیوں دکھاؤں۔۔۔ وجہ؟"

"میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس ہوٹل کا ملاک۔۔۔ ہمارے ملک کا

"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔"

میں اس وقت بھاری قدموں کی آواز ابھری۔

"آلب۔ ایس پی صاحب۔۔۔ خوب موقع پر آئے۔۔۔ مزا آگیا۔"

وہ دروازے کی طرف مڑے۔ انہوں نے ایک ایس پی کو چہرے

"بتایا جا چکا ہے کہ کوئی کمرہ خالی نہیں ہے۔"

"اس صورت میں ہم اپنا اطمینان کریں گے۔ رجسٹر چیک

کرائیں۔"

"آپ کون ہوتے ہیں۔۔۔ چیک کرنے والے۔"

"انسپکٹر جمشید۔" وہ بولا۔

"ہوں گے۔۔۔ یہ کوئی سرکاری ہوٹل نہیں ہے۔ اس نے ان کی طرف اشارہ کیا۔

ہوٹل ہے۔ ہماری مرضی۔۔۔ ہم کمرے کرائے پر دیتے ہیں یا نہیں۔"

"پائلٹ غلط۔۔۔ اس میں آپ کی مرضی نہیں چل سکتی۔"

موجود ہے۔۔۔ لہذا آپ کو کمرہ دینا ہو گا۔۔۔ یا پھر تلاش دینا ہو گا۔"

دونوں میں سے جو پسند کریں۔۔۔ اور ہاں اپنا شناختی کارڈ دکھائیں۔"

وہ دروازے کی طرف مڑے۔ انہوں نے ایک ایس پی کو چہرے

"بتایا جا چکا ہے کہ کوئی کمرہ خالی نہیں ہے۔"



اور فرزانہ صاحبان۔

"جی نہیں... ہمارے ساتھ پروفیسر داؤد اور خان رحمان بھی موجود ہیں۔"

"آہا... آپ کی آمد ہمارے لیے خوشی کا باعث ہے... سزا قدوائی آپ نہیں جانتے... یہ بہت شہرت یافتہ لوگ ہیں۔"

"میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں... لیکن یہ لوگ زبردستی کر رہے ہیں۔"

"ارے ارے... کیسی باتیں کرتے ہیں قدوائی صاحب... یہ لوگ تو ہرگز کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرتے۔"

"تب پھر آپ بتائیں... جب یہاں کوئی کمرہ خالی نہیں ہے تو انہیں کس طرح دے دوں۔"

"اوہ بس... اتنی سی بات... آپ میرے گھر چلیے... ہوٹل سے بڑھ کر آپ کو آرام ملے گا۔" ایس پی نے کہا۔

"جی نہیں... ہم ہوٹل میں ٹھہرنا پسند کریں گے۔"

"قدوائی صاحب! آپ ان کے لیے اپنا کمرہ خالی کرا دیں۔"

"مم... میں... یعنی کہ اپنا کمرہ۔" اس نے پکلا کر کہا۔

"ہاں ہاں! یہ ہمارے اتنے بڑے اور مشہور آفسر ہیں... کیا آپ ان کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے۔" ایس پی صاحب بولے۔

"نہیں سروس... انہیں کوئی کمرہ ہی دینا پڑے گا اور انہیں اپنے

کھانا بھی دکھانا ہوں گے اور ہوٹل کی تلاشی بھی دینا ہوگی۔"

"لیکن یہ اتنی بہت سی باتیں کس لیے... میں آپ کو ان سے کردہ ولوا تو رہا ہوں... یہ اپنا کمرہ آپ کو دے دیں گے۔"

"اس سے پہلے شناختی کارڈ اور ہوٹل کی تلاشی۔"

"حیرت ہے... اچھا اس بات کو آپ یوں لے لیں کہ یہ قدوائی صاحب میرے بہت اچھے دوست ہیں... اب تو آپ درگزر کریں۔"

"آپ تو جانتے ہیں... قانونی معاملات میں ہم کسی کی کوئی رعایت نہیں کرتے۔"

"ہاں بالکل... لیکن یہ میرے دوست ہیں... بہت قریبی دوست۔"

"اگر یہ کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتے تو تلاشی دینے میں اور کارڈ دکھانے میں کیا اعتراض ہے... یہ بھی تو فرمائیں۔"

"کیوں قدوائی صاحب... آپ کو کیا اعتراض ہے؟"

"میری کس قدر بے عزتی ہوگی... طرح طرح کی لوگ باتیں کریں گے... اور ہوٹل کی ساکھ خراب ہوگی... کس قدر کاروباری نقصان ہو گا۔"

"لیکن آپ کے پاس تو خالی کمرے ہی نہیں ہوتے... ساکھ کیسے خراب ہو جائے گی۔" قادیق نے طنز بے انداز میں کہا۔

"حد ہو گئی... آپ تو بڑھتے جا رہے ہیں... بڑھتے جا رہے

ہیں۔" قدوائی نے کہا۔  
 "ہم تلاشی لیں گے اور کاغذات دیکھیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ آپ تلاشی لے لیں۔۔۔ لیکن اتنے بڑے ہوٹل کی تلاشی آپ چند آدمی کس طرح لیں گے۔۔۔ اس میں تو بہت وقت لگ جائے گا۔"

"کوئی پروا نہیں۔۔۔ بلکہ وقت بہت کم گئے گا۔۔۔ ہم سب سے پہلے آپ کے کمرے کی تلاشی لیں گے۔۔۔ اور شاید وہیں ہماری تلاشی ختم ہو جائے۔"

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔  
 "ہمارا خیال ہے۔۔۔ بس ان کے کمرے کی تلاشی لے کر ہمارا کام چل جائے گا۔"

"قدوائی صا۔۔۔ آپ کمرہ دکھا دیں۔۔۔ اس میں آخر کیا حرج ہے۔" ایس پی نے کہا۔  
 "ابھی بات ہے۔۔۔ آپ کہتے ہیں تو دکھا دیتا ہوں۔"

اور پھر وہ انہیں اوپر لے چلا۔۔۔ ایس پی اور اس کے ساتھی بھی ساتھ تھے۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے ان کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ تیسری منزل کے ایک کمرے کے دروازے پر قدوائی رکا اور چابی سے تالا کھول ڈالا۔۔۔ پھر پہلے وہ اندر داخل ہوا۔۔۔ اس کے بعد باقی لوگ۔۔۔ یہاں بہت سی کرسیاں موجود تھیں۔۔۔ وہ ان پر بیٹھ گئے۔

"میں۔۔۔ وہ ہٹائے۔  
 "لے لیجئے۔۔۔ کوئی بات نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"چلو بھی۔۔۔ میں ان کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔۔۔ تم اس کمرے کی تلاشی لیں۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ صرف اس کمرے کی تلاشی لینے کی صورت پیش آئے گی۔"

"آخر آپ کیا تلاش کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ منشیات؟" قدوائی نے مارا کہا۔

"نہیں۔۔۔ اگر ہمیں خاموشی سے یہاں کمرہ یا کمرے مل جاتے۔۔۔ اب ہم بہت اطمینان اور سکون سے اس ہوٹل کا جائزہ لیتے۔۔۔ اس کے آگے اور چند اور کمروں کی تلاشی لیتے اور اس کے بعد حرکت میں آتے۔۔۔ لیکن۔۔۔ آپ کی ضد کی وجہ سے ہمیں اب یہ کام ابھی اور اسی نئی کرنا پڑ رہا ہے۔"

"اچھا خیر۔۔۔ لیکن آپ یہ تو بتائیں۔۔۔ آپ کو کس چیز کی تلاش ہے۔"

"ابھی نہیں۔۔۔ پہلے تلاشی لیں گے۔"

"تب پھر کیا خبر۔۔۔ آپ جو چیز یہاں سے برآمد کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ اپنی جیبوں میں خود ہی رکھ کر لائے ہوں گے۔" قدوائی نے فوراً کہا۔

"ہاں! یہ اچھی بات کئی۔۔۔ پہلے آپ ہماری تلاشی لے لیں۔"

"ایس پی صاحب۔۔۔ آپ ذرا ان کی تلاشی لیں۔"

"میں۔۔۔ وہ ہٹائے۔

اور ایس پی نے پوکھلائے ہوئے انداز میں ان سب کی طرف  
لے ڈالی۔

”نہیں۔۔۔ ان کے پاس کچھ نہیں۔۔۔ جیبوں میں پستول نہیں  
ہیں۔۔۔ اور وہ ان کا قانونی حق ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ تو پھر اب یہ میرے کمرے کی تلاشی بھی  
لیں۔۔۔ جو مل سکتا ہے۔۔۔ تلاش کر لیں۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں  
”شروع ہو جاؤ بھئی۔“

”محمود‘ فاروق اور فرزانہ کمرے کی تلاشی پر جٹ گئے۔۔۔ انہیں  
جشید‘ خان رحمان اور پروفسر داؤد وہیں بیٹھے رہ گئے۔

”بہتر تھا۔ آپ بتا دیجئے۔ آپ کو ان پر کیا شک ہے؟“  
”بہت عجیب و غریب شک ہے ہمیں ان پر۔۔۔ انہوں نے ایک  
بہت اہم مجرم کو اپنے ہوسٹل میں پناہ دے رکھی ہے۔“

”تک۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ آپ کا اشارہ کس طرف ہے؟“  
”پہلے ہم اسے تلاش کریں گے۔۔۔ پھر کچھ بتائیں گے۔“

”اس وقت بتانے کی کیا ضرورت رہ جائے گی۔۔۔ جشید اس  
وقت تو وہ شخص سامنے ہو گا۔“ خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

”نہیں خان رحمان۔۔۔ سامنے ہوتے ہوئے بھی۔۔۔ وہ پہچان نہیں  
جائے گا۔۔۔ مجھے ہی بتانا ہو گا کہ ہمارے سامنے جو شخص موجود ہے۔

دراصل وہ کون ہے؟“

”ہاں نہیں۔۔۔ آپ کیا کہ رہے ہیں۔۔۔ یا آپ کیا کہنا چاہتے  
”قدوائی نے الجھن کے عالم میں کہا۔

”بہت جلد پتا چل جائے گا۔“ وہ بولے۔  
”مجھے تو یہاں سے ایسا کوئی شخص ملتا نظر نہیں آتا۔ کیا آپ یہ

”جانتے ہیں کہ اس کمرے میں وہ آدمی کہیں چھپا ہوا ہے۔“ ایس پی  
”شروع ہو جاؤ بھئی۔“

”میں کیا سمجھتا ہوں اور کیا نہیں سمجھتا۔۔۔ یہ میں ابھی نہیں جانتا  
”انہوں نے منہ بنایا۔

”خیر خیر۔۔۔ پہلے آپ اپنا کام کر لیں۔“  
”ہم نے اپنا کام پورا کر لیا ہے اباجان۔ یہاں = خانے کا راستا

”دیا ہے۔“  
”کیا!!!“ قدوائی بہت زور سے اچھلا۔

○ ☆ ○

”لیکن بیان راستا ہمیں نظر نہیں آ رہا۔“  
 ”وہ آپ کی نظروں کا قصور ہے۔۔۔ ان کا نہیں۔“ انپکڑ جشید  
 سگرائے۔

”تب ہمیں دکھایا جائے۔“

”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔۔۔ ویسے ذرا آپ قدوائی صاحب کے چہرے  
 پر ایک نظر ڈال لیں۔۔۔ تمہ خانے کا نام سن کر ان کے چہرے پر زلزلے  
 کے آثار نظر آ رہے ہیں یا نہیں۔“

ایس پٹانے قدوائی کی طرف دیکھا۔۔۔ اور حیران رہ گیا۔ وہاں نہ  
 صرف یہ کہ زلزلے کے آثار تھے۔ بلکہ وہ پورا پسینے میں ڈوبا نظر آ رہا  
 تھا۔

”آپ۔۔۔ آپ کو کیا ہوا؟“

”کک۔۔۔ کچھ نہیں۔“ اس کے منہ سے نکلا۔

”یہ دیکھئے بالکل۔۔۔ اس آتش دان کی راکھ کو ہٹانے سے راستا  
 بالکل صاف نظر آ رہا ہے۔ لیکن یہ دوسروں کو نظر نہیں آتا تھا۔“  
 ”کیا مطلب؟“ ایس پی نے چونک کر کہا۔

”مطلب یہ کہ صرف راکھ ہٹانے سے یہ راستا نظر نہیں آتا۔۔۔  
 بلکہ ایک سوچ دہانے کے بعد نظر آنے لگتا ہے۔۔۔ ہاں اس صورت میں  
 ہی راکھ ہٹائی جائے گی۔“

”او۔۔۔ اور وہ سوچ کہاں ہے؟“

## حملے کا آغاز

وہ سب ان کی طرف مڑے۔۔۔ تینوں ایک دیوار کے ساتھ  
 کھڑے نظر آئے۔۔۔ اور ان کے دوسری طرف روشن دان تھا۔

”کک۔۔۔ کہاں ہے وہ راستا۔۔۔ ہمیں تو یہاں کوئی راستا بھی نظر  
 نہیں آ رہا۔“ ایس پی نے کہا۔

”وہ نزدیک آ کر دیکھ لیں۔“ فاروق مسکرایا۔

وہ اٹھ کر ان کے پاس چلے گئے۔ لیکن اب بھی تمہ خانے  
 راستا انہیں نظر نہ آیا۔

”کیوں مذاق کر رہے ہیں۔۔۔ انپکڑ جشید۔۔۔ کیا آپ کے بچوں کو  
 یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ عمروالوں کا مذاق اڑائیں۔“  
 ”نہیں پنچتا۔“ وہ فوراً بولے۔

”پھر یہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟“ ایس پی صاحب بولے۔  
 ”میرے خیال میں انہوں نے ایسا نہیں کیا۔۔۔ انہوں نے صرف  
 اتنا کہا ہے کہ یہاں یہ خانے کا راستا موجود ہے۔۔۔ اور بس۔۔۔ اس مذاق  
 مذاق اڑانے والی کیا بات ہو گئی۔“

نت تو فوراً دیواروں سے جا گئے۔ قدوائی اہستہ بت بنا وہیں کھڑا رہا۔  
 ”آجائے آگے۔ کوئی خطرہ نہیں ہے۔“  
 ”کیا مطلب.... دروازہ کھولنے سے پہلے آپ نے یہ بات کیسے  
 کر دی۔“ ایک آفسر نے کہا۔

”ایسے کہ اگر نیچے سے کوئی گولی آنے کا خطرہ ہوتا.... تو قدوائی  
 صاحب پہلے یہاں سے ہٹتے۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔  
 قدوائی نے ایک قمر آلود نظران پر ڈال دی۔ پھر بولا۔  
 ”مم۔ میری طبیعت سخت خراب لگتی ہے۔ دل بیٹھا جا رہا  
 ہے۔ کہیں دل کا دورہ نہ پڑنے والا ہو.... یہ دورہ مجھ پر پہلے بھی پڑ چکا  
 ہے۔ لہذا مجھے بیٹھ جانے کی اجازت دیں۔“

”ہاں ضرور۔ کیوں نہیں.... آپ کرسی پر بیٹھ جائیں۔  
 کمبل۔ تم ان کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔“ وہ بولے۔  
 ”اس کی کیا ضرورت ہے؟“ اس نے بہنا کر کہا۔

”آپ بیمار ہیں نا۔ آپ کی خبر گیری کے لیے کوئی اور بھی تو  
 رہنا چاہیے۔“

”میں کسی جہرے کو بلا لیتا ہوں۔ مجھے آپ لوگوں کی خبر گیری  
 کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے جھٹلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”آپ کو نہیں ہے.... ہمیں تو ضرورت ہے نا۔“ محمود بولا اور  
 اس کے سر پر جا کھڑا ہوا ہے.... اس نے پستول بھی نکال لیا۔

”اس دیوار پر۔ لیکن وہ دیکھنے سے نظر نہیں آئے گا.... ہاں  
 جب ہم دکھائیں گے تو نظر آئے گا۔ یہ دیکھئے.... اس سفید رنگ کی  
 دیوار پر یہاں سیاہ نقطہ ساموجود ہے نا۔“ محمود نے انگلی سے اشارہ کیا۔  
 ”ہاں! موجود ہے.... تو پھر۔“

”بس۔ یہی سوچا ہے.... یہ دیوار سے ابھرا ہوا نہیں ہے۔  
 دیکھنے میں یوں لگتا ہے۔ جیسے قلعے سے یہاں پر سیاہ نقطہ لگ گیا۔  
 لیکن یہ سوچا ہے.... کیونکہ جب ہم نے اسے دہایا تو راکھ میں مل چل  
 سی ہوئی اور ہم حیران رہ گئے.... آپ کو راکھ کی مل چل دکھائیں اکل  
 ایس پی۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”ہاں ضرور۔“ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔  
 محمود نے سوچ دبا دیا.... راکھ میں چند سیکنڈ کے لیے مل چل  
 ہوئی اور پھر ساکت ہو گئی۔

”اب دیکھئے.... راکھ کو ہٹانے سے کوئی راستا نظر نہیں آئے  
 گا۔“ یہ کہہ کر اس نے ہاتھ سے راکھ ہٹا دی.... وہاں کوئی راستا نہیں  
 تھا.... اب اس نے پھر سوچ دیا.... راکھ پھر ملی جلی.... اب اس نے  
 راکھ کو ہٹایا تو دروازہ صاف نظر آنے لگا۔

”کیا ہم اس کو اٹھا دیں؟“  
 ”ضرور.... کیوں نہیں۔“ یہ کہہ کر اسٹیکٹر جمشید نے پستول ہاتھ  
 میں لے لیا۔ اور باقی لوگوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا.... ایس پی کے

"یہ۔۔۔ ایس پی صاحب۔۔۔ دیکھئے۔۔۔ ابھی میں مجرم ثابت نہیں ہوا۔۔۔ اور مجھ پر پستول تان رہے ہیں۔"

"نہ بھئی۔۔۔ اس کی ضرورت نہیں۔" ایس پی بولے۔

"اس کی ضرورت ہے جناب۔۔۔ کیا آپ نے تمہ خانہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیا؟"

"تمہ خانہ ہوتا کسی کے مجرم ہونے کی دلیل نہیں۔۔۔ جب تک کہ تمہ خانے میں کوئی غیر قانونی چیز نہ ہو۔"

"اوہ۔۔۔ ہاں! یہ ہے۔۔۔ لٹچے میں نے پستول جیب میں رکھ لیا۔" یہ کہہ کر محمود نے ہاتھ جیب میں ڈال لیا، لیکن اس نے ہاتھ باہر نہ نکالا۔

"ایس پی صاحب۔۔۔ ان سے کہیں۔۔۔ یہ ہاتھ جیب سے نکال لیں۔" قدوائی نے بل کر کا۔

"کیوں جناب! کیا میں اپنا ہاتھ جیب میں نہیں رکھ سکتا۔۔۔ کیا یہ قانون کے خلاف ہے؟" محمود نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ آپ ہاتھ جیب میں رکھ سکتے ہیں۔"

"ایس پی صاحب۔۔۔ آج آپ میرا ساتھ دینے کی بجائے ان لوگوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔۔۔ یہ بات یاد رکھئے گا۔۔۔ کیا آپ مجھے نہیں جانتے۔"

"جج۔۔۔ جانتا ہوں۔"

"جب پھر اس وقت پوری طرح میرا ساتھ دیں۔"

"میں آپ کا ساتھ پوری طرح دینے کے لیے کیا کروں۔۔۔ پہلے یہ بتائیں۔" اس نے انھن کے عالم میں کہا۔

"آپ ایس پی ہیں۔۔۔ یہ انسپکٹر ہیں۔۔۔ یہ اس وقت ہیں بھی آپ کے علاقے میں۔۔۔ آخر آپ کے علاقے میں ان کا کیا کام۔۔۔ یہاں ہر طرح کی تفتیش، پوچھ گچھ آپ کے ذمے ہے۔۔۔ یا ان کے ذمے۔"

"میرے ذمے۔"

"تو پھر انہیں یہاں سے چلتا کر دیں۔۔۔ اور آپ خود تمہ خانے کی تلاش لیں۔"

"اس صورت میں بھی یہ میرے ساتھ رہ سکتے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"فرض کیا۔۔۔ یہ میرے شہر میں آکر مجھ سے درخواست کریں کہ میرے شہر میں ان کا ایک مجرم چھپا ہوا ہے۔ میں اس کی تلاش میں ان کی مدد کروں تو قانونوں کی رو سے مجھے ان کی مدد کرنا ہوگی۔" ایس پی بولے۔

"لیکن۔۔۔ انہوں نے آپ سے ایسی کوئی درخواست نہیں کی۔ آپ کو تو میں نے بلایا تھا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے فوراً کہا۔

"جب میں آپ سے بھی سمجھ لوں گا۔"

"دیکھئے... ہم بہت پرانے دوست ہیں۔ آپ مجھے دھمکیاں تو نہ دیں۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو بچا لوں۔"

"اگر ان کا جرم ثابت ہو گیا جناب۔ تو آپ انہیں ہرگز نہیں بچا سکیں گے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"چلئے پھر۔ پہلے تو جرم ثابت کریں۔" ایس بی نے منہ بنایا۔

اور پھر وہ تہہ خانے میں اتر گئے۔۔۔ تہہ خانے میں غیر ملکی منشیات کے انبار لگے تھے۔۔۔ یہ انبار دیکھ کر ایس بی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔۔۔ لیکن ان میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔۔۔ بلکہ منشیات دیکھ کر ان کی پریشانی بڑھ گئی۔۔۔ وہ جلدی جلدی تہہ خانے کی تلاشی لینے لگے۔

"اب آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ اتنا کچھ تو مل گیا۔"

"ہمیں ایک اور چیز کی تلاش ہے۔" انسپٹر جمشید بیڑوائے۔

"اور وہ کیا؟"

"چند منٹ انتظار فرمائیں۔"

ان کے ہاتھ تیزی سے حرکت کرنے لگے۔۔۔ آخر ایک غریب الماری تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔۔۔ انہوں نے جو الماری کو کھولا تو اس میں ایک فائل موجود تھی۔

فائل پر نظر ڈالتے ہی وہ خوش ہو گئے۔۔۔ اس وقت ایس بی اور

اس کے ساتھی منشیات کو دیکھنے میں مصروف تھے۔۔۔ لہذا انہوں نے فوراً فائل کو چھپا لیا۔

"آئیے جناب۔۔۔ چلیں اوپر۔" وہ بولے۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا آپ کو کوئی چیز مل گئی؟" ایس بی نے چونک کر کہا۔

"میں سمجھ لیس۔۔۔ مل ہی گئی۔"

"اور وہ کیا ہے؟" اس نے فوراً کہا۔

"اوپر چل کر بتائیں گے۔"

وہ اوپر آئے۔۔۔ محمود بالکل چوکھڑا تھا۔۔۔ جب کہ قدوائی سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"کیا رہا اباجان؟"

"کامیابی۔۔۔ اللہ کی مہربانی سے۔" وہ بولے۔

"واہ۔۔۔ مزا آ گیا۔۔۔ لیجئے۔۔۔ قدوائی صاحب۔۔۔ اب اپنا کچا چمٹا سننے کے لیے تیار ہو جائیے۔" محمود نے شوخ آواز میں کہا۔

"مسٹر قدوائی۔۔۔ آپ تو کہتے تھے۔۔۔ آپ منشیات کا کاروبار نہیں کرتے۔" ایس بی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اب تو ہم آپ کو گرفتار کر سکتے ہیں نا۔" ایس بی بولے۔

اس نے اب بھی جواب میں کچھ نہ کہا۔

”کیا معلوم نہیں۔“

”جو میں فی الحال بتا نہیں سکتا۔“

”ارے ہاں.... وہ آپ کو کوئی اور چیز ملی تھی۔“

”اس کے بارے میں بھی.... آپ کو کل معلوم ہو سکے گا۔۔۔“

”کی نہیں۔“

”لیکن میں اپنے علاقے کے مجرم کو کیسے لے جانے دوں۔۔۔“

”اب تک اگر دارالحکومت کی طرف سے مجھے حکم نہ ملے۔“

”میں حکم ابھی دیکھا دیتا ہوں۔“

”کیا مطلب.... کیا آپ حکم پہلے ہی لے کر آئے ہیں۔“

”جی ہاں! یہ رہا حکم۔“

اور انہوں نے اپنا خصوصی اجازت نامہ اس کے سامنے کر دیا۔

اس کو پڑھ کر ایس پی کی حالت غیر ہو گئی.... اس نے تھکے تھکے انداز

کا۔

”ٹھیک ہے.... لے جایئے.... لیکن تحریر لکھ دیں۔“

”ہاں ضرور.... کیوں نہیں۔“

تحریر لکھ کر وہ وہاں سے روانہ ہوئے.... ہوٹل سے وہ پچھلے

درازے سے نکلے تھے.... اور پھر ان کا سفر دارالحکومت کی طرف شروع

ہوا۔ ایسے میں فاروق نے چونک کر کہا۔

”ارے.... وہ.... وہ تو وہی گئی۔“

”ایس پی صاحب.... آپ یہاں اخباری رپورٹرز کو اور ایک دو

مجموعیوں کو بلا لیں.... یہ شخص عدالت میں جا کر انکار کر دے گا۔“

”اس قدر منشیات برآمد ہونے کے بعد بھی.... اور اس قدر

اسلحہ یہاں موجود ہونے کے باوجود بھی؟“

”ہاں! آپ نہیں جانتے۔“

”اچھی بات ہے۔“ اس نے کہا اور فون کرنے لگا۔

جلد ہی وہاں اخباری رپورٹرز اور مجموعیٹ پہنچ گئے.... انہیں جب

منشیات اور اسلحہ کی اس قدر بڑی مقدار کے بارے میں بتایا گیا تو انہیں

یقین نہ آیا۔ لیکن جب انہیں تہہ خانے میں لے جایا گیا تو ان کی

آنکھیں پھٹ پڑیں.... اور دھڑا دھڑا تصاویر لی جانے لگیں۔

”اب ہمیں اجازت دیں.... انہیں دارالحکومت لے جایا جائے

گا.... یہ ایس پیوں کا نہیں ہے۔“ انسپکٹر جمشید بولے۔

”کیا مطلب.... آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ یہ کیس یہاں کا

نہیں ہے۔“ ایس پی نے چونک کر کہا۔

”کل کے اخبارات میں تفصیلات پڑھ لیجئے گا۔“

”جی نہیں۔ آپ مجھے ابھی اور اسی وقت بتائیں گے۔ ورنہ

قدوائی یہاں کی حوالات میں رہے گا۔ اور پھر ہمیں کی جیل میں بھیج دیا

جائے گا۔“

”آپ کو ابھی کچھ معلوم نہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔



"نک... کیا رہ گئی؟" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔  
 "سیو... تفریق... جس کے لیے ہم گھر سے نکلے تھے... اور جو  
 ہمیشہ رہ جاتی ہے۔" فاروق نے جلتے کئے انداز میں کہا۔  
 "حد ہو گئی۔" محمود نے جل کر کہا۔  
 "دراچہ کس رہتا ہے... ہم پر حملہ بھی ہو گا۔"  
 "نک... کیا مطلب... حملہ بھی ہو گا... یعنی آپ کو یقین  
 ہے۔"  
 "ہاں بالکل... بلکہ تم اپنے پتوں نکل لو اور چاروں طرف  
 ٹالیں کیے رکھو، نہ جانے کس طرف سے حملہ ہو۔"  
 "بہت بہتر۔" وہ بولے۔  
 "سفر جاری رہا... کافی دیر گزر گئی۔"  
 "میرا خیال ہے اباجان... آپ کا یہ اندازہ غلط ہو جائے گا۔"  
 "نک... کون سا اندازہ؟" وہ چونکے... گاڑی اس وقت وقتی پلا  
 رہے تھے۔  
 "یہی... راستے میں حملہ ہونے والا اندازہ۔"  
 "ابھی ہم اس جگہ نہیں پہنچے... جس جگہ حملہ ہو گا۔" وہ  
 مسکرائے۔  
 "کیا مطلب... کیا حملے کی جگہ بھی ملے ہے۔"  
 "ہاں... یہی سمجھ لو۔" وہ مسکرائے۔

"تب پھر ہم اس طرف کیوں جا رہے ہیں... ہمیں چاہیے...  
 ہم کسی اور راستے سے نکل جائیں... دارالحکومت پہنچنے کا بس کی ایک  
 راستہ تو نہیں ہے۔"  
 "مجبوری ہے... ہمیں اسی راستے سے جانا ہو گا۔" انہوں نے  
 کہا۔  
 "لیکن کیوں... یہ بھی تو بتائیں نا۔"  
 "میں ابھی وجہ نہیں بتا سکتا۔" وہ مسکرائے۔  
 "اباجان کا رویہ اس پورے کس میں بے حد پراسرار رہا ہے۔"  
 "فاروق نے منہ بنا کر کہا۔  
 "ایسا لگتا ہے... جیسے آپ اس بار ہم سے بہت کچھ چھپا رہے  
 ہیں۔" فرزانہ بولی۔  
 "شاید یہی بات ہے... اور دوسری بات ہم اس جگہ کے نزدیک  
 پہنچ چکے ہیں۔ جہاں ہم پر حملہ ہونا ہے۔ جانتے ہو... حملہ آور کی  
 چاہتے ہیں۔"  
 "اسکپز جشیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 "یہ بھی آپ ہی بتا دیں... اگرچہ ہم اندازہ لگا چکے ہیں۔"  
 فرزانہ مسکرائی۔  
 "تب میں بتانے کی بجائے تمہارا اندازہ سنوں گا۔"  
 "تو پھر سنئے... وہ ہم سے قدوائی کو چھین لینا چاہتے ہیں۔"

## نہیں مسٹر

وہ اگر فوری بریک نہ لگاتے تو گاڑی الٹ گئی تھی۔ جونہی گاڑی رکی۔ انہوں نے دروازے ایکدم کھول دیے۔۔۔ اور باہر کی طرف چھلانگیں لگا دیں۔ کیونکہ گاڑی کو تو کسی بھی وقت بھی آگ لگ سکتی تھی۔ اور وہ سڑک پر گرے۔۔۔ اور ان پر باڑھ ماری گئی۔۔۔ وہ لڑھکتے چلے گئے۔ انیسٹر جشید ایسے میں بھی قدوائی کو ساتھ لیتا نہیں بھولے تھے۔ انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر چھلانگ لگائی تھی۔۔۔ اور پھر وہ لڑھکتے ہوئے سڑک کے نیچے چلے گئے۔۔۔ جلد ہی وہ درختوں کے پھچھے پوزیشن لے چکے تھے۔۔۔ انیسٹر جشید نے ایک ہاتھ سے قدوائی کو پکڑ رکھا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ سے وہ فائرنگ کر رہے تھے۔ لیکن وہ اور ان کے ساتھی۔۔۔ دشمنوں کی طرح اندھا دھند فائرنگ نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ جس سمت سے فائرنگ ہوتی۔۔۔ اس سمت میں فائرنگ کر رہے تھے۔۔۔ وہ بھی لگاتار نہیں۔۔۔ اکا دکا فائر۔۔۔ کیونکہ ان کے پاس اتنی گولیاں نہیں تھیں۔ کہ اندھا دھند اور لگاتار فائرنگ کر سکتے۔۔۔ اور دشمن ان کی اس فائرنگ کی وجہ سے آگے نہیں پیڑھ رہا تھا۔۔۔ وہ جواب

”بہت خوب۔۔۔ تم تینوں واقعی۔۔۔“

ان کے الفاظ درمیان میں وہ گئے۔

میں اس وقت ان کی گاڑی کے چاروں ٹائر بلند آواز سے پھٹے

تھے۔



میں فائز نہ کرتے تو کبھی کا ان کے نزدیک آچکا ہو گا۔ اچانک ایک آواز ابھری۔

”تم لوگ چاروں طرف سے گھیر لیے گئے ہو۔۔۔ بچ نہیں سکتے۔ ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں۔ بس قدوائی صاحب کو چھوڑ دو۔ وہ سڑک پر آجائیں۔۔۔ ہم انہیں لے کر چلے جائیں گے۔“

جواب میں وہ خاموش رہے۔ بول کر اپنی پوزیشن نہیں بتا سکتے تھے۔ یہ الفاظ تین چار بار کہے گئے۔ پھر آخر میں کہا گیا۔

”آپ ہم چندہ منٹ انتظار کریں گے۔ اگر چندہ منٹ گزرنے پر بھی قدوائی صاحب سڑک پر نہ آئے تو پھر اس قدر فائرنگ کریں گے کہ تم پر کبھی اتنے فائز نہ ہوئے ہوں گے۔“ انہوں نے اس کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔۔۔ آخر چندہ منٹ بعد فائرنگ شروع ہو گئی اور اس بار واقعی فائرنگ اس قدر زور و شور سے ہوئی کہ جنگل بری طرح گونج اٹھا۔

”حیرت ہے۔۔۔ اس قدر اسلحہ کہاں سے لے آئے۔“ انسپکٹر جمشید بیڑوائے۔

”اس سے بھی زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ ان کے نزدیک قدوائی کی اس قدر اہمیت کیوں ہے؟“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”ہاں! یہ بات واقعی حیرت کی ہے۔“ خان رحمان نے اس کی تائید کی۔

”لیکن میرے نزدیک یہ بات حیرت کی نہیں ہے۔“ انسپکٹر جمشید بولے۔

”جی۔۔۔ کیا مطلب؟“ وہ ایک ساتھ بولے۔

”یعنی اس وقت گولیاں ان کے مت نزدیک آکر درختوں سے یا زمین سے کرائیں۔ پھریوں لگا جیسے اوپر سے بھی فائر کیے جا رہے ہوں۔۔۔ گویا مت سے دشمن اب درختوں پر بھی چڑھ گئے تھے۔ یہ بات ان کے لیے بہر حال خطرناک تھی۔“

”ان لوگوں کی ہر صحت کو محض یہی ہے کہ کسی طرح قدوائی کو چھوڑ لیں۔۔۔ اور ہماری کوشش یہ ہے کہ اسے دارالحکومت لے جائیں۔۔۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ فائرنگ میں ہر لمحے اضافہ ہو رہا ہے۔ گویا اور آدمی آتے جا رہے ہیں۔ اس طرح تو ہم واقعی نہیں بچ سکیں گے۔ درختوں کی اوٹ مت ہمارے لیے بے کار ہو جائے گی۔۔۔ اب بتاؤ۔۔۔ تم ان حالات میں کیا کہتے ہو؟“

”آپ قدوائی سے اعلان کرائیں۔“ فرزانہ مسکرائی۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونکے۔

”قدوائی اگر ان لوگوں کو حکم دے گا تو کیا یہ واپس نہیں چلے جائیں گے۔ آخر یہ سارا چکر انہی کو بچانے کے لیے چلایا گیا ہے۔“ فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

”ہاں! ٹھیک ہے۔۔۔ مگر قدوائی آپ بلند آواز میں ان لوگوں

سے کہیں کہ یہ چلے جائیں۔

”اور میں کیوں کموں؟“ قدوائی ہنسا۔

”اس لیے کہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔“

”نہیں! آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس وقت گھرے ہوئے

آپ ہیں میں نہیں۔“

”میں ملاوچہ خون بنانا پسند نہیں کرتا۔ لیکن آپ مجھے مجبور کر

رہے ہیں کہ میں آپ کا خون بہا ہی دوں۔“ یہ کہہ کر انہوں پرستول

قدوائی کی کن پٹی پر لگا دی۔

”چلا دو گولی۔ مجھے کوئی پروا نہیں۔“ اس نے جھٹا کر کہا۔

”ایسے نہیں ابا جان۔ ترکیب نمبر ۲۱۔“ فرزانہ بول اٹھی۔

”اوہ ہاں! اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔۔۔ وہ ترکیب تو سب

ترکیبوں سے زیادہ کارگر ہے۔“ انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

”ترکیب نمبر ۲۱۔ کیا مطلب؟“ قدوائی چونک کر بول۔

”ہاں جناب۔۔۔ دیسے ہمارے ہاں ترکیب نمبر ۲۳ کا استعمال بہت

عام ہے۔۔۔ ترکیب نمبر ۲۱ نئی نئی ایجاد ہے۔۔۔ ابھی آپ اس کا نظارہ

کریں گے۔“

اچانک اس کی گردن انسپکٹر جمشید کے بازو میں آگئی۔۔۔ انہوں

نے اسے ایک جھٹکا دیا۔۔۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

”یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”اسے ترکیب نمبر ۲۱ کہتے ہیں۔“

”حد ہو گئی۔۔۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟“

”ابھی تو یہ شروع ہوئی ہے۔۔۔ بس دیکھتے جائیں۔۔۔ میں اپنے

بازو کو ذرا سی حرکت دینے لگا ہوں۔۔۔ اس کے بعد آپ کے مزاج

پوچھوں گا۔“ یہ کہہ کر انہوں نے ایک بہت ہلکا جھٹکا دیا۔۔۔ اس کے

منہ سے دل دوزخ نکل۔

”ارے ارے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا کیا آپ نے۔۔۔ میری جان پر بن

گئی ہے۔“

”بس! بسی دکھانا چاہتا ہوں۔۔۔ یہ تو تھا ایک بہت ہلکا جھٹکا۔

لیکن۔۔۔ ذرا غور کریں۔۔۔ اگر کہیں میں شدید جھٹکا دوں تو آپ پر کیا

بیٹے گی۔“

”خاک بیٹے گی۔۔۔ میری گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔“

”چلو شکر ہے۔۔۔ آپ کو یہ اندازہ تو ہوا۔۔۔ تو جناب۔۔۔ آپ ان

فائر کرنے والوں سے کہہ دیں کہ یہ آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔۔۔ ورنہ

میں ایک زوردار جھٹکا دیتے کے لیے تیار ہوں۔“

”یہی تو مشکل ہے۔۔۔ یہ لوگ نہیں جائیں گے اور میں پھنس

گیا۔“ اس نے کانپ کر کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔ نہیں جائیں گے۔ آپ کا اپنا حکم من کر بھی

نہیں جائیں گے۔“

"ہاں بالکل نہیں جائیں گے۔"

"آخر کیوں۔ کیا یہ لوگ آپ کی زندگی بچانا نہیں چاہتے۔"

"نہیں۔۔۔ اب یہ مجھے آپ کے ساتھ ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" باقی لوگ ایک ساتھ بولے۔ ساتھ ساتھ وہ

درختوں کی اوٹ میں تھے۔

"ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ آپ پہلے تجربہ کر لیں۔۔۔ لیجئے میں اعلان

کرتا ہوں۔"

اس نے ان سے کہا اور پھر طلق پھاڑ کر بولا۔

"سنو سنو۔۔۔ میں قدوائی بات کر رہا ہوں۔۔۔ کیا تم لوگ میری

آواز پہچانتے ہو؟"

"بہت اچھی طرح مسٹر قدوائی۔۔۔ فرمائیے۔۔۔ کیا حکم ہے۔" ایک

طرف سے آواز آئی۔

"انپکٹر جمشید نے میری گردن کچھ اس طرح سے پکڑی ہے کہ

اگر وہ ایک جھٹکا بھی دیں تو گردن ٹوٹ جائے گی۔۔۔ لہذا تم لوگ مہربانی

فرمادو اور واپس چلے جاؤ۔۔۔ میں خود ان سے معاملہ طے کر لوں گا۔۔۔ اور

یقین جانو۔۔۔ یہ مجھے جان سے نہیں ماریں گے۔"

"یہ تو ہم جانتے ہیں مسٹر قدوائی۔" دوسری طرف سے آواز

آئی۔

"تب پھر؟" ہوالیہ انداز میں قدوائی نے کہا۔

"لیکن ہمیں افسوس ہے۔۔۔ ہم ایسے نہیں جاسکتے۔۔۔ یا آپ کو

کر جائیں گے۔۔۔ یا ان سب کو ختم کریں گے۔"

"ان کے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔"

"کوئی پروا نہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

اب قدوائی ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ لوگوں نے سنا؟"

"ہاں! سنا۔۔۔ آپ ان کے کیسے پاس ہیں۔۔۔ کہ یہ آپ کا حکم

مان رہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"میں نے پہلے ہی آپ لوگوں کو یہ بات بتا دی تھی۔"

"آخر کیوں۔۔۔ ایسا کیوں ہے؟" قاروق چلا کر بولا۔ وہ سب

طرح حیران تھے۔۔۔ لیکن انپکٹر جمشید برابر مسکرائے جا رہے تھے۔

"میں اس کیوں کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"کوئی بات نہیں۔۔۔ میں تو دے سکتا ہوں۔" انپکٹر جمشید

نے

"کیا مطلب؟" قدوائی زور سے چونکا۔

"مسٹر قدوائی یہ کمائی میں دارالحکومت میں چل کر سناؤں گا۔۔۔

ان لوگوں کا خون نہیں بہانا چاہتا تھا۔۔۔ اس لیے کہ آخر یہ انسان

لیکن یہ نہیں مانتے۔ اگر آپ کا اعلان سن کر یہ چلے جاتے تو

ان جانیں بچ جاتیں۔۔۔ بات یہ نہیں کہ ہم ان کے گھیرے میں آگئے

ہیں۔ بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ یہ ہمارے گھیرے میں آچکے ہیں۔  
 ”کیا مطلب۔۔۔ یہ تم نے کیا کر دیا جشید۔ کیا تمہارا دماغ  
 نہیں چل گیا۔“ خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

”نہیں خان رحمان۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔ اللہ کا  
 ہے۔۔۔ ہاں تو قدوائی صاحب۔۔۔ آپ ایک آخری کوشش کر لیں۔  
 لوگوں کو بتا دیں کہ وہ سخت خطرے میں ہیں۔ ان کے لیے بہتری  
 کہ یہ چلے جائیں۔۔۔ ورنہ پھر ان کا خون اس جگہ میں گر کر رہے گا۔  
 ”اچھی بات ہے۔“ قدوائی نے کہا۔ اور ایک بار پھر طعن  
 کر دھاڑا۔

”سنو۔۔۔ سنو۔۔۔ میں قدوائی بات کر رہا ہوں۔۔۔ تم لوگوں  
 زندگیاں خطرے میں ہیں۔۔۔ تم بری طرح گھیر لیے گئے ہو۔  
 جشید تم لوگوں کی زندگیاں بچانے کا ایک سہری موقع دیتا چاہتے ہیں  
 میرا مشورہ بھی تم لوگوں کو یہی ہے کہ نکل جاؤ۔۔۔ اور پیچھے نہ  
 دیکھو۔“

”ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ بہت سے آدمیوں کے قہقہے جواب میں  
 دیے۔۔۔ پھر ایک نے چیخ کر کہا۔  
 ”مسٹر قدوائی۔۔۔ کیا ان لوگوں کے ساتھ تمہارا دماغ بھی  
 ہے۔۔۔ گھیرے میں یہ لوگ ہیں۔۔۔ ہم نہیں۔“  
 ”اب اس کا میں کیا جواب دوں۔“ قدوائی نے افسانہ جشید

”ان سے کہہ دیں۔۔۔ میں صرف ایک فائر اپنے آدمیوں سے  
 دھونانا ہوں۔۔۔ اگر اس فائر کے جواب میں ایک چیخ ان کے آدمی کی نہ  
 دے دی۔ تو میرا دعویٰ لفظ۔“  
 ”اچھی بات ہے۔“ یہ کہہ کر قدوائی نے ان کی بیات دہرا  
 ”ضرو۔۔۔ ضرو۔۔۔ ہم اپنے ایک آدمی کی چیخ سننا پسند کریں  
 ”مسٹر قدوائی۔۔۔ آپ آنکھیں بند کر لیں۔“  
 ”کک۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ کیا آپ مجھے شوٹ کرنا چاہتے ہیں۔“  
 ”نہیں۔۔۔ فوراً آنکھیں بند کر لیں۔۔۔ ورنہ میں۔“ انہوں نے  
 کو ہلکی سی حرکت دی۔  
 ”اچھا اچھا۔“ اس نے گہرا کر کہا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔  
 ساتھ ہی ایک فائر ہوا اور ایک چیخ فضا کو تھرا مٹی۔۔۔ دشمنوں کا  
 آدمی ایک درخت پر سے گرا اور سناٹا چھا گیا۔  
 ”اب۔۔۔ مسٹر قدوائی۔۔۔ ان سے کہو۔ اب ان کا کیا خیال  
 ”دیکھا تم نے۔ اپنا ایک آدمی مٹوا بیٹھے نا۔“  
 دوسری طرف سے کوئی جواب نہ دیا گیا۔

کہ تم کہاں کہاں ہو۔۔۔ لیکن تم لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں  
 لے گئے ہیں۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سب ان کے نشانے پر ہو۔۔۔  
 جب کہ وہ تم میں سے کسی کے نشانے پر نہیں ہیں۔۔۔ تم ہو بھی درختوں  
 پر۔۔۔ اوہر اوہر بھاگ کر یا لڑھک کر یا گر کر خود کو گولیوں سے بچا بھی  
 نہیں سکو گے۔۔۔ کیا سمجھے۔۔۔ اگر اب بھی نہیں سمجھے تو اس بار تم لوگوں  
 کے پانچ آدمی گریں گے۔۔۔ کیا خیال ہے۔۔۔ گرا دیے جائیں۔۔۔ پانچ  
 آدمی۔۔۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

”ہاں! اس لیے کہ ہمیں تمہاری بات کا ایک فیصد بھی یقین  
 نہیں آیا۔“

”بہت خوب! اگر وہ ان کے پانچ آدمی۔“

پانچ چھٹیں بلند ہوئیں۔۔۔ اور پھر موت کا سناٹا چھا گیا۔۔۔ آخر  
 پیکر جیشید کی آواز ابھری۔  
 ”اب کیا کہتے ہو؟“

”افسوس۔۔۔ ہم تو واقعی گھر گئے ہیں۔“

بس تو پھر ٹیک مشورہ مانو۔۔۔ درختوں سے نیچے اترو اور واپس  
 آنا ہو جانا۔۔۔ اس طاقت کی غلامی چھوڑ دو۔۔۔ یہ تو صرف تم لوگوں کو  
 پانا چاہتی ہے۔۔۔ مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑوا کر اپنا الو سیدھا کرنا  
 چاہتی ہے۔۔۔ دیکھو نا۔۔۔ ان لوگوں نے ہمارے مقابلے میں تم لوگوں کو  
 ہار دیا ہے۔۔۔ دولت دے کر۔۔۔ مقابلے میں خود نہیں آئے۔۔۔ کہ ان ہاں ہو

”اب سانپ کیوں سو گئے گیا ہے۔۔۔ میں نے کہا تھا کہ واپس چلے  
 جاؤ۔“

”ہمیں افسوس ہے مسٹر قدوائی۔“ آواز ابھری۔

”اس بات پر کہ تم نے میری بات نہیں مانی۔“

”نہیں۔۔۔ بلکہ اس بات پر کہ ہم آپ کی بات نہیں مان سکتے۔  
 نہیں مان سکتے۔“

”آخر کیوں۔۔۔ کیوں نہیں مان سکتے۔“ محمود چلا اٹھا۔

”یہ بے چارے مجبور ہیں۔۔۔ اب میں انہیں آخری بار بتاؤں  
 ہوں۔۔۔ وہ بھی اس لئے کہ یہ آخر انسان ہیں۔۔۔ اور ہیں بھی ہمارے  
 اپنے مسلمان۔۔۔ لیکن اس وقت یہ کسی کی غلامی کر رہے ہیں۔۔۔ اس  
 غلامی کے بدلے میں انہیں بہت دولت ملتی ہے۔۔۔ ہاں تو سنو۔۔۔ اس  
 لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق ہمیں گھیرے میں لے لیا ہوا  
 ہے۔۔۔ یہ پروگرام شروع سے میری نظر میں رہا ہے۔۔۔ یہ بات میں کنگ  
 کے دربار میں ثابت کر چکا ہوں۔۔۔ جب یہ سارا پروگرام میری نظروں  
 میں رہا ہے تو یہ جگہ بھی میری نظروں میں رہی ہے۔۔۔ کیونکہ پہلی بار  
 بھی ہمیں یہیں گھیرا گیا تھا۔۔۔ لہذا ہم نے واپسی کا سفر شروع ہونے سے  
 پہلے ہی اپنے آدمی اس جنگل کے درختوں پر مقرر کر دیے تھے۔۔۔ لہذا  
 ہماری سیال آمد سے پہلے ان لوگوں نے درختوں پر پوزیشن لے لی  
 تھی۔۔۔ تم لوگ بعد میں آئے تھے۔۔۔ لہذا میرے آدمیوں کو معلوم ہے

جانی نقصان نہ ہو۔۔۔ یہ لوگ اپنا جانی نقصان کرنا پسند نہیں کرتے۔۔۔ دولت خرچ کرتے ہیں۔۔۔ یہ دولت بھی خود انہوں نے ہم سے ہی کمائی ہوئی ہے۔۔۔ اپنا ناکارہ اسلحہ جو ہمیں بیچتے رہتے ہیں۔۔۔ اور ہم اس قدر سیدھے ہیں کہ ان کے جال میں آ جاتے ہیں۔۔۔ میں آپ لوگوں کی بات نہیں کر رہا۔۔۔ ان کے چکروں میں تو ہماری حکومتیں آ جاتی ہیں۔۔۔ ہمارے وزیر اعظم چکر میں آ جاتے ہیں۔۔۔ اور ہمارے صدر صاحب چکر میں آ جاتے ہیں۔۔۔ دوسرے وزیر اور امیران کے چکر میں آ جاتے ہیں۔۔۔ لہذا میں تو یہی کہوں گا۔۔۔ ان کے جال میں آ کر اپنا خون نہ بہاؤ۔۔۔ اگر تم میرے ملک کے نہ ہوتے۔۔۔ مسلمان نہ ہوتے میں اپنا اتنا وقت کیوں برباد کرتا۔۔۔ کب کا اپنے آدمیوں کو حکم دے چکا ہوتا۔۔۔ اور وہ فائرنگ کر کے تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہوتے۔۔۔ اور ہم دارالحکومت کی طرف جا رہے ہوتے۔۔۔ بس اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔۔۔ صرف تم لوگوں کا فیصلہ سنوں گا۔۔۔

اب مکمل خاموشی چھا گئی۔۔۔ جیسے سب لوگ گہری سوچ میں ڈوب گئے ہوں۔۔۔ آخر وہی آواز بھری۔۔۔ جو اب تک باتیں کرتی آ رہی تھی۔۔۔

”اسپیکٹر جیشید۔۔۔ آپ نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔۔۔ ہم واپس جانے کے لیے تیار ہیں۔۔۔ ان لوگوں کا حکم یہ تھا کہ اگر ہم جانی کو نہ چھڑائیں تو انہیں بھی ختم کر دیں۔۔۔ کسی حالت میں اسے

ہاں! اب بتائیں۔۔۔ آپ لوگ براہ راست کس کے احکامات پر آتے ہیں۔۔۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ کام اشارہ کے لیے کرتے ہیں۔۔۔

”ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ یہاں اشارہ کا جو سفیر ہے۔۔۔ یہ ہر گرام وہ ترتیب دیتا ہے۔۔۔ اس کے براہ راست کنگ کو ملتا ہے۔۔۔ کنگ ہمیں حکم دیتا ہے۔۔۔ لیکن اس بار ژالامیر

ہاں! اب بتائیں۔۔۔ آپ لوگ براہ راست کس کے احکامات پر آتے ہیں۔۔۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ کام اشارہ کے لیے کرتے ہیں۔۔۔



## اصل مجرم

وہ سب بری طرح اچھے۔۔۔ اور سب کی نظریں قدوائی پر جم گئیں۔۔۔ اس لیے کہ انسپکٹر جشیہ نے یہ جملہ اس کی طرف منہ کر کے کہا تھا۔

”کنگ۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ یہ مسٹر کنگ ہیں؟“  
 ”ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔“ انسپکٹر جشیہ مسکرائے۔  
 ”کیوں مسٹر قدوائی؟“

”یہ ٹھیک ہے۔۔۔ میں ہی کنگ ہوں۔۔۔ انسپکٹر جشیہ کی نظروں کی داد دینا پڑتی ہے۔۔۔ انہوں نے غالباً مجھے ہوٹل میں ہی پہچان لیا تھا۔“  
 ”اور میں پہچانتا کیوں نہ۔۔۔ تم بات کرتے ہوئے۔۔۔ بائیں کندھے کو ہلکا سا جھٹکا ضرور دیتے ہو۔۔۔ یہ تمہاری عادت ہے جس کا تمہیں خود پتا نہیں۔۔۔ میں نے کنگ کو جب بات کرتے دیکھا تھا۔۔۔ تو اس جھٹکے کو نوٹ کر لیا تھا۔۔۔ جب ہم بعد میں ہوٹل میں آئے اور آپ سے بات ہوئی تو مجھے فوراً معلوم ہو گیا کہ تم ہی کنگ ہو۔۔۔ اسی لیے تو ہمیں دارالحکومت لے جا رہے تھے۔“ یہاں تک کہ کردہ خاموش ہو

اس نے ہمیں حکم دیا تھا۔۔۔ اور بتایا تھا کہ قدوائی کو انسپکٹر جشیہ۔۔۔ گرفتار کر لیا ہے۔۔۔ اسے ہر حال میں چھڑوانا ہے۔۔۔ یا پھر اسے ہلاک دینا ہے۔“ ان میں سے ایک نے بتایا۔  
 ”سنا مسٹر کنگ۔“ انسپکٹر جشیہ بولے۔



”لیکن ابا جان... اصل مجرم تو انشارجہ ہے... اور اصل مقای  
مجرم سفارت خانے کا سفیر ہے... انشارجہ کا سفیر۔“

”ہم دارالحکومت پہنچے ہی کنگ کا بیان لیں گے... ان سب  
لوگوں کے بیانات دیکھاؤ کریں گے... پھر یہ بیانات صدر صاحب کے  
سامنے رکھے جائیں گے۔ اور اس کی گرفتاری کا حکم حاصل کریں  
گے... کیوں... کیسا پروگرام ہے؟“

”بہت خوب صورت... بہت دل کش... بہت مزے دار۔“

تو پھر چلتے ہیں۔ اب یہاں رک کر کیا کریں گے؟“

”اور ان لوگوں کا کیا کریں... اتنے بہت سے لوگوں کے لیے تو  
ہمارے پاس گاڑیاں نہیں ہیں۔“

”ہم انہیں خفیہ فورس کی گاڑیوں میں چائیں گے۔“

”اوہ ہاں... واقعی۔“

جلد ہی ان کا سفر شروع ہوا۔ دارالحکومت پہنچے ہیں انہیں  
جشید نے صدر سے ملاقات کی۔ انہیں ساری صورت حال سنائی۔ وہ  
سکتے میں آ گئے۔ پھر بولے۔

”اب۔۔۔ اب تم کیا چاہتے ہو جشید؟“

”انشارجہ کے سفیر کی گرفتاری۔“

”افسوس! ہم اسے گرفتار نہیں کر سکتے... ہاں ٹیپنڈیو شخصیت

قرار دے کر اس کے ملک واپس بھجوا سکتے ہیں۔“

”اس سے کیا ہو گا سوچو... اس کی جگہ دوسرا آ جائے گا۔ اور  
ہو سکتا ہے... آنے والا پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو۔ اس  
مسئلے کا یہ حل ہے ہی نہیں... دیکھئے نا۔۔۔ یہ لوگ ہمارے ملک کو  
انسان پہنچاتے رہتے ہیں... اور اس بار تو ہمارے پاس ان کے خلاف  
کامل ثبوت موجود ہے۔ کنگ ان کے خلاف ہر طرح کی گواہی دینے  
کے لیے تیار ہے۔ کنگ کے وہ ساتھی جنہیں ہم نے جان سے نہیں  
لایا۔۔۔ اور اس بات کی پوری پوری کوشش کی ہے کہ انشارجہ کے ہاتھ  
نہ لگیں۔ وہ سب ہمارا شہریہ ادا کر رہے ہیں اور عدالت میں بیانات  
دینے کو تیار ہیں۔ آخر ہمیں اور کس ثبوت کی ضرورت ہے۔“

”کسی کی نہیں... لیکن انشارجہ اس بات کو برداشت نہیں کرے  
گا۔۔۔ اور انتقامی کارروائی پر اتر آئے گا۔“

”تو اتر آئے سو۔۔۔ ہم اس سے کیوں ڈریں... صرف اور صرف  
اللہ سے کیوں نہ ڈریں۔ کیا آپ بھول گئے... جو صرف اللہ سے ڈرتا  
ہے... سب اس سے ڈرتے ہیں... اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا... اسے  
سب ڈراتے ہیں۔“

”ہاں! یہ بات میں جانتا ہوں... لیکن تمام حکومتی عہدے دار  
میرے اس اقدام کو پسند نہیں کریں گے... ہمارے خلاف ہو جائیں  
گے۔ انشارجہ انہیں ہمارے خلاف کھڑا کر دے گا۔ اور میرے خلاف

سازش کراوے گا۔

"تو کرا دے۔۔۔ آپ کیوں ڈرتے ہیں۔۔۔ آپ صرف اور صرف اللہ سے ڈریں اور اس کے بعد دیکھیں کیا ہوتا ہے۔"

"اچھی بات ہے جمشید۔۔۔ آئی جی صاحب سے اس کے وارنٹ لے لو اور کر لو اسے گرفتار۔۔۔ اب میں ان لوگوں سے نہیں ڈروں گا۔"

"شکریہ سر۔۔۔ بہت بہت۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ وارنٹ لینے کے بعد جب وہ آئی جی کے پاس پہنچے تو ان کے چہرے پر ایک حیرت زدہ سی مسکراہٹ تھی۔

"حیرت ہے جمشید۔۔۔ تم یہ وارنٹ حاصل کرنے میں کس طرح کامیاب ہو گئے۔۔۔ میرا خیال تھا۔۔۔ صدر صاحب اور تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔۔۔ بس یہ کام نہیں کر سکتے۔"

"آپ کا خیال کچھ غلط بھی نہیں تھا۔۔۔ لیکن اللہ کی مہربانی سے ایسا ہو گیا۔"

"یہ لے جاؤ۔۔۔ وارنٹ تیار ہیں۔۔۔ لیکن طوفان بہت اٹھے گا۔"

"گوئی پروا نہیں۔۔۔ ہم نے ایسے بہت طوفان دیکھے ہیں ان کا سامنا کیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ آدھ گھنٹے بعد وہ سفیر کے سامنے بیٹھے تھے۔ اس کا نام جان ایف شوبو تھا۔

"آپ کیسے تشریف لائے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہمارے پاس آپ کا وارنٹ ہے۔۔۔ گرفتاری کا وارنٹ۔"

انگلز جمشید مسکرائے۔

"گرفتاری کا وارنٹ اور میرا۔۔۔ آپ کو ضرور کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔۔۔ آپ کی موجودہ حکومت میری گرفتاری کے وارنٹ جاری کر ہی نہیں سکتی۔۔۔ یہ تو حکومت کے معاہدے میں تحریر کیا ہے۔"

"کیا فرمایا آپ نے۔۔۔ معاہدے میں تحریر کیا ہے۔" انگلز جمشید نے چونک کر کہا۔

"ہاں! میں آپ کو تحریری معاہدہ دکھا سکتا ہوں۔"

"ہم تحریری معاہدہ دیکھنا ضرور پسند کریں گے۔"

وہ اندر گیا اور معاہدہ نکال لایا۔۔۔ انہوں نے پڑھا۔۔۔ واقعی اس میں یہ شرط موجود تھی۔۔۔ کہ اشارہ کے کسی سفیر کو۔۔۔ چاہے اس کے خلاف کچھ بھی الزام ہو۔۔۔ گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ ہاں واپس ضرور بھیجا جا سکتا ہے۔۔۔ یہ پڑھ کر انہوں نے صدر کو فون کیا۔۔۔ وہ ان کی نوازش سن کر بولے۔

"میں جانتا تھا۔۔۔ تمہارا فون آئے گا۔۔۔ تم اس معاہدے کو بھاڑ دے۔۔۔ میرے پاس جو معاہدے کی کاپی ہے۔۔۔ میں بھی اس کو جلا کر رکھ کر چکا ہوں۔۔۔ کیونکہ یہ لوگ اس معاہدے کی آڑ میں ملک سے دشمنی کریں۔۔۔ یہ تو طے نہیں تھا معاہدے میں۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک فرمایا۔۔۔ شکریہ۔"

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔۔۔ اور سفیر کی طرف  
مڑے۔۔۔ انہوں نے معاہدہ اٹھا لیا اور خان رحمان کو دیتے ہوئے۔۔۔  
بولے۔

"لو خان رحمان۔۔۔ جلا کر اس کی راکھ واش بین میں بہا دو۔"

"ہمت بہتر جشید۔"

سفیر نے چونک کر ان کی طرف دیکھا، لیکن پھر مسکرایا۔

"اس سے کیا ہو گا انپکڑ جشید۔"

"اس سے یہ ہو گا کہ ہم آپ کو گرفتار کر سکیں گے۔"

"وہم ہے تمہارا۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ میں ابھی انٹارچ کے  
صدر کو فون کرتا ہوں۔"

"آپ یہ بھی کر کے دیکھ لیں۔"

اس نے انٹارچ کے صدر کے نمبر مانائے۔۔۔ جلد ہی صدر کی  
آواز کمرے گونجی۔

"ہائیں مسٹر جان ایف شوبو۔"

"سر۔۔۔ کنگ کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔۔۔ اب یہ لوگ مجھے گرفتار  
کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

"کیا اس دو ٹکے کے ملک کی ہمت ہے کہ ہمارے سفیر کو  
گرفتار کرے۔۔۔ میں ابھی صدر کو فون کرتا ہوں۔۔۔ آپ ابھی گرفتاری

نہ دیں اور اس فون کو آن رہے دیں۔"

"او کے سر۔"

"کچھ نہیں ہو گا سر۔۔۔ انہیں گرفتاری دینا ہی ہو گی۔" انپکڑ  
جشید بول اٹھے۔

"یہ۔۔۔ یہ کون بولا؟"

"انپکڑ جشید سر۔۔۔ یہی مجھے گرفتار کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

سفیر نے ہنس کر کہا۔

"اوہ اچھا۔۔۔ میں دیکھوں گا۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ کیسے یہ

لوگ آپ کو گرفتار کرتے ہیں۔"

"ہمت بہت شکریہ سر۔"

"پھر خاموشی چھا گئی۔۔۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔۔۔ لیکن انٹارچ کے  
صدر کا فون نہ آیا۔"

"ہم اور انتظار نہیں کر سکتے۔۔۔ آپ کو گرفتار کر رہے ہیں۔"

ہاں۔۔۔ ہمارے صدر صاحب کی ہدایات موصول ہوئیں تو ہم آپ کو  
فوراً رہا کر دیں گے۔"

"آپ کو ابھی اور ٹھہرنا چاہیے۔"

"نہیں بس۔۔۔ اب اور نہیں ٹھہر سکتے۔"

اور اسے گرفتار کر کے حوالات پہنچا دیا گیا۔ وہ چیخا اور چلاتا رہا  
"یہاں۔۔۔ اب انہوں نے صدر صاحب کو فون کیا۔"

کہا۔

”ہاں جشید۔ کیا رہا؟“  
”مگر قمار کر کے حوالات میں پہنچا دیا ہے سر۔“

بتایا۔

”بہت خوب۔“

”اور آپ کے ساتھ کیا رہا؟“ انہوں نے پوچھا۔

”بہت دھمکیاں دیں جشید اس نے مجھے۔ اس قدر دھمکیاں

کہ میں نے آج تک نہیں سنی ہوں گی۔“

”آپ فکر نہ کریں۔ اس لیے کہ۔“

”اس لیے کہ کیا جشید۔“

”آپ نے سنا نہیں سر۔ کھیانی بلی کھبا توچے۔ یہ لوگ

صرف کھبا توچیں گے۔ اور توچے رہیں گے۔ ہمارے خلاف

سازشیں کریں گے۔ وہ یہ پہلے بھی کرتے رہتے ہیں۔ آپ فکر نہ

کریں۔ ہم ان کی ہر سازش کا جواب پہلے ہی دیتے آئے ہیں۔ اب

بھی دیں گے۔ اور آپ دیکھیں گے۔ یہ ان شاء اللہ ہر بار منہ کی

کھائیں گے۔“

”ان شاء اللہ۔“ صدر صاحب بولے۔

فون بند کر کے وہ ان کی طرف مڑے۔

”بھئی یہ مرحلہ تو ہوا طے۔ اب کیا کرتا ہے۔“

”اب ہم نئے سرے سے شاردون آباد کا سفر کریں گے۔ امید

ہے کہ اس بار کوئی کیس نہیں ٹپکے گا۔“ فاروق نے پر جوش انداز میں

”دل۔۔۔ لیکن یہ امید کتنے فیصد ہے۔“ خان رحمان نے منہ

”جی۔۔۔ بس۔۔۔ صرف۔۔۔ ایک فیصد۔“

”کیا کہنا۔۔۔ ایک فیصد امید۔“ پروفسر داؤد بولے۔

”جی ہاں! اس کے زیادہ امید ہم کر بھی تو نہیں سکتے۔“

”ابھی بات ہے۔۔۔ مجبوری ہے۔ ہم ایک فیصد امید پر ہی

مزارا کر لیں گے۔“

دوسرے دن وہ پھر شاردون آباد جا رہے تھے۔ لیکن ان کے دل

دھک دھک کر رہے تھے۔ کہ نہ جانے کب ان کے ساتھ کچھ پیش آ

جائے۔



محمود 'قدروق' قرآنہ 'انسپیکٹر جمشید'  
آفتاب 'آصف' فرحت 'انسپیکٹر کامران مرزا'  
اور شکی برادرز کی مشترکہ رسم  
45 واں خاص نمبر

## حیرت کا سمندر

مصنف: اشتیاق احمد

- ☆ آپ کی زندگی میں حیرت کا سمندر نہیں ہے۔
- ☆ آپ شاید کہہ سکیں کہ یہ کیا نام ہوا؟
- ☆ اس کے نواب میں بھی کیا جاسکتا ہے کہ پہلے پڑھو پھر دلو۔
- ☆ ہر لفظ سے ایک ہانک اٹھ اٹھ۔
- ☆ آپ یہ نہیں کہہ سکیں گے اس قسم کا تو آپ کا فلاں ناول بھی تو ایسا فلاں خاص نمبر بھی تھا۔
- ☆ جی نہیں.... آپ کو تسلیم کرنا ہو گا.... اس وقت تک لکھے جانے والے تمام عام ناولوں اور خاص ناولوں میں یہ ناول بالکل مختلف قسم کا تھا۔
- ☆ اور پھر یہ خاص نمبر اپنے انجام کے لحاظ سے بھی تمام تر ناولوں سے مختلف کا ہو گا۔
- ☆ یہ خاص نمبر اپنے انجام کے لحاظ سے بھی تمام تر ناولوں سے مختلف ثابت ہو گا.... سو ان یہ ہے کہ کیوں مختلف ثابت ہو گا.... آپ خاص نمبر ختم ہونے پر یہ نہیں جان سکیں گے۔
- ☆ اور جب یہ بات جان لیں گے تب....

☆ تب کے بعد کچھ تو پوچھیں۔

- ☆ جی ہاں! ایسا بھی ہو سکتا ہے.... بیسالیں خاص کو لکھتے ہوئے میرے ساتھ ہوا۔
- ☆ یہ ہوا اور سفید انٹوں سے ملے۔
- ☆ دو سیاہ اور سفید کیوں ہو رہے تھے؟
- ☆ اور جب انسپیکٹر جمشید کے قریبی ساتھی سیاہ اور سفید ہو گئے۔
- ☆ جی نہیں.... جب انہوں نے انسپیکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھیوں کو سیاہ اور سفید دیکھا۔
- ☆ انسا تو اس وقت ہوئی جب انسپیکٹر جمشید ڈیو کے رنگ بھی بدل گئے۔
- ☆ ڈاکٹر بھونائی سے ملے.... ایک پراسرار ترین شخص۔
- ☆ ہوٹل مون لائٹ میں پراسرار سرگرمیاں۔
- ☆ ان سرگرمیوں کا مقصد کیا تھا.... وہاں کیا پیکر چل رہا تھا۔
- ☆ انہیں شک گذرا کہ کہیں مجران اور شہناز نیل سے باہر تو نہیں نکل آئے اور یہ سرگرمیاں ان کا کام تو نہیں ہے۔
- ☆ اس شک کی بنیاد پر انہوں نے نیل کا منہ کھلایا نیل کی کوٹھڑی میں مجران اور شہناز مداف تھرا آئے۔
- ☆ ایک شخص یوم کا پراسرار قتل.... وہ بھی ان کے سامنے۔
- ☆ انسپیکٹر جمشید 'انسپیکٹر کامران مرزا اور شکی برادرز کو مدد کے لئے بلائے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔
- ☆ انسپیکٹر کامران مرزا ان تک پہنچنے کے لئے روانہ ہوئے لیکن.... عجیب ترین حالات کا شکار ہو گئے۔
- ☆ شکی برادرز بھی گھر سے نکلے لیکن ان کے راستے میں بھی پراسرار رکاوٹ موجود تھی۔

کیا وہ ان رکاوٹوں کو دور کر سکے.... کوئی کارنامہ انجام دے سکے؟

## یہ کتب شاہک میں موجود ہیں

- ☆ ایک خط لکھ کر آپ جو کتابیں چاہیں رعایتی قیمت پر اوارے سے براہ راست منگوا سکتے ہیں۔
- ☆ کتابیں بذریعہ وی بی آر سال کی جاتی ہیں۔
- ☆ ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا۔
- ☆ شاہک میں موجود کتب کی فہرست ہر ماہ شائع کی جاتی ہے۔

قیمت	نام ناول	قیمت	نام ناول
" 30	ڈاٹ کے ہزار	" 45	دنیا کے قیدی
" 30	ہینے کو ارثر کی تلاش	" 40	پہلی کی موت
" 30	طوفانی دایسی	" 36	ڈاٹائے سم II
" 30	ہمسور کی موت	" 36	ڈاٹائے سم III
" 30	جنم کے پجاری	" 36	ہاٹل قیامت I
" 30	روشنی کا نوا	" 36	ہاٹل قیامت II
" 30	تصویر کی تصویر	" 36	ہاٹل قیامت III
" 30	آج سے آج بادشاہ	" 30	خون آلود ہاتھ
" 15	مکان کا فکھ	" 15	خونی اشتہد
" 15	اوٹل دے اونٹ	" 15	چوسے دان
" 15	راٹور کی آمد	15 روپے	بھوت کی چوری
" 15	ثبوت	" 15	نار کی قبر
" 15	چالی + خط	" 15	تیناٹ
" 15	کھمبوں کے قیدی	" 15	ہاٹلوم دشمن
" 15	شہابی مجرم	" 15	فلوٹ کا فوٹ
15 روپے	خوشبو کا پھندا	" 15	خالم ہمدرد
" 15	جراثیم کی دایسی	" 15	انکار قاتل
" 15	سیاہی جرم کی	" 15	موتے کا گھوڑا

قیمت	نام ناول	قیمت	نام ناول
60 روپے	قاتل کا ریس	120 روپے	بیک ہوں
" 60	راموشیا کا فکھ	" 66	جیرال + اہلال
" 30	جیشید پر کیس	" 60	جیرال
" 30	زولان کی دایسی	" 60	اہلال
" 30	قاتل پر دو گرام	" 60	فخ + شکست
" 30	سازش کا شہزادہ	" 60	گڑا مردہ
" 30	سازش کی آستین	" 60	فریقین نور
" 30	سازش کا قیدی	" 60	ہفت دایسی
" 30	مگر مگر	60 روپے	کمانی کا بھوت
" 30	انسانی ردیوٹ	" 60	تصویر کی موت